محمد عربی ﷺ

محمد عنایت اللہ اسد سبحانی

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔ ۲۵

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

محمد عنایت اللہ اسد سبحانی

انتساب

ان غیور، خوددار، حوصلہ منداور سرفروش فرزندان اسلام کے نام

- جونام محمدؐ سے عشق رکھتے
- جوآپؐ کی ایک ایک ادا پر جان دیتے
- جوآپؐ کی پیروی کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے
- اور جو آپؐ کے لگائے ہوئے چمن کو اپنے خون جگر سے سینچنے کا عزم رکھتے ہیں۔

خاکپائے مصطفیٰ

محمد عنایت اللہ سبحانی

فہرست ابواب

مضامین کی ایک جھلک

① ہوتی ہے سحر پیدا

- عرب میں شرک کی ابتدا
- عرب میں شرک کہاں سے آیا؟
- شرک کے تدریجی مراحل
- مکے میں سب سے پہلا بت کس طرح آیا؟
- دورِ جاہلیت کے مشہور بُت
- سلسلۂ رسالت کی نمایاں کڑیاں
- چاہِ زمزم کی دوبارہ کھدائی
- عبدالمطلب کی نذر
- عبداللہ کی جان بچ گئی!
- عبداللہ کی شادی آمنہ سے
- عبداللہ کی المناک موت
- صبح سعادت کا طلوع
- آمنہ کا لال حلیمہ کی گود میں
- دائی حلیمہ کے گھر برکتیں ہی برکتیں

⑤ طوفانی کشمکش

⑥ کالی گھٹائیں

⑦ نازک مرحلے

..................☆☆☆..................

عرض مؤلف

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الكريم وعلى آله وصحبه أجمعين. امابعد:

''محمدؐ عربی'' کو ہر حیثیت سے جو مقبولیت حاصل ہوئی، اور ہر حلقے میں اس کی جو پذیرائی ہوئی، وہ محتاج بیان نہیں۔ یہ سرتا سر رب کریم کا فضل واحسان ہے، جس پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے، کم ہے۔

آج سے تقریباً ۳۵ سال قبل اس کا پہلا اڈیشن منظر عام پر آیا تھا۔ اس پہلے اڈیشن کی ہی جیسی پذیرائی اور مؤلف کی جیسی حوصلہ افزائی ہوئی، وہ اس کے تصور اور اس کے اندازے سے بہت زیادہ تھی۔

اس کے بعد اس کے درجنوں اڈیشن منظر عام پر آئے۔ اور ساری دنیا میں جہاں جہاں اردو پڑھنے اور بولنے والے موجود تھے، ان کے ہاتھوں میں یہ کتاب نظر آنے لگی۔

پھر کچھ ہی عرصہ گزرا کہ ملک کی دوسری بہت سی زبانوں میں اس کے ترجمے ہونے شروع ہو گئے۔ ان زبانوں میں بھی یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔ یہ خالص اللہ کا فضل ہے جس میں اپنا کوئی دخل نہیں۔

ہمیں خوشی ہے یہ تازہ اڈیشن مزید اہتمام کے ساتھ منظر عام پر آرہا ہے۔ یہ

بہت سی مفید ترمیمات اور اضافوں کے ساتھ آرہا ہے۔زبان و بیان کے لحاظ سے بھی اسے مزید سنوارنے اور دلکش بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔اس طرح اس کتاب کی دلکشی اور افادیت پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہے۔

☆-----☆-----☆

اس کتاب کے چوتھے باب: ''پہلی پکار'' میں صفحہ ۱۲۹ پر پیارے نبیؐ کی ایک تقریر شامل ہے۔اس تقریر کے ابتدائی جملے اس طرح ہیں:

''دیدبان اپنوں سے جھوٹ نہیں بولتا۔خدا کی قسم میں غیروں سے جھوٹ بول بھی لوں، پر تم سے نہیں بول سکتا۔اوروں کو دھوکا دے بھی دوں، پر تم کو نہیں دے سکتا''۔

پیارے نبیؐ کے جن الفاظ کا یہ ترجمہ ہے وہ الفاظ اس طرح ہیں:

"إن الرائد لایکذب أهله،والله لو کذبت الناس جمیعا ما کذبتکم ولو غررت الناس جمیعاماغررتکم"

تقریر کے مذکورہ جملوں پر بہت سے قارئین کو الجھن پیش آتی رہی ہے۔وقتاً فوقتاً ہمیں اس طرح کے خطوط ملتے رہے کہ ان جملوں سے پیارے نبیؐ کی شخصیت مقدّسہ پر آنچ آتی ہے۔ان جملوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ نعوذ باللہ کسی سے جھوٹ بھی بول سکتے تھے۔یا کسی کو دھوکا بھی دے سکتے تھے۔

اب تک تو یہ تھا کہ خطوط لکھنے والوں کو خطوط کے ذریعہ ہم مطمئن کرنے کی کوشش کرتے رہے۔لیکن ظاہر ہے، یہ مسئلے کا کوئی مستقل حل نہ تھا۔پھر بہت سے ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جنہیں یہ الجھن پیش آتی ہو، مگر وہ ہم سے خطوط کے ذریعہ رابطہ نہ قائم کر سکے ہوں۔لہٰذا بہتر معلوم ہوا کہ انہی صفحات میں اس مسئلے کی وضاحت کر دی جائے۔تاکہ کتاب کا ہر پڑھنے والا اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

جہاں تک نقل و روایت کے پہلو سے ان الفاظ کے صحیح اور ثابت ہونے کا مسئلہ ہے تو اس سلسلے میں اتنا جان لینا شاید کافی ہوگا کہ سیرت کی قدیم اور مستند ترین کتاب السیرۃ الحلبیہ میں پیارے نبیؐ کا یہ خطبہ انہی الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو جلد اول صفحہ ۲۷۲۔

امام ابن اثیرؒ نے بھی اپنی مشہور و مستند تاریخ الکامل میں یہ خطبہ انہی الفاظ کے ساتھ درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو جلد دوم صفحہ ۲۷

پھر بعد میں دار العلوم جامعۃ القاہرہ کے وائس پرنسپل احمد زکی صفوت نے جمہرۃ خطب العرب کے نام سے تین جلدوں میں عربی خطبوں کا مجموعہ مرتب کیا، تو اس میں بھی یہ خطبہ انہی الفاظ میں درج کیا۔ ملاحظہ ہو جلد اول صفحہ ۱۴۷۔

پھر ادھر چند سال قبل سعودی عرب کے الرئاسۃ العامہ لادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد کے زیر اہتمام منتخب عربی خطبوں کا ایک مجموعہ شائع کیا گیا، خطبٌ مختارۃٌ کے نام سے، تو اس میں بھی اس خطبے کو انہی الفاظ میں درج کیا گیا۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۶۔

گویا ان تمام محققین نے ان الفاظ کی توثیق کی ہے۔ ان تمام مورخین نے ان الفاظ کو اسی حیثیت سے لیا ہے کہ یہ پیارے نبیؐ کی ہی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔

اب رہا ان الفاظ کا مفہوم تو حقیقت یہ ہے کہ پیارے نبیؐ کے ان الفاظ میں الجھن کی کوئی بات نہیں ہے۔ جن لوگوں کو بھی یہاں الجھن پیش آئی ہے، اس کی وجہ بس یہ ہے کہ عربی اسلوب کلام اور عربی انداز بیان سے وہ مانوس نہیں ہیں۔ یہ محض ایک انداز کلام یا ایک اسلوب بیان ہے، جہاں مفہوم کی تعیین محض عبارت کے الفاظ سے نہیں ہوتی، بلکہ مفہوم متعین کرتے وقت دیکھا جاتا ہے کہ

کیا بات کہی گئی ہے؟ کس موقع سے کہی گئی ہے؟ کن لوگوں سے کہی گئی ہے؟ اور کہنے والا کون ہے؟

یہ ساری چیزیں سامنے رہتی ہیں، تبھی اس کلام کا صحیح مفہوم متعین ہوتا ہے۔

اس طرح کے اسالیب کلام عرب میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں قرآن پاک میں بھی بار بار استعمال ہوئے ہیں۔ یہاں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:

پیارے نبیؐ کو مخاطب کرتے ہوئے ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''کہو، اگر رحمٰن کے کوئی بیٹا ہو تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کروں گا۔ آسمانوں اور زمین کے رب، عرش کے مالک کی شان ان سب باتوں سے بہت بلند ہے، جو یہ لوگ کہتے ہیں۔''

(قل إن كان للرحمن ولد فأنا أول العابدين. سبحان رب السموات والارض رب العرش عمايصفون) (زخرف: ۸۱۔۸۲)

کیا اس آیت کی بنیاد پر یہ کہنا درست ہوگا کہ نعوذ باللہ رحمٰن کے کوئی بیٹا بھی ہو سکتا تھا؟ اور کیا رسول پاک رحمٰن کے علاوہ کسی اور کی بھی عبادت کر سکتے تھے؟ کیا ان دونوں باتوں کا کسی بھی درجہ میں کبھی امکان پایا جاتا تھا؟ یا پایا جا سکتا تھا؟

ایک دوسرے موقع پر پیارے نبیؐ کے بارے میں ارشاد ہے:

''اگر وہ ہمارے نام سے بنا لاتا کوئی بات تو ہم پکڑتے اس کا داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالتے اس کی رگ گردن۔ پھر تم میں کوئی نہ ہوتا اس سے روکنے والا''

(ولو تقول علينا بعض الأقاويل لأخذنا منه باليمين ثم لقطعنا منه الوتين فمامنكم من أحد عنه حاجزين) (الحاقہ: ۴۴۔۴۷)

تو کیا ان آیات کی بنیاد پر یہ امکان تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ پیارے نبیؐ اپنے جی سے کوئی بات گھڑ کر اللہ کے نام سے پیش کر سکتے تھے؟

اور کیا یہ امکان بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا داہنا ہاتھ پکڑ کر آپؐ کی رگ گردن کاٹ سکتا تھا؟

کیا انبیائے کرام کی پوری تاریخ میں اس طرح کی غلطی کسی نبی نے کی ہے؟ اور کیا کسی نبی کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی رگ گردن کاٹی گئی ہے؟ اگر نہیں تو پھر نبی آخر الزماں کے سلسلے میں اس طرح کا امکان کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

ایک اور مقام پر پیارے نبیؐ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا تم ان کافروں کی طرف کچھ مائل ہو جاتے۔ اگر ایسا ہو جاتا، پھر تو ہم تمہیں اس زندگی میں بھی دوہری سزا دیتے، اور مرنے کے بعد بھی دوہرا عذاب دیتے۔ اور تم اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پا سکتے''

(ولولاأن ثبتناك لقد كدت تركن إليهم شيأقليلاإذاً لأذقناك ضعف الحياة وضعف الممات ثم لا تجدلك علينانصيرا)

(سورۂ اسراء:۷۴-۷۵)

کیا خیال ہے؟ کیا اس ارشاد الٰہی کی بنیاد پر یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ اس کا بھی امکان تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حق پر ثابت قدم نہ رکھتا؟ اور کیا اس کا بھی امکان تھا کہ رسول پاک کافروں کی طرف جھک جاتے، اور ان کے شرک کو گوارا کر لیتے؟ اور کیا اس کا بھی امکان تھا کہ آپؐ دنیا و آخرت میں خدا کی طرف سے دوہرے عذاب کے مستحق ہوتے؟

ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''آسمان وزمین اوران دونوں کے درمیان میں جو کچھ ہے، اسے ہم نے نہیں پیدا کیا ہے کھلواڑ کرتے ہوئے۔اگر ہمارا ارادہ ہوتا کہ ہم کھیل تفریح کی چیز بنائیں تو وہ اپنے پاس ہی بنا لیتے،اگر ہمیں ایسا کرنا ہی ہوتا''

(وما خلقنا السماء والأرض ومابينهما لاعبين.لو أرَدناأن نتخذلهوالاتخذناه من لدناإن كنافاعلين) (انبیاء:۱۶۔۱۷)

تو کیا اس ارشادالٰہی کی بنیاد پر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس کا بھی امکان تھا کہ اللہ تعالیٰ یہ پورا کارخانہ حکمت بالکل عبث اور بے مقصد پیدا کر دیتا۔اوراس کی حیثیت ایک کھیل تفریح سے زیادہ کچھ نہ ہوتی ؟!

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اگر زمین وآسمان میں خدائے واحد کے بجائے بہت سے الہ ہوتے تو یہ زمین وآسمان دونوں برباد ہو جاتے۔اللہ جوعرش کا مالک ہے،اس کی شان بہت بلند ہےان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں''

(لو كان فيهما آلهةإلاالله لفسد تافسبحان الله رب العرش عمايصفون) (سورۂ انبیاء:۲۲)

یہاں اس آیت کی بنیاد پر کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ نعوذ باللہ اس کائنات میں اس کا بھی امکان تھا کہ اللہ نہ ہوتا۔اس کی جگہ دوسرے بہت سے الٰہ ہوتے۔اوراس کے نتیجہ میں اس کائنات کانظام درہم برہم رہتا؟!

ایک موقع پر اللہ تعالیٰ کافروں کو بالواسطہ مخاطب کر کے فرماتا ہے:

''کہو،اگر تم لوگ مالک ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے،تو تم توان خزانوں پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے اس اندیشے سے کہ کہیں سب خرچ نہ ہو جائے۔اورانسان تو بڑا بخیل واقع ہوا ہے۔''

(قل لو أنتم تملكون خزائن رحمة ربی إذالأمسكتم خشية الانفاق،وكان الانسان قتورا) (سورۂ اسراء:۱۰۰)

تو کیا اس آیت کی بنیاد پر یہ کہنا درست ہوگا کہ اس کا بھی امکان تھا کہ رب کے تمام خزانوں کے مالک یہ کفار ہو جاتے ،اور جو اصلاً مالک الملک ہے،اس کے ہاتھ میں کچھ نہ رہ جاتا؟!!

ظاہر ہے اوپر جتنی باتیں بیان ہوئی ہیں،ان میں سے کسی بات کا بھی امکان نہیں تھا۔ یہ محض مخاطب کو سمجھانے ،اوراسے غوروفکر پرآمادہ کرنے کے لیے ایک بلیغ اسلوب یاایک موثر انداز ہے جو عربی زبان میں کثرت سے استعمال ہے۔

پیارے نبیؐ نے بھی محض قوم کو سمجھانے اورانہیں قبول حق پرآمادہ کرنے کے لیے اپنے خطبے میں یہ موثر انداز اختیار فرمایا تھا۔اس سے یہ بات ہرگزنہیں نکلتی کہ آپ نعوذباللہ کسی سے جھوٹ بھی بول سکتے تھے یاکسی کو دھوکا بھی دے سکتے تھے۔

اس خطبے میں آپؐ نے جو بات فرمائی تھی، وہ ان لوگوں سے فرمائی تھی جو آپ کی سچائی اورامانت داری کی قسمیں کھایا کرتے تھے۔وہ یہ یقین رکھتے تھے کہ ساری دنیا جھوٹ بول سکتی ہے پرآپؐ نہیں بول سکتے۔ایک ایساراست باز انسان جب ایسے لوگوں سے، جو اس کی سچائی کی قسمیں کھاتے ہوں، کسی موقع پر یہ کہے کہ میں ساری دنیا سے جھوٹ بول لوں پرتم سے نہیں بول سکتا،تو اس کی اس بات میں کتنا اثر اورکتنا زور پیدا ہو جائے گا،اس کا اندازہ لگالینا کسی صاحب ذوق کے لیے مشکل نہیں۔

امید ہے اس تفصیل سے بات پوری طرح واضح ہوگئی ہوگی۔ ہزاروں ہزار درودوسلام ہواس نبی امّی پرجس کا ایک ایک بول فصاحت وبلاغت کا شاہ کار تھا۔جس نے اول روز سے ہی ایسے موثر اوردلنشیں انداز میں قوم کو خطاب کیا، کہ

اس سے زیادہ موثر اور دلنشیں انداز کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔

یہی وجہ ہے پہلے ہی روز سے دلوں کی دنیا میں ہلچل مچ گئی۔ ''دل کے اصنام گرنے لگے منہ کے بل''! اس طرح دھیرے دھیرے باطل کی ظلمت چھٹتی چلی گئی۔ حق کی روشنی پھیلتی چلی گئی۔ اور دیکھتے دیکھتے وہ وقت آ گیا کہ پورا جزیرۂ عرب آفتاب حق کی کرنوں سے جگمگا اٹھا۔ وقیل الحمد لله رب العلمين. هذا وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

ادارہ احیائے دین	خاک پائے مصطفیٰ
بلریا گنج 276121	محمد عنایت اللہ
اعظم گڑھ۔ یوپی	۱۰ر رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ
	۶ر دسمبر ۲۰۰۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی لا اله الا هو له الملك وله الحمد وهو علىٰ كل شي قدير والصلوٰة والسلام على رسوله الكريم وخاتم النبين وعلىٰ آله واصحابه ومن تبعهم باحسان الىٰ يوم الدين.

اردو زبان میں سیرتِ نبویؐ پر اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ اس میں ایسی قابل قدر کتابیں بھی موجود ہیں جو دنیا کی کسی دوسری زبان میں نہیں پائی جاتیں۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے میرے لیے یہ راہ نکالی کہ میں اس زبان میں اس موضوع کی کچھ خدمت کرسکوں۔ مجھے امید ہے یہ کتاب پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائے گی اور اس کا مطالعہ ان لوگوں کے لیے بھی فائدے سے خالی نہ رہے گا جنہوں نے اس موضوع پر دوسری کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔

یہ کتاب دراصل ایک عربی کتاب کا نقش ثانی ہے۔ عرصہ ہوا مصر کے محکمہ تعلیم وتربیت کے نگران عام الاستاذ محمد احمد برانق کی نگرانی وسرپرستی میں سیرتِ نبویؐ پر ایک مجموعہ شائع ہوا تھا جو چودہ حصوں پر مشتمل تھا۔ یہ مجموعہ محترم محمد عبدالحیؒ صاحب مدیر الحسنات کو مکہ معظّمہ کے کسی مکتبے پر نظر آیا موصوف کو جو کہ خود ''حیات طیبہ'' جیسی مقبول عام کتاب کے مصنف ہیں، یہ کتاب بہت پسند آئی۔ آپ اسے اپنے ہمراہ لیتے آئے۔ آپ کا خیال تھا اسی انداز کی کتاب اردو

زبان میں بھی آجائے تو بہت مفید رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت میرے نصیب میں لکھ رکھی تھی۔ چنانچہ موصوف کی یہ پاکیزہ خواہش اللہ تعالیٰ اپنے اس ناتواں بندے کے ہاتھوں پوری کرا رہا ہے۔ ان الفضل بید الله یؤتیه من یشآء والله ذو الفضل العظیم.

میں نے اس کتاب کی شروع سے آخر تک پیروی کی ہے اور اسی کی ترتیب کو قائم رکھا ہے۔ اس کے پیرایۂ بیان اور اسلوبِ نگارش کو بھی برقرار رکھنے کی اپنی حد تک پوری کوشش کی ہے۔ پھر بھی میں اس کا بالکل پابند ہو کر نہیں رہا ہوں۔ اس لیے اسے اس کا ترجمہ یا ترجمانی بھی نہیں کہہ سکتا۔ اپنی محدود عقل و فہم کے مطابق میں نے جہاں جہاں ضرورت محسوس کی ہے اصلاح و ترمیم اور حذف و اضافہ سے بھی کام لیا ہے۔ جو واقعات غیر اہم معلوم ہوئے یا جو اہل نظر کے نزدیک غیر مستند سمجھے گئے ہیں، میں نے انہیں حذف کر دیا۔ بعض باتیں نظر انداز ہو گئی تھیں لیکن مجھے قابل ذکر محسوس ہوئیں تو میں نے انہیں شامل کر لیا۔ موقع موقع سے سبق آموز پہلوؤں کو ابھارنے کی بھی کوشش کی ہے۔ اصل کتاب میں واقعات کی تاریخوں کا اہتمام نہ تھا۔ میں نے اس کا بھی اہتمام کیا ہے۔ کہیں اجمال کے بجائے تفصیل اور تفصیل کے بجائے اختصار سے کام لیا ہے۔ امید ہے اس تصرف کے بعد کتاب کی افادیت کچھ اور بڑھ گئی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کوشش کو قبول فرمائے، لوگوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے اور اس گنہگار کے حق میں یہ رحمت و مغفرت کا بہانہ بنے۔

اس کتاب سے دوسروں کو فائدہ پہنچنے کی جو امید ہے وہ اپنی جگہ پر اللہ تعالیٰ اسے پورا فرمائے۔ لیکن خود میری ذات کو اس کتاب کی تیاری کے زمانے میں جو فائدے حاصل ہوئے وہ میری کوششوں کا نقد صلہ ہے جو بجائے خود کچھ کم نہیں۔

صلوٰۃ وسلام ہواُس ذات پر جس کے ذریعہ میری زندگی کو روشنی ملی۔ جس کی زندگی کو پڑھ کر فکر ونظر کو گہرائی ملی، خیالات کو بلندی ملی۔ جذبات کو ستھرائی اور پاکیزگی ملی۔ فضائل اخلاق اور حسن اعمال کا کامل ترین اسوہ ملا۔ عزم وحوصلہ اور صبر واستقلال کا بلند ترین نمونہ ملا۔ سیادت وقیادت اور پیشوائی وفرمانروائی کی کامیاب ترین مثال ملی اور عبدیت وبندگی کی اعلیٰ ترین تصویر ملی۔

صلوٰۃ وسلام ہواس ذات پر جس کا اتباع میری زندگی کا سرمایہ اور جس کی شفاعت میری آخرت کا سہارا ہے۔ جس کے فیض سے میرے قلم کو گویائی ملی۔ جس کی زندگی اور پیغام سے لوگوں کو باخبر کرنا انسانیت کی سب سے بڑی خدمت اور میری سب سے بڑی سعادت ہے۔ صلوات اللہ علیہ وسلامہ ورحمتہ وبرکاتہ

۱۵؍رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ

خاکپائے مصطفیٰ
محمد عنایت اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

''آپؐ کو پہلے پہل جو دیکھتا اُس پر آپؐ کی ہیبت طاری ہو جاتی۔ آپؐ کے قریب جو رہتا اُسے آپؐ سے محبت ہو جاتی۔ آپؐ کے اوصاف بیان کرنے والا کہتا ہے کہ میں نے آپؐ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ نہ آپؐ کے بعد نہ آپؐ سے پہلے...... صلی اللہ علیہ وسلم۔''

یہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تبصرہ ہے۔ بالکل یہی تاثر ایک دوسرے انداز میں عروہ بن مسعود نے صلح حدیبیہ کے موقع پر بیان کیا تھا۔ کفار مکہ نے پہلے بدیل کو پھر مکرز کو پھر حلیس کو آپؐ کے پاس نمایندہ بنا کر بھیجا لیکن انہیں کسی کی نمایندگی پسند نہیں آئی۔ آخر میں انہوں نے عروہ بن مسعود کو بھیجا۔ انہوں نے واپس آ کر کہا:

''اے قریش کے لوگو! میں کسریٰ کے پاس اس کے دربار شاہی میں جا چکا ہوں، قیصر کے پاس اس کے دربار شاہی میں جا چکا ہوں۔ اور نجاشی کے پاس اس کے دربار شاہی میں جا چکا ہوں۔ اللہ کی قسم میں نے کسی بھی بادشاہ کی کسی قوم میں وہ شان نہیں دیکھی جو شان محمد کی اس کے ساتھیوں کے درمیان دیکھی۔ سچ کہتا ہوں، میں نے ایسی قوم دیکھی ہے جو کسی صورت میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔

اب تم سوچ لو۔‘‘

یہ دو شہادتیں ہیں۔ پہلی شہادت ایک بالغ نظر اور جاں نثار ساتھی کی ہے جو قبل نبوت سے لے کر آخر تک سفر وحضر اور خلوت وجلوت میں ہمیشہ آپؐ کے ساتھ رہا، جس کا آپؐ سے قریب ترین رشتہ تھا جس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا تھا، انت منی و انا منك. دوسری شہادت ایک مردم شناس اور جہاندیدہ دشمن کی ہے جسے اپنی قوم میں معزز ترین مقام حاصل تھا۔ قوم کے لوگ اُسے پہلو ٹھی کی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اس لیے بجا طور پر عظمت اور محبت کی حقیقت سے بخوبی آشنا تھا۔

دوست اور دشمن دونوں اس بات پر شاہد ہیں کہ محمد عربی ﷺ ایک بارعب، دل آویز اور بے مثال شخصیت کے مالک تھے۔ آپ ﷺ جیسا شخص کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر آدمی پر رعب طاری ہو جاتا۔ فرشِ خاک پر بے سروسامان ساتھیوں کے درمیان بھی آپ ﷺ کی ہیبت وعظمت کا یہ عالم ہوتا کہ اس کے سامنے قیصر وکسریٰ اور نجاشی تمام جاہ وجلال اور تزک واحتشام کے ساتھ اپنے تخت وتاج میں ہیچ نظر آتے۔

ساتھ ہی آپؐ کے اندر بلا کی کشش تھی۔ جو شخص قریب سے دیکھتا آپؐ کا گرویدہ ہو جاتا۔ آپؐ کے ساتھی دل وجان سے آپؐ پر فدا رہتے۔

یہ محض دو آدمیوں کا احساس نہیں ہے۔ تاریخ کی بے شمار مثالیں گواہ ہیں کہ یہ ایک عام احساس تھا۔ پھر یہ احساس آپؐ کی زندگی ہی تک محدود نہیں رہا۔ چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی آج آپؐ کی سیرت پڑھنے سے یہی احساس پیدا ہوتا ہے۔ کوئی بھی انصاف پسند، دوست ہو یا دشمن، اس سے انکار نہیں کرسکتا۔

رسول اللہ ﷺ کی کامل اطاعت کا نام اسلام ہے جس پر انسان کی فلاح

ونجات کا دارومدار ہے حقیقی اطاعت کی بنیاد اور رُوح یہی محبت اور تعظیم ہے۔ یہ دونوں جذبات کسی کے بارے میں جتنے زیادہ ہوتے ہیں۔اس کی اطاعت اتنی ہی کامل اور پائدار ہوتی ہے، آسانی سے بے چون و چرا ہوتی ہے، ذوق وشوق سے ہوتی ہے، جوش اور ولولے سے ہوتی ہے اور شرف وعزت سمجھ کر ہوتی ہے۔ پھر آدمی اطاعت ہی پر قناعت نہیں کرتا۔ایک قدم آگے بڑھ کر اتباع کی کوشش کرتا ہے۔اپنے پیشوا کی ایک ایک بات اور ایک ایک ادا کو محبت وعظمت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اپنے کو اسی رنگ میں رنگنے کی فکر کرتا ہے۔

سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت اور آپؐ کی عظمت وبرتری کے احساس کی اس کیفیت کو پیدا کرنے اور پروان چڑھانے کا واحد ذریعہ آپؐ کی سیرت پاک کا مطالعہ ہے۔یوں کہیے کہ آپؐ کے بارے میں ہم سے جس اطاعت کا مطالبہ کیا گیا ہے ایک سلیم الفطرت انسان کے اندر اس اطاعت کا جذبہ آپؐ کی سیرت کے مطالعہ سے خود بخود پیدا ہوتا ہے، پیدا کرنا نہیں پڑتا۔

یہ مطالعہ غور سے ہونا چاہیے اور بار بار ہونا چاہیے کیونکہ عظمت وبرتری کا احساس تو ایک بار کے مطالعہ سے بھی کسی حد تک ہوسکتا ہے۔لیکن محبت پیدا کرنے کے لیے بار بار مطالعہ کرنا ضروری ہے۔جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ الفاظ سے بھی سمجھا جاسکتا ہے کیونکہ آپؐ سے قریب رہنے اور ملتے جلتے رہنے کی شکل یہی ہوسکتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع جس سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ آدمی کے سیرت وکردار میں اپنی صلاحیت اور کوشش کے مطابق رسولؐ کی شخصیت کی جھلک نظر آئے۔اب اگر کسی کو حوصلہ ہے ایسی شخصیت کی تعمیر کا جس میں کشش اور دل آویزی ہو، عظمت اور بزرگی ہو، رعب

اور دبدبہ ہوتو اس کے لیے ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سیرت کو بنیاد بنائے اور اس کا مطالعہ کرتا رہے۔

آپؐ کی سیرت کا مطالعہ تمام سیرتوں سے بے نیاز کرسکتا ہے۔لیکن تمام عظیم ہستیوں کی سیرت کا مطالعہ آپؐ کی سیرت سے بے نیاز نہیں کرسکتا۔

یہ شاعری ہے یا حقیقت؟ اس کا صحیح فیصلہ آپؐ کی سیرت کے وسیع اور گہرے مطالعہ کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔ فداہ ابی و امی.

محمد امانت اللہ اصلاحی

۱۴؍شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ ۔ جامعہ اسلامیہ۔مدینہ منورہ

محمد عربی ﷺ

(۱)

ہوتی ہے سحر پیدا

- عرب میں شرک کی ابتدا
- عرب میں شرک کہاں سے آیا؟
- شرک کے تدریجی مراحل
- مکے میں سب سے پہلا بت کس طرح آیا؟
- دورِ جاہلیت کے مشہور بت
- سلسلۂ رسالت کی نمایاں کڑیاں
- چاہ زمزم کی دوبارہ کھدائی
- عبدالمطلب کی نذر
- عبداللہ کی جان بچ گئی!
- عبداللہ کی شادی آمنہ سے
- عبداللہ کی المناک موت
- صبح سعادت کا طلوع
- آمنہ کا لال حلیمہ کی گود میں
- دائی حلیمہ کے گھر برکتیں ہی برکتیں
- بی بی آمنہ کی وفات
- آمنہ کا لال دادا کی سرپرستی میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

①

دین ابراہیمی عرب میں زیادہ نہیں ٹھہرا۔ پورے ملک میں پھر بت پرستی پھیل گئی۔ لوگ خدا کے ساتھ بتوں کو پوجنے لگے۔ ان کو خدا تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھنے لگے۔ ان کا عقیدہ تھا، یہ خدا کے ساجھی اور ہمارے سفارشی ہیں۔ یہی حاجت روا اور مشکل کشا ہیں۔ چنانچہ مصیبتوں میں اُنھی کو پکارتے، فریادیں بھی اُن ہی سے کرتے اور مرادیں بھی اُن ہی سے مانگتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تو خالص توحید کے داعی تھے اور شرک و بت پرستی سے بے زار لیکن یہ لوگ ان کا سکھایا ہوا سبق بھول گئے اور مورتیوں کے پُجاری بن گئے لیکن ایسا ایک دم نہیں ہو گیا۔ اس میں بھی زمانہ لگا۔ نہ جانے کتنی صدیاں بیت گئیں اور نہ جانے کتنی نسلیں گزر گئیں۔ تب کہیں جا کر شرک کے پیر جمے۔

یہ شرک آیا کہاں سے؟ بت پرستی پھیلی کیسے؟ بات یہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام سے عربوں کو بے انتہا عقیدت تھی۔ کعبہ انھی دونوں کی تعمیر تھی۔ اس لیے ان کو کعبہ سے بھی بڑی محبت تھی۔ پھر یہ محبت اسی تک محدود نہ رہی۔ اس کے اردگرد جتنے پتھر تھے، وہ بھی ان کے نزدیک بہت ہی محبوب اور

متبرک بن گئے۔

اب اگر وہ مکے سے باہر جاتے روزگار یا کاروبار کے لیے تو وہاں کا ایک پتھر بھی ساتھ لے لیتے۔ اُن کا خیال تھا، اس سے سفر میں برکت ہوگی اور مقصد میں کامیابی۔

پھر بات یہیں تک نہ رہی۔ جو لوگ مکے سے کچھ دور رہتے تھے وہ کعبے کے پاس سے پتھر اٹھا کر لے گئے اور اپنے یہاں نصب کر لیے۔ اب وہ کعبے کی طرح ان کا طواف کرتے حجرِ اسود کی طرح ان کو بوسہ دیتے۔

اس طرح وہ عقیدہ جس کے خلاف حضرت ابراہیمؑ نے زندگی بھر جہاد کیا تھا، عرب میں پھر لوٹ آیا۔

پھر ایک بات اور تھی، جس کی وجہ سے یہ عقیدہ اور تیزی سے پھیلا۔ آتش فشاں پہاڑ پھٹتے تو لاوے کی شکل میں جو پتھر نکلتے، ان کے بارے میں تصور تھا، یہ ٹوٹے ہوئے تارے ہیں، جو آسمان سے زمین میں آ گئے ہیں۔ یہیں سے وہ پتھر مقدس سمجھے جانے لگے کیونکہ بعض قومیں تاروں کی عظمت کی قائل تھیں اس لیے کہ اُن میں خلاّق عالم کی قدرت کا جلوہ تھا، اُس کی طاقت اور عظمت کا پرتو تھا۔

چنانچہ جن پتھروں کے بارے میں انہیں گمان ہوتا، یہ ستاروں سے ٹوٹے ہوئے ہیں، ان کو بہت متبرک سمجھتے اور بے انتہا تعظیم کرتے۔ پھر عظمت کا یہ تصور اور آگے بڑھا اور اب ان کی پوجا بھی ہونے لگی۔

نسلوں پر نسلیں گزرتی رہیں۔ یہاں تک کہ یہ عقیدہ بالکل پختہ ہو گیا۔ اب کوئی بھی پتھر مل جاتا جو خوبصورت اور سڈول ہوتا یا جس کی ساخت میں کچھ نیاپن ہوتا یا کسی مخلوق کی شکل سے مشابہ ہوتا، اس کی عظمت ان کے دل میں بیٹھ جاتی اور وہ اسے پوجنے لگتے۔

پھر ایک قدم اور آگے بڑھے۔ اب وہ پتھروں کو خود تراشتے۔ اپنی پسند کے مجسمے بناتے۔ جس بزرگ یا دیوتا سے چاہتے منسوب کر دیتے۔ اور جو دل چاہتا، اُن کے نام رکھ لیتے۔ پھر ان کو ایک جگہ نصب کر کے پوجنا شروع کر دیتے۔ عقیدت و محبت میں ان پر نذرانے چڑھاتے۔ ان کے نام کی منتیں مانتے۔ ان کا خیال تھا، اس طرح وہ دیوتا اللہ کے یہاں سفارش کریں گے، بگڑے ہوئے کام بنا دیں گے اور آخرت میں ذریعۂ نجات ہوں گے۔

مکے میں سب سے پہلے جو بت داخل ہوا اور پھر خانہ کعبہ کے سامنے نصب ہوا، وہ ہبل تھا۔ اس کو لانے والا شخص عمرُ و بن لُحیؔ تھا۔ یہ کہیں سفر کر رہا تھا، راستے میں ایک مقام سے گزر ہوا۔ دیکھا، لوگ مورتیاں پوج رہے ہیں۔ اس کو بہت بھلا معلوم ہوا۔ ان سے کہا، ایک مورتی ہمیں بھی دے دو۔ ہم اپنے یہاں لے جائیں گے۔ ہم بھی اس کی پوجا کریں گے۔ لوگ بخوشی تیار ہو گئے اور وہ مورتی لے کر مکے آ گیا۔

پھر رفتہ رفتہ خانۂ کعبہ کے پاس اور مورتیاں آ گئیں۔ ان میں دو مشہور مورتیاں اِساف اور نائلہ بھی تھیں۔ یہ چاہِ زمزم پر نصب تھیں۔ اُس وقت چاہ زمزم بالکل پٹ چکا تھا۔ بہیترے تو اس کے نام تک سے ناآشنا تھے۔

یہی نہیں، بیشتر قبیلوں کی اپنی اپنی مورتیاں بھی تھیں، جو اِدھر اُدھر مختلف علاقوں میں نصب تھیں۔ مثلاً:

عزّیٰ: یہ قریش کی سب سے بڑی مورتی تھی۔

لات: طائف کا ایک قبیلہ تھا ثقیف، یہ اس کی مورتی تھی۔

مَنات: مدینے کے دو مشہور قبیلے تھے، اَوس اور خزرج یہ ان کی مورتی تھی۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مورتیاں تھیں۔

یہ وہی گھر تھا جسے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے اپنے مقدس ہاتھوں سے بنایا تھا۔ بڑی آرزوؤں اور تمناؤں سے بنایا تھا۔ جس کے بنانے میں اپنا خون پسینہ ایک کیا تھا۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ یہ توحید کا مرکز بنے۔ رب کا سب سے بڑا گھر بنے۔ لیکن قوم نے ساتھ نہ دیا۔ یہی خانۂ خدا، بت خانہ بن گیا۔ یہی مرکز توحید، منبع شرک بن گیا۔

لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کا دیا ہوا سبق فراموش کر دیا۔ اب انہیں یاد بھی نہیں رہا کہ کبھی اسی گھر سے توحید کی صدا بلند ہوئی تھی بلکہ اب ان کے لیے یہ تصور کرنا بھی دشوار تھا کہ بت پرستی کے سوا بھی کوئی سچائی ہو سکتی ہے۔

جس باپ نے بتوں سے بغاوت کر کے پوری قوم کی دشمنی مول لی تھی، آج اسی باپ کی اولاد ان بتوں پر جان و دل سے فدا تھی۔"

(۲)

مکے میں نہ جانے کتنے انقلابات آئے اور گزر گئے۔ نہ جانے کتنی نسلیں آئیں اور مٹ گئیں۔ نہ جانے کتنی قومیں حکمراں ہوئیں اور بے دخل ہو گئیں۔ یہاں تک کہ باگ ڈور قصیّ کے ہاتھ میں آئی۔ یہ کلاب کے بیٹے تھے اور اسمعیلی خاندان سے تھے۔ قریشی رشتہ داروں اور عزیزوں نے بھی ساتھ دیا اور ہر طرح ان کا تعاون کیا۔

مکے میں اب تک خیمے ہی خیمے تھے۔ عمارتوں کا نام و نشان نہ تھا۔ کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ سرزمین کعبہ میں کوئی گھر تعمیر کرے یا کوئی اور عمارت بنوائے جو بیت اللہ سے اونچی ہو۔

قُصیؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہ ہمت کی۔ انہوں نے ایک عمارت بنوائی جس کا نام ''دار الندوہ'' رکھا۔ وہاں وہ اشراف مکہ کو جمع کرتے۔ بیٹھ کر شہری مسائل پر غور کرتے۔ اہم معاملات میں اُن سے مشورے لیتے۔ وہیں پر مقدمات کے فیصلے ہوتے۔ شادی بیاہ کے مسائل طے ہوتے۔

پھر قُصیؒ نے قریش کو بھی عمارتیں بنانے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے کعبے کے آس پاس اپنے گھر تعمیر کیے۔ البتہ بیچ میں بہت کافی جگہ چھوڑ دی کہ حاجی آئیں تو طواف وغیرہ میں کوئی زحمت نہ ہو۔

قصی نے اپنے دور میں کئی بڑے بڑے کام کیے، جو ایک زمانے تک یادگار رہے۔۔ مشعر حرام انہی کی ایجاد ہے، جس پر حج کے دنوں میں چراغ جلتے تھے۔

انہی نے تمام قریش کو جمع کیا اور تقریر کی:

''بھائیو! خانۂ کعبہ کی زیارت کے لیے حاجی نہ جانے کہاں کہاں سے آتے ہیں۔ سیکڑوں، ہزاروں میل کے فاصلے طے کر کے آتے ہیں۔ بھائیو! ان کی میزبانی کرنا تمہارا فرض ہے۔''

پھر اس سلسلے میں انہوں نے دو عہدے قائم کیے:

(۱) ایک کا نام تھا سِقایہ: اس کا کام تھا کہ حاجی آئیں تو ان کے لیے میٹھے پانی کا انتظام کرے۔ چاہ زمزم پٹ چکا تھا۔ اس لیے پانی کمیاب تھا۔ بہت دور دور سے لانا پڑتا۔ نبیذ وغیرہ کا اہتمام بھی اسی شعبے کے سپرد تھا، جو عربوں کی خاص چیز تھی۔

(۲) دوسرے عہدے کا نام تھا رِفادہ: قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی۔ اس سے منیٰ اور مکے میں حاجیوں کی ضیافت کی جاتی۔ اس شعبے کے ذمہ اسی کا انتظام تھا۔

خانۂ کعبہ سے متعلق بھی ایک عہدہ قائم کیا۔ اور اس کا نام ''حِجابہ'' رکھا۔ جو اس عہدے کا ذمہ دار ہوتا، وہی کعبے کا کلید بردار ہوتا۔ کعبے سے متعلق سارے کام اسی کے سپرد ہوتے۔ کوئی کعبے کے اندر جانا چاہتا تو پہلے اس سے اجازت لیتا۔ اس کی اجازت کے بغیر اندر جانا منع تھا۔

یہ تینوں عہدے عربوں کے نزدیک بہت محترم تھے۔ بعد میں ان عہدوں کو اتنی اہمیت حاصل ہوگئی کہ اگر کسی کو ان میں سے کوئی عہدہ مل جاتا یا کسی عہدے میں دوسرے کا شریک ہوجاتا تو مارے خوشی کے پھولا نہ سماتا۔ سمجھتا، گویا کسی اقلیم کی بادشاہت مل گئی۔ قُصیّ نے ان سارے عہدوں کو اپنے لیے مخصوص رکھا۔

یہ عہدے تو حج اور کعبہ سے متعلق تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی عہدے تھے، جو سب قصی کے ہاتھ میں تھے۔

پھر جب قصیّ بوڑھے ہوگئے، ساری ذمہ داریوں کا بار اُٹھانا دشوار ہوگیا تو یہ تینوں عہدے عبدالدار کے سپرد کردیے۔ یہ قصی کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔

بعد میں یہ عہدے عبدالدار سے اُن کے بیٹوں میں منتقل ہوگئے۔

قُصیّ کے ایک اور بیٹے تھے عبدِ مناف۔ ان کی اولاد اثر و رسوخ میں عبدالدار کی اولاد سے بڑھی ہوئی تھی۔ انہوں نے فیصلہ کرلیا چچیرے بھائیوں سے ان عہدوں کو چھیننے کا۔

چنانچہ بڑی کشمکش رہی۔ خاندانِ عبدالدار نے عہدے حوالے کرنے سے انکار کردیا اور جنگ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ لیکن پھر صلح ہوگئی اور طے ہوا، یہ عہدے دونوں میں تقسیم ہوجائیں۔

تقسیم ہوئی تو آلِ مناف کے حصے میں سِقایہ اور رِفادَہ آیا۔

عبدِ مناف کے ایک بیٹے تھے ہاشم۔ یہ بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔

قوم میں ہر دلعزیز تھے۔ مال و دولت سے بہرہ مند تھے۔ اس لیے یہ دونوں عہدے اُنہی کو ملے۔

ہاشم بہت درد مند، غریب پرور اور رحمدل انسان تھے۔ دادا کی سنت انہوں نے بھی جاری رکھی۔ ہمیشہ حاجیوں کے لیے کھانے کا انتظام کرتے۔ نہ صرف حاجیوں کے لیے انتظام کرتے بلکہ مکے کے غریبوں کا بہت خیال رکھتے۔

انہوں نے اہلِ مکہ کی مالی حالت بہتر بنانے کی بھی تدبیریں سوچیں، اس کا بندوبست کیا کہ سال میں دوبار تاجروں کے قافلے ملک کے باہر جائیں اور وہاں تجارت کریں۔ چنانچہ ہر سال ایک قافلہ گرمیوں میں جاتا اور ایک سردیوں میں۔ گرمیوں میں شام کی طرف جاتا، سردیوں میں یمن کی طرف۔

رومی بادشاہ سے اجازت حاصل کی کہ قریش اس کے ملک میں سامانِ تجارت لے کر جائیں تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔

عرب میں راستے غیر محفوظ تھے۔ ہر آن لٹ جانے کا خطرہ رہتا۔ ہاشم نے اس کے پیشِ نظر دورہ کیا مختلف قبیلوں میں جا جا کر اُن سے معاہدہ کیا ''قریش کا کوئی قافلہ گزرے تو اس کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اس احسان کے بدلے میں قریشی قافلے ان قبیلوں میں خود جائیں گے۔ ان کی ضرورت کی چیزیں لے جائیں گے اور ان سے خرید و فروخت کریں گے۔''

یہی وجہ ہے، عرب میں غارت گری کا بازار گرم تھا، پر قریش کا قافلہ ہمیشہ محفوظ رہا۔

اس طرح انہوں نے مختلف قبیلوں اور ملکوں سے سیاسی اور تجارتی معاہدے کیے۔ اس سے قریش بالکل مامون ہو گئے۔ اور تجارتی میدان میں خوب آگے

بڑھے۔

ایک بار کا واقعہ ہے، مکّے میں زبردست قحط پڑا۔ ہاشم نے شوربے میں روٹیاں چورا کیں اور لوگوں کو کھلائیں۔ اسی وقت سے ان کا لقب ہاشم پڑ گیا کہ ہشم کے معنی ہیں، چورا کرنا اور ہاشم کے معنی ہوئے، چورا کرنے والا۔

ہاشم کا یہ لقب اس طرح مشہور ہوا کہ اس نے اصل نام کو دبا دیا۔ ان کا اصل نام تھا عمرو۔ لیکن اب یہ نام کسی کو نہیں یاد رہ گیا۔

۳

ایک سال ہاشم تجارت کے لیے شام گئے۔ ساتھ میں تاجروں کا پورا قافلہ تھا۔ واپس ہوئے تو یثرب[۱] سے گزر رہا۔ قافلے میں کچھ تاجر یثرب کے بھی تھے جن کو وہاں کی ایک عورت نے اپنا مالِ تجارت دیکر بھیجا تھا۔

قافلہ یثرب پہنچا تو وہ عورت اپنے تاجروں کے پاس آئی اور سفر کی روداد پوچھنے لگی: ''کیا بیچا؟ کیا خریدا''؟ باتوں سے ایسا لگتا تھا جیسے کوئی بہت ہی ہوشیار، تجربہ کار اور باتدبیر خاتون ہو۔ ہاشم یہ سب دیکھ رہے تھے دل ہی دل میں اس کی فراست کی داد دے رہے تھے۔ اس کی ذکاوت اور فطانت سے خوش ہو رہے تھے۔ چہرے پر شرافت اور سنجیدگی کا نور دیکھ کر مسحور رہے تھے۔

''یہ کون عورت ہے؟!'' ہاشم نے سوال کیا۔

یہ سلمٰی ہے۔ باپ کا نام عمرو ہے۔ خزرج کا ایک خاندان ہے بنی نجّار۔ یہ

---

[۱] پیارے رسولؐ نے مکہ مکرمہ سے یہیں ہجرت فرمائی تھی۔ ہجرت کے بعد سے اسے ''مدینۃ الرسول'' یا مدینہ منورہ کہا جانے لگا۔

اسی خاندان سے ہے۔'' تاجروں نے اس کا پورا تعارف کرا دیا۔

ہاشم: ''کیا یہ شادی شدہ ہے؟!''

نہیں، البتہ یہ اپنے یہاں کی بہت معزز خاتون ہے، چاہتی ہے، کوئی ایسا شوہر ہو جو اس کی آزادی سلب نہ کرے، اپنی آزادی کو مجروح کرنا اُسے گوارا نہیں۔''

ہاشم: ''پوچھو، کیا وہ مجھے پسند کرے گی؟''

پوچھا گیا تو وہ تیار ہوگئی وہ ہاشم کو اچھی طرح جانتی تھی۔ اُسے معلوم تھا قوم میں ان کا کیا مقام ہے۔

چنانچہ ہاشم سے اس کی شادی ہوگئی۔ وہ اسے لے کر مکے چلے آئے۔ وہاں کافی دنوں ساتھ رہے۔ پھر وہ یثرب لوٹ آئی۔ وہاں ایک لڑکا ہوا، جس کا نام اُس نے شَیبہ رکھا۔

اس کے بعد کئی سال گزر گئے۔

پھر ایک سال گرمیوں میں تجارتی قافلہ چلا۔ ساتھ میں ہاشم بھی گئے۔ شام میں ایک مقام ہے غزہ۔ وہاں پہنچ کر انتقال کر گئے۔ اب سارے عہدے مطّلِب کے ہاتھ میں آگئے کہ یہ ان کے بھائی تھے۔

شَیبہ مُطّلِب کے بھتیجے تھے۔ یہ یثرب میں ماں کے پاس ہی رہ رہے تھے۔ اب مطلب کو ان کی فکر ہوئی۔ طے کیا، بھتیجے کو مکے لائیں کہ یہیں ان کا ددھیال تھا۔ یہیں باپ کا پورا خاندان تھا۔ مطَّلِب اس غرض سے یثرب گئے۔

بھابی سلمٰی سے ملاقات ہوئی بولے:

''میرا بھتیجا بڑا ہو چکا ہے۔ ہاتھ پیر مضبوط ہو چکے ہیں۔ چاہتا ہوں اب اسے اپنے یہاں لے جاؤں تمہیں معلوم ہی ہے، حسب ونسب کے اعتبار سے

قوم میں ہمارا کیا مقام ہے؟ وہاں وہ عزت سے رہے گا، یہاں تو بے چارہ پردیس میں پڑا ہے!''

سلمیٰ: اس کی جدائی میرے لیے موت ہے۔ لیکن یہ بھی پسند نہیں کہ وہ اپنے بزرگوں سے جدا رہے۔ ذرا پوچھیے، دیکھیے اس کی کیا خواہش ہے؟

''کہو، مرے دلارے! کیا خیال ہے؟ میرے ساتھ اپنے وطن چل رہے ہو نا؟ مطّلِب نے نہایت پیار سے بھتیجے کو مخاطب کیا۔

''یہ تو امی بتائیں گی۔ جب تک امی جان کی اجازت نہ ہو میں کہیں نہیں جانے کا!'' سعادت مند بھتیجے نے نہایت معصومیت سے جواب دیا۔

سلمےٰ نے مطّلِب کا اصرار دیکھا تو تیار ہوگئیں۔ کلیجے پر پتھر رکھ کر اجازت دے دی۔ مطّلِب تین دن وہاں مہمان رہے۔ چوتھے دن شیبہ کو ساتھ لے کر مکے روانہ ہوئے۔ اس وقت شیبہ کی عمر آٹھ برس تھی۔

دونوں ایک ہی اونٹ پر سوار تھے۔ مُطلب آگے تھے اور شیبہ پیچھے۔ مکے میں داخل ہوئے تو لوگوں کو گمان ہوا، یہ مطلب کا غلام ہے۔ کہیں باہر سے لے کر آ رہے ہیں۔ دیکھتے ہی شور مچایا:

''مطّلِب غلام لائے! کیا تم نے عبد المطلب یعنی مطلب کا غلام دیکھا؟ دیکھو یہ ہے عبد المطلب، (مطّلِب کا غلام)''

مطّلِب نے اس طرح کی آوازیں سُنیں تو سخت برہم ہوئے:

''اہل قریش! تم بھی عجیب لوگ ہو!! یہ تو میرا بھتیجا ہے، بڑے بھائی ہاشم کا بیٹا۔ یثرب میں تھا۔ وہاں سے لے کر آ رہا ہوں۔''

لیکن یہ نیا نام جو بے ساختہ زبانوں پر آ گیا، اصل نام پر غالب آ گیا۔ ماں

نے ان کا نام شیبہ رکھا تھا اور وہ اسی نام سے پکارے جاتے۔ لیکن اب اصل نام کسی کو یاد نہ رہا! اور اسی وقت سے وہ عبدالمطلب ہو گئے!

(۴)

مطّلِب کا انتقال ہوا تو عبدالمطلب سمجھدار ہو چکے تھے۔ دست و باز و مضبوط ہو چکے تھے اور جسم میں توانائی آ چکی تھی۔ چچا کا کام انہوں نے سنبھال لیا۔ ''سِقایہ'' اور ''رِفادہ'' ان کے ہاتھ میں آ گیا۔

آبادی میں تو کنویں تھے نہیں۔ جو کچھ تھے، مکے کے اطراف میں تھے۔ وہ بھی اِدھر اُدھر منتشر۔ حاجیوں کے لیے پانی وہیں سے لایا جاتا۔ کعبہ کے پاس کچھ حوض ہوتے، ان میں بھرا جاتا۔ حوضوں کو مستقل بھرتے رہنا، پھر آئے دن ان کی صفائی کرنا، ایک مسئلہ تھا۔ اس میں بڑی پریشانی ہوتی۔ طرح طرح کی زحمتوں کا سامنا ہوتا۔ عبدالمطلب بہت فکرمند ہوئے۔

چاہِ زمزم کے متعلق مشہور تھا کہ اس کا پانی نہایت شیریں اور خوش ذائقہ تھا۔ کبھی خشک بھی نہ ہوتا۔ جتنی ضرورت ہوتی، حاصل ہو جاتا۔ لطف یہ کہ نہ کوئی زحمت اٹھانی پڑتی نہ کسی قسم کی پریشانی ہوتی۔ عبدالمطلب کو اس کا خیال آیا۔

''زمزم کو کس نے پاٹا اور کیوں پاٹا''؟ عبدالمطلب نے قوم کے سن رسیدہ اور واقف کار بزرگوں سے سوال کیا۔

''پہلے یہاں قبیلہ جُرہُم کی حکومت تھی۔ ان کا آخری تاجدار مُضاض جُرہُمی تھا۔ جب اس کی قوم بگڑ گئی اور بناؤ سے زیادہ بگاڑ کے کام کرنے لگی تو بنوخزاعہ کو ناگوار ہوا۔ انہوں نے جرہم کو بے دخل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے لیے جنگ کی۔

میدان بنوخزاعہ کے ہاتھ رہا۔ اب جرہم کو یہاں سے جانا پڑا۔ جاتے وقت مُصاض سے اور کچھ تو بن نہ پڑا۔ البتہ کعبہ میں جو نذرانے تھے، زمزم کے اندر ڈالے اور اوپر سے اسے پاٹ دیا۔'' جاننے والوں نے زمزم کی پوری تاریخ بیان کر دی۔

''اچھا، تو جب تک زمزم کی کھدائی، صفائی نہ ہو جائے اور پہلے کی طرح پھر سے وہ رواں نہ ہو جائے، اس وقت تک ہمیں چین سے نہیں بیٹھنا ہے''

عبدالمطلب نے نہایت پُرعزم لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا۔

انہی دنوں ایسا ہوا کہ رات میں وہ سو رہے تھے سوتے میں یہ آواز سنی:

''زمزم کی کھدائی کر ڈالو۔''

یہ غیبی آواز آئی، اور مسلسل آتی رہی۔ اس سے ان کی ہمت اور بڑھی۔

چنانچہ کھدائی شروع ہو گئی۔ لیکن یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ جان توڑ محنت کرنی پڑی۔ خون پسینہ ایک کر دیا، تب کہیں جا کر پانی نکلا۔

زمزم میں مضاض کی تلواریں بھی ملیں اور کعبے کے نذرانے بھی۔ نذرانوں میں سونے کے دو ہرن بھی تھے۔

عبدالمطلب نے تلواروں سے کعبے کے دروازے بنوائے اور ہرنوں کو ان کے دونوں طرف رکھ دیا کہ کعبے کی زینت بڑھے۔

زمزم کی کھدائی میں عبدالمطلب تھک کر چور ہو گئے جس کا دل پر کافی اثر ہوا اور تنہائی کا احساس شدت سے ستانے لگا۔ اس وقت تک ان کے صرف ایک ہی اولاد تھی جس کا نام تھا حارث انہوں نے نذر مانی اور اللہ سے دُعا کی:

''خدایا! اگر تو مجھے دس بیٹے عطا فرمائے اور سب کے سب جوان ہو کر میرا ہاتھ بٹانے لگیں تو ایک کو تیرے نام پر قربان کر دوں گا!''

عبدالمطلب کی یہ آرزو پوری ہوئی۔ اللہ نے ان کو دس بیٹے دیے۔ سب پلے، بڑھے۔ جوان ہوئے اور ان کا ہاتھ بٹانے لگے۔

اب نذر پوری کرنے کا وقت آ گیا! عبدالمطلب نے بیٹوں کو جمع کیا اور سارا قصہ سنایا۔

''ابا جان! ہم سب دل و جان سے حاضر ہیں، جس کو چاہیں آپ قربان کر دیں۔'' بیٹوں نے نہایت سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔

''اچھا، تو الگ الگ تیروں پر اپنے اپنے نام لکھ لاؤ''۔ باپ نے کلیجے پر سل رکھکر ان سب کو ہدایت کی۔

سب بیٹے اپنا اپنا نام لکھ کر باپ کے پاس لے گئے۔

عبدالمطلب نے ان تیروں کو ساتھ لیا اور کعبے میں آئے۔ وہاں فال نکالنے والے سے ملے اور اس کو وہ تیر دیدیے کہ معلوم کرے، بتوں کے مہاراجہ ''ہبل'' کو کون سا بیٹا پسند ہے؟

اس وقت مکّے میں رواج تھا، جب کوئی اہم کام درپیش ہوتا تو تیروں سے فال نکلواتے اس طرح دیوتاؤں کی مرضی معلوم کرتے۔ مہنت یا پروہت تیروں کو لے جاتا دیوتاؤں کے سامنے ایک خاص طریقے سے پھراتا۔ جس تیر کا منہ دیوتا کی طرف ہوجاتا، سمجھتے، بس یہی دیوتا کی پسند ہے پھر اسی کے مطابق کام کرتے۔

مہنت نے عبدالمطلب کے تیر ہبل کے پاس پھرائے تو چھوٹے بیٹے عبداللہ کا نام نکلا۔

عبداللہ عبدالمطلب کے چہیتے بیٹے تھے۔ بھائیوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے۔ لیکن کرتے کیا؟ مجبور تھے، ان کو ذبح کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا

کہ وہی ہبل دیوتا کو پسند تھے!

عبدالمطلب نے بیٹے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا۔ انہیں لیے ہوئے زمزم کے پاس آئے۔ وہیں قربان گاہ تھی۔ جس کو بھی کچھ قربان کرنا ہوتا، وہیں لاکر کرتا۔ اِساف اورنائلہ کے حضور......! کہ یہ ان کی بڑی دیویاں تھیں۔

یہ خبر لوگوں کے دلوں پر بجلی بن کر گری اور جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔ جو جس حال میں تھا، عبدالمطلب کی طرف دوڑ پڑا۔ آناً فاناً سارے لوگ اکٹھا ہو گئے۔ جسے دیکھئے، اس کی زبان پر یہی تھا:

نہیں، نہیں عبدالمطلب! عبداللہ کو ذبح نہ کیجیے!''

عبدالمطلب عجیب کشمکش میں پڑ گئے: ''میں تو نذر مان چکا ہوں۔ نذر پوری کرنی ضروری ہے آخر میں کروں تو کیا کروں؟!'' عبدالمطلب نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

''اگر مال فدیہ بن سکے تو ہم راضی ہیں۔ اونٹ ذبح کرنے سے کام بن جائے تو اس کے لیے بھی تیار ہیں۔'' سب کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ سب کے ہونٹوں پر ایک ہی طرح کے جملے لرز رہے تھے۔

لوگ بہت دیر تک سوچتے رہے۔ آپس میں مشورہ کرتے رہے کہ کیا کریں؟ کسی نے کہا: یثرب کے اطراف میں ایک نجومی عورت ہے۔ گتھیاں سلجھانے میں وہ ماہر ہے۔ چل کر اس سے پوچھیں۔ ہو سکتا ہے اس کا ناخن تدبیر یہ گتھی بھی سلجھا دے۔

سب کو یہ رائے پسند آئی چنانچہ لوگ گئے۔ اُس عورت سے ملے۔ اُس کو سارا حال بتایا۔ سب کچھ سن لینے کے بعد اُس نے پوچھا:

''کسی قیدی کو چھڑانا ہو یا کسی مجرم کی جان بچانی ہو تو کتنا فدیہ دیتے ہو تم

لوگ۔؟''

''دس اونٹ'' ''دس اونٹ'' سب ایک ساتھ بول پڑے ایسا لگ رہا تھا جیسے انہیں امید کی کوئی کرن نظر آ گئی ہو۔

''تو دس اونٹ اور عبداللہ کے نام کا قرعہ ڈالو، اگر اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے تو بہتر ہے، ورنہ بیس اونٹ کر دو۔ اگر پھر بھی عبداللہ کا نام نکلے تو دس اور بڑھا دو۔ اسی طرح دس دس بڑھاتے رہو یہاں تک کہ تمہارا رب راضی ہو جائے۔'' اس نجومی عورت نے اس گتھی کو بھی سلجھا دیا۔ اور مرجھائے ہوئے چہرے گلاب کی طرح کِھل اٹھے۔

لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ دس اونٹ اور عبداللہ کے نام کا قرعہ ڈالا تو عبداللہ کا نام نکلا۔ دس اونٹ بڑھا دیے، پھر عبداللہ کا نام نکلا۔ دس اور بڑھا دیے، پھر عبداللہ کا نام نکلا۔ دس اور بڑھا دیے، پھر بھی عبداللہ کا ہی نام نکلا۔ لوگ اسی طرح دس دس اونٹ بڑھاتے رہے۔ اور عبداللہ کا ہی نام نکلتا رہا۔

ادھر عبدالمطلب کھڑے عاجزی کے ساتھ دعا میں مصروف تھے۔ ''خدایا! یہ فدیہ قبول کر لے۔ خدایا! عبداللہ کی جان بچا لے۔''

جب بڑھتے بڑھتے سو اونٹ ہو گئے تو قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا۔ اب کیا تھا۔ لوگ خوشی سے اُچھل پڑے۔ عبدالمطلب کو ہر طرف سے مبارکباد دی جانے لگی۔

''مبارک ہو، عبدالمطلب! اللہ نے بیٹے کا فدیہ قبول کر لیا۔''

لیکن عبدالمطلب ابھی مطمئن نہ ہوئے۔ دو بار اور قرعہ ڈلوایا کہ کوئی شبہہ نہ رہ جائے۔ خدا کی مرضی کیا ہے؟ صاف صاف معلوم ہو جائے۔ جب پوری طرح اطمینان ہو گیا تو اونٹ ذبح کیے گئے اور وہیں چھوڑ دیے گئے کہ جو چاہے، اُن سے فائدہ اٹھائے۔

⑤

عبداللہ کو خداداد حسن ملا تھا۔ اٹھتی ہوئی جوانی تھی، جو حسن کو دوبالا کر رہی تھی۔ چہرہ کیا تھا، چاند کا ٹکڑا تھا۔ ہر دیکھنے والی آنکھ ان پر فدا تھی۔ اور بہیتری عورتیں اُن سے شادی کی آرزومند تھیں۔

''نذر'' والا واقعہ ہوا تو گھر گھر اس کا چرچا ہوگیا۔ اس سے اُن کی عظمت اور بڑھ گئی۔ سب دل و جان سے انہیں چاہنے لگیں۔

بہت سی عورتوں نے نکاح کی خواہش کی اور کوشش بھی کی!

لیکن یہ شرف سب کو کیسے ملتا کہ وہ ایک ہی کی قسمت میں تھا!

اُن کے بیٹے کی ماں کون ہوگی؟ یہ بھی خدا کے ہاں طے تھا!

اُن کی شادی آمنہ سے ہوئی جو قریش کی سب سے معزز خاتون تھیں اور بنی زہرہ کے سردار کی بیٹی تھیں۔

باپ نے بیٹے کی طرف سے نکاح کا پیام دیا۔ آمنہ کے گھر والوں نے اسے باعث شرف سمجھا، خوشی خوشی تیار ہوگئے۔ چٹ پٹ شادی ہوگئی۔ دستور تھا دولہا شادی کے بعد تین دن سسرال میں رہتا۔ عبداللہ بھی تین دن سسرال میں رہے۔ پھر گھر چلے آئے۔ ساتھ میں دلہن بھی آئی۔

شادی کو ابھی کچھ ہی دن ہوئے تھے، تاجروں کا ایک کارواں شام جا رہا تھا۔ اُس کے ساتھ عبداللہ بھی ہو لیے۔ واپسی میں مدینہ سے گزرے۔ یہاں ان کے باپ کا ننھیال تھا۔ تھکے تو تھے ہی دم لینے کے لیے ٹھہر گئے۔ اتفاق سے بیمار پڑ گئے۔ ساتھیوں نے انہیں وہیں چھوڑ دیا اور مکے کا رُخ کیا۔ وہاں پہنچ کر باپ کو بیماری کی خبر دی!

عبدالمطلب نے بیماری کا حال سنا تو فوراً بڑے بیٹے حارث کو مدینے دوڑایا کہ وہاں جا کر بھائی کی تیمارداری کریں۔ جب اچھے ہو جائیں تو انہیں ساتھ لے کر آئیں۔

لیکن افسوس......! حارث نے اپنے بھائی عبداللہ کو نہ دیکھا۔ وہ اُنھیں اپنے ساتھ مکے نہ لائے کہ باپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، دُلھن کے دل کو قرار آتا اور قوم کی تسکین کا سامان ہوتا! کیا کرتے؟ قسمت ہی میں نہ تھا۔

کچھ دن پہلے ہی عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا اور جسم سپردِ خاک ہو چکا تھا۔ باپ سے دور! دلہن سے دور! قوم سے دور! دور، بہت دور!! حارث واپس آئے تو عبداللہ کے بجائے عبداللہ کی موت کی خبر لائے!

کسے معلوم تھا شام کا یہ سفر، سفرِ آخرت بننے والا ہے۔ اور جہاں عبداللہ کی جان بچانے کی تدبیر کا سراغ لگا تھا، وہیں اللہ کا فرشتہ پروانۂ موت لے کر اترنے والا ہے۔ مدینہ جہاں سے لوگ کل عبداللہ کی نئی زندگی کا پیام لے کر آئے تھے۔ آج وہیں سے عبداللہ کی وفات کی حسرت ناک خبر آ رہی ہے۔

خبر بڑی دردناک تھی۔ نوجوان کی موت! وہ بھی عبداللہ جیسے نوجوان کی!! جس نے سنا تڑپ اُٹھا۔ عبداللہ نے نئی زندگی پائی تھی۔ اُن کی جان بچنے پر سب کو غیر معمولی خوشی تھی۔ اچانک موت کی خبر سن کر لوگوں کو رنج بھی غیر معمولی ہوا۔ ساری قوم سوگوار تھی۔ ہر طرف اُداسی چھائی ہوئی تھی۔

بوڑھے باپ پر تو رنج و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ صدمہ سے دل پاش پاش ہو گیا۔ عبداللہ کی موت پر صبر آئے تو کیسے آئے؟

اور آمنہ کا تو سہاگ ہی اُجڑ گیا۔ دل کی دنیا ویران ہو گئی۔ سارے ارمان حسرتوں میں تبدیل ہو گئے۔ کتنی امیدیں تھیں جو خاک میں مل گئیں۔ کتنے حسین

خواب تھے جو شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے۔ کتنی آرزوئیں اور تمنائیں تھیں جو سینے میں ہی دفن ہو کر رہ گئیں۔کل جو خاتون قریش کی نازنینوں کی نگاہ میں قابل رشک بنی ہوئی تھی، آج اس کی حالت قابل رحم تھی۔ جو سر دوسرے سروں کے درمیان شرف وعزت سے اونچا ہو رہا تھا۔آج وہ رنج وغم سے وبالِ دوش بنا ہوا تھا۔

عبداللہ کا انتقال ہوا تو آمنہ اُمید سے تھیں۔

اللہ کی قدرت! کچھ ہی دن پہلے ہبل دیوتا عبداللہ کی جان لینے پر تلے ہوئے تھے۔مگر اللہ نے انہیں بھینٹ چڑھنے سے بچالیا۔اُس وقت اُن کے پاس اللہ کی ایک عظیم امانت تھی۔انسانیت کی سب سے بیش قیمت متاع تھی جب تک وہ کسی اور کے سپرد نہ ہو جائے ناممکن تھا عبداللہ اس دنیا سے چلے جائیں۔اب وہ امانت آمنہ کو سونپی جا چکی تھی۔ عبداللہ سے اللہ کو جو کام لینا منظور تھا، وہ پورا ہو گیا تو اللہ نے انہیں اٹھالیا۔اب کوئی فدیہ کام نہیں آسکتا تھا۔تقدیر کا فیصلہ اٹل تھا۔

عبداللہ کی وفات ہوئی تو ان کی عمر ۲۵ سال تھی۔

٦

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دُعائے خلیل اور نوید مسیحا!

دوشنبہ کا دن تھا۔ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی کہ آمنہ کے یہاں ولادت ہوئی۔نومولود بچہ بہت ہی خوبصورت تھا۔چاند بھی اُس کے سامنے پھیکا تھا۔

آمنہ نے اپنے خسر عبدالمطلب کو خبر کرائی کہ آکر پوتے کو دیکھ لیں۔

عبدالمطلب بھاگے ہوئے آئے۔نظر پڑتے ہی کِھل اُٹھے۔ایک تو لڑکا تھا

اور وہ بھی عبداللہ کا۔

وہ خوشی سے نہال ہو گئے۔ بچے کو گود میں لیا۔ سینے سے لگایا۔ ماتھے کو چوما۔ پھر لیے ہوئے کعبہ پہنچے۔اس کا طواف کیا اور بچے کا نام محمدؐ رکھا۔

محمدؐ کے معنی ہیں ہر لحاظ سے قابل تعریف۔ وہ جسے سب پسند کریں۔ سب اچھا کہیں۔

ولادت کے ساتویں دن عبدالمطلب نے بچے کا عقیقہ کیا۔ اور قریش کی دعوت کی۔ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو کسی نے پوچھا۔

''عبدالمطلب! کیا وجہ ہے، آپ نے پوتے کا نام محمدؐ رکھا؟ خاندان کے اور ناموں جیسا نام نہیں رکھا؟''

''میں نے چاہا، آسمان پر بھی اس کی تعریف ہو اور زمین پر بھی۔ خالق کو بھی پیارا ہو اور خلقت کو بھی۔'' عبدالمطلب نے نہایت سادے انداز میں اپنے دل کی تمنا لوگوں کے سامنے رکھ دی۔

قریش میں اونچے گھرانوں کی عورتیں اپنے بچوں کو دودھ خود نہیں پلاتی تھیں۔ دیہاتوں سے دائیوں کی ٹولیاں آتیں۔ وہ بچوں کو اپنے یہاں لے جاتیں۔ ان کو دودھ پلاتیں۔ پرورش و پرداخت کرتیں۔ جب وہ بڑے ہو جاتے تو واپس کر جاتیں۔ اور دوسرے بچے لے جاتیں۔ اس سے بچے خوب تندرست رہتے۔ فصیح عربی بھی سیکھ لیتے۔

دائیوں کے آنے کے موسم متعین تھے۔ محمدؐ کی ولادت ہوئی تو اس وقت کوئی دائی نہ ملی۔ عبداللہ کا ایک بھائی تھا ابولہب۔ اس کی ایک باندی تھی ثُویبہ۔ سات دن آمنہ نے خود دودھ پلایا۔ پھر بچے کو ثُویبہ کے حوالے کر دیا کہ جب تک کوئی دائی نہ ملے، اس کو دودھ پلائے۔

ثُوَیبہ نے بس کچھ ہی دن دودھ پلایا تھا کہ قبیلہ بنی سعد کی دائیاں آ گئیں۔

دائیاں بچے تلاش کرنے لگیں۔ وہ گھر گھر جاتیں، ماؤں کو اپنی خدمات پیش کرتیں۔ مائیں جس کو پسند کرتیں، اپنا بچہ اُس کے حوالے کر دیتیں۔

ساری ماؤں نے دائیاں چن لیں اور ساری دائیوں کی گودیں بھر گئیں۔ 'ہاں' صرف ایک دائی رہ گئی۔ اس کو کسی نے نہ پوچھا اس لیے کہ وہ ذرا کمزور اور دبلی تھی۔ مفلسی کا بھی شکار تھی۔ یہ تھی ابوذؤیب کی بیٹی حلیمہ۔

بچہ بھی صرف ایک ہی رہ گیا۔ دائیاں اس سے دور دور رہیں۔ کوئی اسے لینے کے لیے تیار نہ تھی۔ وہ بچہ تھا عبداللہ کا بیٹا محمد!

دائیوں نے سنا، محمد یتیم ہے۔ باپ کے سائے سے محروم ہے۔ انہوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ اُس کی پرورش کو حقیر جانا۔ اس کو دودھ پلانا بے سود سمجھا۔ بولیں، اس یتیم کو لے کر کیا کریں! اس کا دادا ہمیں کیا دے دے گا؟ ماں سے بھی کیا مل جائے گا؟!

اب واپسی کا وقت آ گیا۔ دائیوں نے گھر لوٹنے کا اِرادہ کیا، ہر ایک خوش تھی کہ اس کی گود میں بچہ تھا۔

حلیمہ کا شوہر ساتھ تھا۔ حلیمہ نے کہا:

''بخدا مجھے تو شرم آتی ہے، ساری سہیلیوں کی گودیں بھری ہوں۔ ایک میری ہی گود خالی رہے۔ میں تو جاتی ہوں، اسی یتیم کو لیے لیتی ہوں۔ خالی ہاتھ لوٹنے سے تو بہتر ہے، اس یتیم کو ہی لیتے چلیں۔

''جاؤ، لے آؤ۔ کیا حرج ہے؟ ہوسکتا ہے، اللہ اسی میں برکت دے!!''

شوہر نے تائید کی۔

حلیمہ بچے کو لینے کے لیے آمنہ کے پاس پہنچیں۔

آمنہ کو ملال تھا، اُن کے لال کو کسی نے نہ پوچھا۔ سہیلیوں کے بچے ہاتھوں ہاتھ لیے پر ان کے جگر پارے کو لینا گوارانہ کیا۔ حلیمہ نے بچے کو لیا تو آمنہ کا بجھا ہوا چہرہ خوشی سے دمک اُٹھا۔

حلیمہ نے محمد کو چھاتی سے لگایا اور منہ میں سوکھی پستان دے دی، جس میں دودھ برائے نام ہی تھا۔

لیکن...... حلیمہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی!! پستان منہ میں دیتے ہی اُنہیں ایسا لگا جیسے دودھ کی سوتیں جاری ہوگئیں۔ یکا یک چھاتی بھر گئی۔ بچہ دودھ پی رہا تھا اور دودھ بچے کے منہ سے ٹپکا پڑ رہا تھا۔

محمد سیر ہو چکے تو حلیمہ کے بچے نے بھی جی بھر کر پیا۔ حالانکہ اس سے پہلے تنہا اسی کے لیے دودھ ناکافی ہوتا۔ وہ پیتا، لیکن کبھی سیر ہونے کی نوبت نہ آتی۔ چھاتی چوستا اور چوس کے رہ جاتا!

حلیمہ کی ایک اونٹنی تھی۔ دُبلی پتلی، بالکل مریل، بھوک لگی تو شوہر اُسے دوہنے اُٹھے۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ تھن جو ہمیشہ سوکھا رہتا آج بالکل بھرا ہوا تھا۔ دودھ خود بخود ٹپکا پڑ رہا تھا۔ شوہر نے خود بھی پیا، بیوی کو بھی پلایا دونوں نے جی بھر کے پیا۔

رات ہوئی تو دونوں نے بچوں کو پہلو میں سلالیا۔ پھر خود بھی سو رہے۔ نیند اتنے آرام اور چین کی تھی کہ بالکل ہی بے خبر ہو گئے۔

صبح ہوئی تو شوہر بولا ''حلیمہ! کیا خیال ہے؟ بخدا بہت مبارک بچہ پا گئیں تم!''

حلیمہ'': بخدا میرا بھی یہی احساس ہے۔''

دائیوں کا قافلہ گھروں کو لوٹا۔ حلیمہ کی گدھیا آگے آگے تھی اور مستانہ وار رواں دواں تھی۔ سہیلیوں نے یہ دیکھا تو آواز دی:

واہ ری، ابوذؤیب کی بیٹی! ذرا ٹھہرو نا۔ ہمیں بھی تو آ لینے دو۔ ارے، یہ وہی گدھیا تو ہے، جس پر تم آئی تھیں۔ یہ تو راستے میں رک رک جاتی تھی۔ بار بار تم پیچھے ہو جاتی تھیں!!

حلیمہ ''ہاں، ہاں، بخدا یہ وہی گدھیا ہے!''

سہیلیاں: ''ایسی ناکارہ گدھیا میں یہ تیزی اور چستی کہاں سے آ گئی؟! یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔''

۷

اب حلیمہ کے یہاں برکتوں کی بارش تھی۔ ہر ہر چیز میں برکت ظاہر ہو رہی تھی۔ جانور موٹے ہو گئے۔ دودھ سے تھن بھاری ہو گئے۔ ہر طرف برکت ہی برکت نمایاں تھی۔

رفتہ رفتہ دو سال گزر گئے۔ آمنہ کا لال حلیمہ کا دودھ پیتا۔ حلیمہ کی ایک بیٹی تھی شیماء، اُس کی گودیوں میں ہمکتا۔ صحرا کی کھلی فضا ہوتی اور دیہات کی سادہ زندگی، جسم تیزی سے بڑھا۔ ہاتھوں پیروں میں طاقت آ گئی اور بچہ خوب تندرست ہو گیا۔

شیر خواری کے دن پورے ہو گئے۔ اب وقت آیا کہ بچہ ماں کی گود میں جائے اس کے گھر کی رونق بنے۔

لیکن کیا حلیمہ اس بچے کو جدا کر دیں؟ ایسے بچے کو جو اُن کے لیے سراپا برکت تھا، مجسم رحمت تھا۔ باعث راحت اور موجب سعادت تھا۔ کسی طرح بھی طبیعت اسے چھوڑنے پر تیار نہ تھی۔ تمنا تھی، کچھ دنوں اور ساتھ رہے کہ برکتوں کا سلسلہ

تا دیر قائم رہے۔

وہ بچے کو لے کر ماں کے گھر کی طرف چلیں۔ لیکن ارادہ تھا اُن سے گزارش کریں گی، بچے کو کچھ دن اور ساتھ رکھنے کی اجازت دے دیں۔

وہ آمنہ کے پاس آئیں۔ بولیں:

"مجھے اندیشہ ہے، اگر محمد ابھی سے مکے میں رہ گیا تو ہوسکتا ہے، یہاں کی آب وہوا اسے راس نہ آئے۔ کیوں نہ آپ کچھ دن اور ہمارے یہاں رہنے دیں۔ ذرا اور بڑا ہو جائے ہاتھوں پیروں میں جان آ جائے۔ پھر آ جائے گا۔"

حلیمہ آمنہ سے ضد کرتی رہیں۔ پیہم اصرار کرتی رہیں۔ طرح طرح سے مناتی رہیں۔ مکے کی آب وہوا سے ڈراتی رہیں۔ آخر کار وہ تیار ہو گئیں۔

اب کیا تھا۔ حلیمہ کا دل باغ باغ ہو گیا۔ خوشی سے آنکھیں چمک اُٹھیں۔ چہرہ دمک اُٹھا اور وہ محمد کو لیے ہوئے اپنے گھر آ گئیں۔

محمد پھر اُسی صحرا میں آ گئے۔ اب پھر وہی کُھلی فضا تھی۔ ریت کے ٹیلے تھے۔ چکنے چکنے پتھر تھے۔ وہی ساتھی اور وہی ہمجولی تھے۔ محمد پھر اسی طرح پتھروں سے کھیلتے۔ ریت پر اُچھلتے اور بچوں کے ساتھ اِدھر سے اُدھر دوڑتے کودتے۔

محمد اب پانچ سال کے ہو گئے۔

حلیمہ سے جدائی کی ساعت پھر آن پہنچی!

محمد سے حلیمہ کو بے حد محبت تھی۔ وہ سچ مچ اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے۔ اُن کے دل کا سکون تھے۔ محمد کو بھی حلیمہ سے بے انتہا محبت تھی۔ نبوت ملنے کے بعد بھی جب وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ "میری ماں، میری ماں" کہہ کر لپٹ گئے۔ حلیمہ کے لیے محمد کی جدائی سوہانِ روح تھی۔ لیکن کرتیں کیا کہ اب گھر پہنچانا ضروری تھا۔ مزید روکنا ممکن نہ تھا۔

انہی دنوں ایک حادثہ بھی ہوتے ہوتے رہ گیا، جس کی وجہ سے حلیمہ نے اور جلدی کی۔

ایک روز وہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ ساتھ میں محمد بھی تھے۔ اتنے میں حبشہ کے کچھ عیسائیوں کا گزر ہوا۔ بچے پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھہر گئے۔ قریب آئے اُسے بڑے غور سے دیکھنے لگے۔ ایک ایک چیز کا جائزہ لینے لگے۔ حلیمہ سے پوچھا بھی:

''کیسا بچہ ہے یہ؟!!

پھر وہ آپس میں کچھ اس طرح کی باتیں کرنے لگے:

''اس بچے کو ساتھ لے لیں۔ اس کو اپنے یہاں لے چلیں۔ یقیناً یہ بچہ ایک عظیم انسان ہوگا۔ ہم خوب جانتے ہیں۔ یہ کیا بنے گا!''

حلیمہ اُن کا مطلب سمجھ گئیں۔ اُن کے تیور بھانپ گئیں۔ ان کی باتوں سے گھبرا اُٹھیں۔ ڈریں، کہیں سچ مچ اُسے چھین نہ لیں۔ موقع پا کر اُچک نہ لیں یا کوئی آزار نہ پہنچادیں۔ وہ نظر بچا کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔ بچے کو لے کر غائب ہوگئیں۔ انہیں امید نہ تھی اس طرح وہ بھاگ سکیں گی اور بچے کو اُن سے بچا سکیں گی۔

جتنی جلد ممکن تھا وہ آمنہ کے پاس پہنچیں۔ ان کی امانت ان کے حوالے کی تب جا کر کہیں اطمینان کا سانس لیا۔

۸

اب ماں کی مامتا تھی اور دادا کی سرپرستی۔ دونوں محمد سے بہت پیار کرتے۔ ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھتے۔ ہر طرح سے آپ کا خیال رکھتے۔ آپ چھ برس کے ہوگئے تو ماں کا دل چاہا چل کر شوہر کی قبر دیکھیں۔ چنانچہ مدینے کے لیے

روانہ ہوگئیں۔ محمد کو بھی ساتھ لیتی گئیں۔ شوہر کی ایک باندی تھی امِّ ایمن، وہ بھی سفر میں ساتھ تھی۔ وہاں کا ایک مشہور خاندان تھا بنی نجار، محمد کے دادا کی ننھیال اسی خاندان میں تھی۔ بی بی آمنہ جا کر وہیں ٹھہریں۔

بی بی آمنہ مدینہ پہنچیں تو پیارے بیٹے کو وہ گھر دکھایا، جہاں اس کے پیارے باپ نے وفات پائی تھی۔ وہ جگہ بھی دکھائی جہاں وہ ہمیشہ کی نیند سو رہے تھے۔

آج پہلا دن تھا کہ اس معصوم بچے نے یتیمی کا مفہوم سمجھا۔ آج پہلا موقع تھا کہ اس کے شیشۂ دل پر رنج و غم کا عکس پڑا۔

وہاں ایک مہینہ گزار کر بی بی آمنہ نے گھر لوٹنے کا ارادہ کیا اور محمد کو لے کر مکے کے لیے روانہ ہوگئیں۔

شوہر کی طرح بی بی آمنہ بھی راستے میں بیمار پڑ گئیں۔ مکے اور مدینے کے بیچ میں ایک گاؤں ہے ابواء۔ وہاں پہنچیں تو حالت نازک ہوگئی۔ اور پھر سنبھل نہ سکیں۔ وہیں وفات ہوگئی اور وہیں دفن ہوئیں۔ عبداللہ کی وفات بھی تو پردیس میں ہی ہوئی تھی! اور دفن بھی تو اسی طرح ہوئے تھے۔ قوم و وطن سے بہت دور!

اللہ آپ کا ولی و کارساز ہے اے محمد......!

آپ یتیم تھے۔ باپ کے سائے سے محروم تھے۔ ابھی اس یتیمی کا شعور ہوا ہی تھا کہ ماں بھی چل بسیں......! باپ کی قبر دیکھی ہی تھی کہ ماں کی بھی قبر تیار ہوگئی۔ اب آپ تنہا رہ گئے۔ ماں ساتھ تھیں، تب بھی آپ کو یتیمی کا ملال تھا۔ بھلا دل پر کیا بیتی ہوگی جب یہ سہارا بھی ٹوٹ گیا......؟! صدمہ پہ صدمہ! ایک سے بڑھ کر دوسرا!

اُمِّ ایمن نے آپ کو اپنی حفاظت میں لیا اور بڑے پیار سے گھر لائیں۔ مکہ پہنچے تو آپ بلک بلک کر رو رہے تھے۔ آج آمنہ کے لال کی حالت دیکھی نہیں

جاتی تھی۔

اس حادثے کا عبدالمطلب پر بڑا اثر ہوا۔ محمد کے لیے ان کے سینے میں ماں کی محبت اور باپ کی شفقت اُبل پڑی۔ اب وہ آپ پر بے انتہا مہربان ہو گئے۔ پہلے سے زیادہ ماننے لگے۔ بڑی محبت سے پیش آتے۔ لطف وکرم کی بارش کرتے۔ ہر آن آپ کا خیال رکھتے۔ ہر طرح سے دلجوئی فرماتے۔ اپنی ذات اور اپنی اولاد سے بڑھ کر آپ کی فکر رکھتے۔

عبدالمطلب قریش کے سردار تھے۔ کعبہ کے زیر سایہ اپنی گدی پر بیٹھتے تو بیٹے ادب واحترام میں گدی سے ذرا دور بیٹھے ہوتے۔ لیکن محمد آجاتے تو انہیں اپنے پاس بلاتے، اپنی گدی پر بٹھاتے اور پیار سے پیٹھ سہلاتے۔ لیکن افسوس! عبدالمطلب بھی زیادہ دن نہ ٹھہرے۔ محمد ابھی آٹھ سال کے ہوئے تھے کہ دادا بھی چل بسے۔ دادا کی موت پر آپ کے دل کو سخت صدمہ پہنچا۔ ویسا ہی صدمہ جیسا اس سے پہلے ماں کی موت پر ہوا تھا۔

نہیں، دادا کا غم ماں کے غم سے بھی سوا تھا۔ اب آپ کچھ سمجھ دار ہو چکے تھے۔ شعور بیدار ہو رہا تھا۔ جذبات واحساسات میں وسعت اور گہرائی آرہی تھی۔ لطف ومحبت کی حقیقت کو سمجھنے لگے تھے۔ نوازش وکرم کی قدر وقیمت پہچاننے لگے تھے۔ اس لیے محرومی کا احساس بھی اتنا ہی شدید تھا۔ اس کے چھن جانے کا غم بھی اتنا ہی گہرا تھا۔

آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ دل درد وغم سے چور تھا۔ خود تڑپ رہے تھے، اوروں کو تڑپا رہے تھے۔ یہاں تک کہ دادا کا جسم .... آہ .... پیارے دادا کا جسم قبر کی کال کوٹھری میں چھپ گیا اور پھر ہمیشہ کے لیے اوجھل ہو گیا۔!!

☆-----☆-----☆

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

(۲)

کرنیں اُبھرتی ہیں

- عبدالمطلب کی وفات، ابوطالب کی سرپرستی
- شام کا پہلا سفر
- محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دلچسپیاں
- شام کا دوسرا سفر
- بی بی خدیجہ سے عقد
- حلیہ مُبارک
- خدیجہ کے ساتھ آپ کا رہن سہن
- خانہ کعبہ کی نئی تعمیر
- غیبی امداد
- قریش تباہی کے دہانے پر
- امین قریش کا مثالی کردار

(۱)

أَلَمْ يجدك يتيما فآوىٰ ووجدك ضآلا فهدىٰ   (سورہ ضحیٰ: ۶-۷)

''(محمد!) کیا ایسا نہیں کہ اُس نے تم کو یتیم پایا تو ٹھکانا عطا فرمایا اور (راہِ حق) سے بے خبر پایا تو سیدھا راستہ دکھایا؟''

بے شک ! ایسا ہی ہے !

ماں باپ کی آنکھیں بند ہوئیں تو محمد اللہ کی رحمتوں سے محروم نہ ہو گئے۔ یہ اسی کا فضل و کرم تھا کہ آپ کو ایسے دادا ملے جو آپ پر ماں باپ کی طرح مہربان تھے۔ پھر ایسے چچا ملے جنہوں نے کبھی یتیمی کا احساس نہ ہونے دیا۔

دادا عبدالمطلب کا انتقال ہوا تو ابو طالب نے آپؐ کو اپنی پرورش میں لے لیا۔ یہ عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور اسی ماں سے تھے جس ماں سے آپؐ کے والد عبداللہ تھے۔ اس طرح یہ آپ کے بالکل سگے چچا تھے۔ دادا نے اپنی موت سے پہلے ان کو آپ کا سرپرست بنا دیا۔ وصیت کر گئے ''محمد کا ہر طرح سے خیال رکھنا، ان کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھنا۔''

عبدالمطلب کے کئی بیویاں تھیں۔ ان بیویوں سے دس بیٹے تھے۔ ابو طالب نہ تو بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، نہ سب سے زیادہ مالدار، البتہ سب سے

زیادہ باہمت تھے۔ شرافت میں بھی سب سے بڑھ کر تھے۔ طبیعت کے بھی بہت نیک تھے۔ پھر آپؐ کے والد عبداللہ اور وہ بالکل سگے تھے۔ بقیہ بھائی دوسری بیویوں سے تھے۔ اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں اگر باپ نے یہ ذمہ داری ان پر ڈالی اور انہیں یہ وصیت کر گئے۔

عبدالمطلب کی طرح ابو طالب بھی محمد کو بہت مانتے۔ ہمیشہ کلیجے سے لگا کے رکھتے۔ سوتے تو ساتھ لے کر سوتے۔ کہیں جاتے تو ساتھ لے کر جاتے۔ آپ کے آگے نہ ان کو اپنی جان کی فکر ہوتی نہ اپنے بچوں کی۔ اُن کو آپ سے اس قدر محبت کیوں تھی؟ آپ دن رات اُن کی نگاہوں کے سامنے رہتے۔ وہ دیکھ رہے تھے آپ کے اندر سچائی اور ایمانداری ہے۔ شرافت اور پاکبازی ہے۔ ایک ایک بات میں بے مثال ذہانت اور فطانت ہے۔ ایک ایک چیز سعادت مندی اور خوش بختی کا پتہ دیتی ہے۔

چچا کی سرپرستی میں چار سال گزر گئے۔ جسم پروان چڑھتا رہا۔ عقل کا دائرہ وسیع ہوتا رہا اور فطری صلاحیتیں اُبھرتی رہیں۔

بارہ سال کے ہوئے تو جسم میں کافی مضبوطی اور توانائی آ چکی تھی۔ عقل میں غیر معمولی گہرائی تھی۔ ذہانت بلا کی تھی۔ روح میں بے پناہ عظمت و بلندی تھی۔ وسعت و ہمہ گیری تھی۔ احساس و شعور سے وہ بھرپور تھی۔

ابھی آپ کی عمر ہی کیا تھی؟ مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں۔ لیکن سر پر اقبال مندی کا ستارہ چمک رہا تھا۔ آپ میں غیر معمولی صلاحیتیں جھلک رہی تھیں اور عجیب وغریب کمالات ظاہر ہو رہے تھے۔ ابو طالب دیکھ دیکھ کر سخت حیران تھے۔ حیرت سے انگشت بدنداں تھے۔ اب ان کے نزدیک آپ کا شمار نو آموز بچوں میں نہ تھا بلکہ سوجھ بوجھ رکھنے والے بڑے بزرگوں میں تھا۔ پوری بے تکلفی سے ہر طرح

کے مسائل پر آپ سے تبادلہ ٔخیال کرتے، جیسے کوئی شخص اپنے کسی برابر کے ساتھی سے کرے۔

اسی زمانہ میں جبکہ آپ کی عمر تقریباً بارہ سال تھی ابوطالب نے شام کے تجارتی سفر پر جانے کا ارادہ کیا۔ سفر دور دراز کا تھا اور راستہ دشوار۔ اس لیے آپ کو ساتھ لے جانے کا خیال نہ تھا۔ لیکن وہ چلنے لگے تو آپ لپٹ گئے۔ ابوطالب نے سوچا، سفر دشوار تو ہے، مگر بھتیجا ہوشیار ہے۔ یہ سوچ کر بخوشی ساتھ لے جانے پر تیار ہو گئے۔

تجارتی قافلہ روانہ ہو گیا۔ قافلے میں آپ بھی تھے۔ راستے میں جو کچھ دیکھتے، اس پر غور کرتے، جو کچھ سنتے، اُس پر سوچ بچار کرتے اور سب کچھ ذہن میں محفوظ کرتے جاتے۔

قافلہ مختلف علاقوں سے گزرا۔ بہت سے شہروں میں ٹھہرا۔ بالآخر شام کی سرزمین میں پہنچ گیا اور وہاں کے ایک مشہور شہر بصریٰ میں پڑاؤ ڈال دیا۔

بُصری میں بَحیرا نامی ایک راہب تھا۔ اس کے گرجا گھر کے پاس ہی ایک سایہ دار جگہ تھی۔ قریش تاجر جب بھی بصریٰ پہنچتے وہیں پر ٹھہرتے۔ ٹھہر کر کچھ دیر آرام کرتے۔ پھر آڑھتیوں اور بیوپاریوں سے ملتے۔

یہ قافلہ بھی اسی جگہ آکر ٹھہرا اور ہر شخص اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ کوئی زیادہ تھکا ہوا تھا وہ آرام کرنے لگا۔ کوئی بھوک سے بے تاب تھا وہ دسترخوان پھیلا کر بیٹھ گیا۔ کوئی اپنا تجارتی سامان ٹھیک کرنے لگا کہ جلدی سے اسے ٹھکانے لگائے اور......

ابھی کوئی بہت زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ لوگ اسی طرح اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے کہ ایک قاصد آیا، بولا:

''آپ لوگ بَحیرا کے یہاں تشریف لے چلیں ۔ انہوں نے آپ سب لوگوں کو یاد کیا ہے۔کھانا بھی آپ لوگوں کو وہیں کھانا ہے۔سب کچھ انتظام ہو چکا ہے۔

لوگ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ نگاہیں گویا ایک دوسرے سے پوچھ رہی تھیں:

وہ یہاں کئی بار آئے، ٹھہرے اور چلے گئے، لیکن بَحیرا نے کبھی نہیں پوچھا، آج وہ کیوں اتنا مہربان ہو گیا؟

بہر حال کرتے کیا؟ انکار کرنے کی تو کوئی وجہ تھی نہیں۔ دعوت قبول کر لی۔ تمام لوگ قاصد کی رہنمائی میں روانہ ہو گئے۔ ہاں صرف محمد رہ گئے۔ آپ نہیں گئے۔ اس لیے کہ ابھی بچے تھے۔

بَحیرا نے سب کا بہت ہی پرتپاک خیر مقدم کیا۔ بولا:

''بھائیو! میں چاہتا ہوں، آج تم سب میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔تمہارا کوئی بھی فرد کھانے سے رہ نہ جائے۔''

اہل قافلہ: ''ہم سب آ گئے ہیں۔ ہاں ایک چھوٹا بچہ بھی ساتھ تھا۔ اس کو وہیں چھوڑ آئے ہیں!''

بحیرا: ''نہیں، نہیں، بچہ ہے تو کیا؟ اس کو بھی لاؤ۔ وہ بھی یہیں کھانا کھائیگا!''

ان کی حیرانی اور بڑھ گئی کہ ایک تو خلافِ معمول دعوت کی۔ پھر یہ بھی اصرار کہ کوئی رہ نہ جائے۔

''بحیرا! کیا بات ہے آج آپ نے ہماری دعوت کی ہے۔ اس سے پہلے تو کبھی کرتے نہ تھے؟'' انہوں نے بڑے تعجب سے سوال کیا۔

''آپ لوگ دور کے مسافر ہیں۔ ہمارے پڑوس میں آ کر ٹھہرے ہیں۔ ہم

پر آپ کا حق ہے۔ ہمیں اسکا خیال کرنا ہی چاہئے۔ میں نے چاہا آپ لوگوں کی کچھ خاطر ہو جائے۔ اور کیا بات ہو سکتی ہے؟'' بحیرا نے ٹالنے کی کوشش کی۔

'' بخدا کوئی بات ہے ضرور! محض اتنی بات تو ہو نہیں سکتی۔'' اہل قافلہ کی الجھن بدستور قائم رہی۔

قاصد ابو طالب کے ڈیرے پر گیا۔ محمد کو ساتھ لے کر آیا۔ بحیرا اور تمام اہل قافلہ بیٹھے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔

بَحیرا کی نظریں محمد پر پڑیں تو جم کر رہ گئیں۔ وہ ٹکٹکی لگائے آپ کو دیکھتا ہی رہا۔ سب نے کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر وہ ادھر اُدھر پھیل گئے۔ کوئی تو چہل قدمی کر رہا تھا کوئی گھوم پھر کر بحیرا کا گرجا گھر دیکھ رہا تھا۔ ایسے میں بحیرا آپ کے پاس آیا۔ بولا:

'' بیٹے! تمہیں لات و عزیٰ کی قسم! جو کچھ پوچھوں، صحیح صحیح بتلا دینا!!''

''لات و عزیٰ کی قسم نہ دیجیے۔'' محمد نے فوراً لقمہ دیا۔

'' اچھا خدا کی قسم! جو کچھ پوچھوں، سب بتلا دینا! کچھ چھپانا مت'' بحیرا نے دوبارہ التماس کیا۔

''پوچھیے، کیا پوچھتے ہیں؟'' محمد نے اس کی درخواست منظور کر لی۔

بحیرا آپ سے آپ کے ہی بارے میں مختلف سوالات کرنے لگا۔ کچھ مزاج اور طبیعت کا حال پوچھا...... کچھ عادات و اخلاق کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ اس کے ہر سوال کا جواب دیتے رہے۔ اتنے میں ابو طالب محمد کو لینے آ گئے۔

'' یہ بچہ تمہارا کون ہے؟'' بَحیرا ابو طالب کی طرف متوجہ ہو گیا۔

'' یہ میرا بیٹا ہے۔'' ابو طالب نے یونہی چلتا ہوا جواب دیا۔

'' یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تمہارا بیٹا نہیں۔ اس بچے کا باپ زندہ ہو یہ ہو نہیں

سکتا۔'' بحیرا نے ابوطالب کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

آپ کے بارے میں بحیرا کی یہ معلومات دیکھیں تو ابوطالب دنگ رہ گئے۔

''ہاں، یہ میرا بھتیجا ہے۔'' ابوطالب نے اپنی بات کی تصحیح کی۔

''اور اس کا باپ؟!'' بحیرا نے پھر سوال کیا۔

''ابھی یہ ماں کے پیٹ میں ہی تھا کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔'' ابوطالب نے مزید وضاحت کی۔

''تم نے سچ کہا۔ اب اپنے بھتیجے کو واپس گھر لے جاؤ اور دیکھو، اسے یہودیوں سے بچا کے رکھنا۔ خدا کی قسم! اگر انہوں نے دیکھ لیا اور جس حد تک میں نے اسے پہچان لیا ہے، انہوں نے پہچان لیا تو اس کی جان کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ تمہارا یہ بھتیجا کتنا عظیم انسان ہوگا! اس کا تم تصور نہیں کر سکتے۔ بس یہ سمجھ لو، یہ وہ ہیرا ہے جس جیسا ہیرا کوئی پیدا نہیں ہوا۔

بحیرا ایک ہی سانس میں یہ ساری باتیں کہہ گیا، بالکل ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بائیبل کا کوئی صفحہ سنا رہا ہو، یا محمد کی پیشانی پر لکھا ہوا کوئی نوشتۂ تقدیر پڑھ رہا ہو!

پھر وہ واپس ہو گیا۔ چہرہ خوشی اور اطمینان سے چمک رہا تھا وہ زیرلب یہ کہتا جا رہا تھا:

''میرا اندازہ بالکل صحیح نکلا!''

(٢)

ابوطالب محمد کو لے کر مکہ واپس آ گئے۔ بحیرا نے جو کچھ کہا تھا، وہ سب دماغ میں گونج رہا تھا۔ محمد کے بارے میں جو پیشین گوئی کی تھی، وہ ذہن میں گردش کر رہی تھی۔

محمد کے لیے اپنے ملک سے باہر نکلنے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ واپس ہوئے تو اس طویل سفر کے دوران آپ نے جو کچھ دیکھا تھا، ذہن میں تازہ کرتے رہے۔ لوگوں سے جو کچھ سنا تھا، اس پر غور کرتے رہے۔

آپ نے بڑے بڑے ریگستان اور اونچے اونچے پہاڑ دیکھے تھے۔ ہرے بھرے چمنستان اور پھلوں سے لدے ہوئے باغ دیکھے تھے۔ طرح طرح کے نشیب وفراز طے کیے تھے۔ مختلف شہروں اور بستیوں سے گزرے تھے۔ اُن سے متعلق لوگوں میں جو گفتگوئیں ہوئی تھیں، ماضی اور حال کے بارے میں جو باتیں ہوئی تھیں، سب آپ نے توجہ سے سنی تھیں۔

آپ کو ایسے لوگ بھی دکھائی دیے، جو انہی چیزوں کو پوجتے تھے، جن کو آپ کی قوم پوجتی تھی! ایسے لوگ بھی نظر آئے، جو آسمانی کتابوں کے احکام پر عمل پیرا تھے! یہ بھی سننے میں آیا کہ کچھ لوگ آتش پرستی میں مگن ہیں! ایسے لوگ بھی ہیں جو پتھر کی مورتیوں کے حضور عبادت کی رسوم ادا کرتے ہیں اور بندگی کے سارے آداب بجالاتے ہیں! کچھ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی نکیل یہودی علماء کے ہاتھوں میں دے رکھی ہے، جو کتاب الٰہی کی من مانی تاویلیں کرتے ہیں۔ اور اپنے جی سے شریعت بناتے ہیں! کچھ لوگ ہیں جو عیسائی پادریوں کے اشاروں پر چلتے ہیں، جنہوں نے غیب دانی کا ڈھونگ رچا رکھا ہے!

اس اندھیارے میں .... ہاں اس گھٹا ٹوپ اندھیارے میں محمد ایک ایک چیز کا جائزہ لیتے۔ غور وفکر کرتے۔ افکار وخیالات کا سلسلہ بندھ جاتا۔ اور دیر تک اسی عالم میں غرق رہتے۔ رہ رہ کر سوچتے:

کس کی راہ ٹھیک ہے اور کس کی غلط؟! کون حق پر ہے اور کون باطل پر؟! حق کہاں ہے؟! اور وہ ہے کیا؟!

کم سن مگر دیدہ ور اور روشن ضمیر محمد کو فکر تھی، کسی طرح حق مل جائے۔ اس کی حقیقت کھل جائے۔ تاریکی کا پردہ چاک ہو جائے اور روشنی نظر آ جائے!

بچپن کا زمانہ کھیل تماشے کا زمانہ ہوتا ہے۔ لیکن محمد کھیل تماشے سے کوسوں دور رہتے۔ بے کار باتوں اور فضول کاموں میں کوئی دل چسپی نہ لیتے۔ ہمیشہ حق کی دھن میں رہتے۔ اس فکر میں رہتے کہ کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جس میں کوئی رہنمائی ہو۔ کوئی ایسا نشان نظر آ جائے، جس سے کسی حقیقت کا سراغ لگتا ہو!

گھر گھرانے والوں کے ساتھ عُکاظ، مِجَنَّہ اور ذِی المجاز بھی جاتے۔ یہ عرب کے مشہور بازار تھے، جو مکہ کے آس پاس ہی لگتے۔ پھر لگتے بھی حرمت کے مہینوں میں، جن میں جنگ و خونریزی حرام ہوتی۔ ہوتی ہوئی جنگیں رُک جاتیں۔ انتقام کے بھڑکتے ہوئے شعلے بجھ جاتے اور یہ حرمت کے مہینے چار تھے۔ ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب۔

ان بازاروں میں ہر قسم کی چیزیں بکتیں۔ بیرونِ ملک سے بھی سامان آتا اور فروخت ہوتا۔ اس کے علاوہ ان میں شعر و شاعری کی محفلیں جمتیں۔ مقررین اپنی اپنی خطابت کے جوہر دکھاتے۔ ہر شخص اپنے افکار و خیالات کا برملا اظہار کرتا۔ ہر مذہب کا آدمی اپنے عقائد کی اشاعت کرتا۔ ہر شخص پوری آزادی سے اپنے نظریہ و مسلک پر عمل کرتا۔ نہ وہاں کسی طرح کا خطرہ ہوتا نہ کسی سے اندیشہ ہر ایک مطمئن اور بے غم ہوتا، کہ یہ حرمت کے مہینے ہیں۔

یہ بازار آدمیوں سے بھرے ہوتے۔ ان میں طرح طرح کے لوگ ہوتے۔ جگہ جگہ کے باشندے ہوتے۔ ہر طرف ایک چہل پہل ہوتی۔ اک ہما ہمی ہوتی۔ ایسے میں آپ کو لوگوں سے ملنے جلنے کا، اُن کے افکار و عقائد کو سمجھنے کا، ان کے قول و عمل کو پرکھنے کا بڑا اچھا موقع ملتا۔ یہ فیصلہ کرنے میں بھی آسانی ہوتی کہ

کون راہِ راست پر ہے اور کون اس سے پرے۔

پھر جب آپ تنہائی میں ہوتے اور یکسوئی حاصل ہوتی تو ساری باتیں عقل کی ترازو میں تولتے۔ جو بات صحیح معلوم ہوتی، ذہن نشین کر لیتے۔ جو غلط معلوم ہوتی اسے دور ڈال دیتے۔

بارہ سال کی عمر سے آپ بکریاں چرانے لگے۔ اس سے غور و فکر میں اور مدد ملی۔ یہ آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ کچھ گھر والوں کی بکریاں ہوتیں، کچھ قبیلے والوں کی، ان کو لے کر دور ٹیلوں اور میدانوں کی طرف نکل جاتے، جہاں بکریوں کو آزادی سے چرنے کا موقع ملتا، اور آپ کی روح کو پرسکون اور پرکیف فضا میسر ہوتی۔ وہاں فکر و نظر کے لیے، غور و تدبر کے لیے آپ کے سامنے ایک وسیع میدان ہوتا۔ اللہ کی یہ وسیع و عریض کائنات ایک کتاب کی مانند آپ کے سامنے کھلی ہوتی۔ آپ اس کی سیر کرتے۔ اس کے اشاروں کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔

اس انداز سے آپ نے بچپن کے ایام اور نوجوانی کے سال گزارے! نہ کہ دوسرے بچوں اور نوجوانوں کی طرح کھیل کود میں، ہنسی مذاق میں، فضول باتوں اور بے مقصد کاموں میں!

اس نوعمری میں ہی آپ کے اندر بڑوں کی سی متانت اور سنجیدگی تھی۔ شریفوں کی سی پاکیزگی و پاکبازی تھی اور جہاں دیدہ بزرگوں کی سی سوجھ بوجھ اور دوراندیشی تھی!

بچپن کا واقعہ ہے، کعبے کی دیواریں اٹھ رہی تھیں۔ بچوں نے تہ بند اتار کر کندھوں پر رکھ لیے اور پتھر ڈھونے لگے۔ لیکن آپ نے تہ بند اور مضبوطی سے باندھ لیا۔ چچا عباس نے کہا، بچوں کو دیکھو، اپنے اپنے تہ بند کندھوں پر رکھ لیے ہیں۔ اب کیسے مزے سے ڈھو رہے ہیں۔ تم بھی ایسا ہی کرلو۔ کندھے نہیں دُکھیں گے۔ چچا کے کہنے سے ایسا کرنا چاہا تو مارے غیرت کے بے ہوش ہو کر گر گئے!!

مکے میں عام رواج تھا، رات کو لوگ اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہو کر جمع ہوتے۔ طرب ونشاط کی محفلیں آراستہ ہوتیں۔ دلچسپ تفریحی پروگرام رہتے۔ داستان گوئی وداستان سرائی اس پروگرام کا اہم جزء ہوتا۔ کوئی شخص، جس کو اس فن میں کمال ہوتا، داستان سنانا شروع کرتا اور لوگ رات رات بھر بیٹھے سنتے رہتے۔ یہ گویا اُس زمانے کا کلچرل پروگرام تھا۔ ایک ساتھی نے آپ کو بھی للکارا:

''محمد! ایک رات تم بھی اس محفل کا لطف اُٹھاؤ۔''

نوجوانی کا زمانہ تھا، ساتھی نے زیادہ کہا تو تیار ہو گئے۔ وہ آپ کے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ فرمایا: ''اچھا، آج رات میری بکریاں تم دیکھتے رہنا!''

اور پھر اس تفریحی پروگرام میں شرکت کی غرض سے آبادی کی طرف چل پڑے۔ راستے میں کسی گھر سے گیت کی آواز آ رہی تھی۔ ٹھہر کر سننے لگے۔ کچھ دیر میں نیند کا غلبہ ہوا اور سو گئے۔ آنکھ کھلی تو دن چڑھ چکا تھا۔ سورج کی گرمی میں تیزی آ چکی تھی۔ آپ ساتھی کے پاس لوٹ آئے۔

''کہو محمد! رات کیسی گزری؟'' ساتھی نے دیکھتے ہی پوچھا۔

فرمایا: ''کیا بتاؤں، جا رہا تھا۔ راستے میں ایک جگہ گیت گانے کی آواز آئی۔ گیت بڑا سہانا تھا۔ آواز بڑی رسیلی تھی۔ سوچا، تھوڑی دیر اسے بھی سن لوں، پھر جاؤں۔ بیٹھا تو نیند آ گئی۔ آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔''

دوسری رات ساتھی نے پھر للکارا: ''دیکھو' آج یہ موقع ہاتھ سے نہ جانے پائے''۔

آپ پھر روانہ ہوئے۔ ابھی راستے میں ہی تھے کہ کانوں میں گیت کی آواز پڑی۔ گیت بلا کا سہانا تھا۔ ایسا لگتا گویا آسمان سے آواز آ رہی ہے۔ آپ پھر سننے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر میں نیند آ گئی اور سو گئے۔!

پوری نوجوانی میں بس دو بار اس قسم کا ارادہ کیا، مگر دونوں دفعہ خدا نے بچا لیا

کہ ''تیری شان ان فضولیات سے بالاتر ہے۔'' پھر کبھی خواب میں بھی اس طرح کا خیال نہ آیا نہ کبھی کوئی ایسی بات سرزد ہوئی جس سے آپ کی امانت و دیانت پر حرف آتا ہو یا عفت و پاکبازی پر کوئی آنچ آتی ہو۔

آپ شرم و حیا کے پیکر تھے۔ عفت و پاکبازی کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ سچائی کے لیے پوری قوم میں مشہور تھے۔ دیانت داری و ایمان داری میں اپنی مثال آپ تھے۔

اہل مکہ نے آپؐ کو ''امین'' کا خطاب دیا، تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ ذرا بھی نہیں۔ آپؐ کو یہی خطاب زیب دیتا تھا۔ اور آپ کو ہی زیب دیتا تھا۔

آپ نے نوجوانی میں تیر اندازی سیکھی۔ جوان ہوئے تو فن سپہ گری میں مہارت حاصل کی۔ اور جنگ فجار ہوئی تو چچاؤں کے ساتھ آپؐ بھی اس میں شریک رہے۔ یہ جنگ قریش اور ہوازِن کے درمیان ہوئی تھی۔ اور تاریخی جنگ تھی۔ بڑی ہی خوفناک اور تباہ کن! شریک ہونے کو تو آپ بھی اس میں شریک ہوئے، پر کسی پر تیر نہیں چلائے۔ بس چچاؤں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے اور دشمن کی طرف سے جو تیر آتے انہیں روکتے۔

اس جنگ میں گھرانے کے گھرانے تباہ ہو گئے۔ اس سے کچھ لوگوں کو بہت دُکھ ہوا۔ انہوں نے صلح کی آواز اُٹھائی۔ بالآخر دونوں فریقوں میں معاہدہ ہو گیا۔ یہی معاہدہ "حِلْفُ الْفُضُول" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس معاہدے میں آپ بھی شریک تھے۔ عمرِ مبارک اس وقت ۲۰ سال تھی۔

جنگ سے فرصت ملی تو اہلِ مکہ پھر اپنی پرانی حالت پر آ گئے۔ اب پھر وہی لہو ولعب تھا۔ وہی سرمستیاں تھیں۔ ہر طرف رنگ رلیاں منائی جانے لگیں۔ آوارگی و بے حیائی کا بازار گرم ہو گیا۔ جوئے اور شراب کی محفلیں آباد ہو گئیں۔ اور لوگ دادِ عیش دینے لگے۔

اور آپ......؟ آپ بھیڑ بکریاں لے کر پہلے کی طرح میدانوں میں نکل جاتے۔ وہاں کھلی فضا ہوتی۔ روح پرور سماں ہوتا۔ آنکھیں بکریوں کی دیکھ بھال کرتیں اور روح کائنات کی وسعتوں میں پرواز کرتی۔

یہ تھی آپ کی زندگی! یہی آپ کے شب و روز تھے، یہی آپ کے مشاغل اور دلچسپیاں تھیں۔ اسی میں آپ کے لیے سکون و راحت کا سامان تھا! تنہا رہنا اور نظامِ کائنات کا مطالعہ کرنا، ہنگاموں سے دور رہنا اور عالم کے حسن انتظام پر غور کرنا۔

آپ کو بس بکریاں چرانے سے مطلب رہتا! صحرا کی فضا میں مزہ آتا! تنہائی اور یکسوئی میں آپ کے ذہن و فکر کی نشو و نما ہوتی، قلب و روح پر معرفت کا فیضان ہوتا، کائنات کے اسرار منکشف ہوتے۔

اور ابو طالب؟ وہ روزی روزگار کی فکر رکھتے۔ معاشی دوڑ دھوپ میں لگے رہتے کہ ان کا اور بھتیجے کا پیٹ پل سکے۔ اور آسانی سے اولاد کا گزارہ ہو سکے۔ جو اللہ کے فضل سے کچھ کم تعداد میں نہ تھی۔

ایک دن ابو طالب آپ کے پاس آئے۔ کہنے لگے:

''بھتیجے! تم جانتے ہو، اپنی مالی حالت کیا ہے؟ ہماری پریشانیاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ خدیجہ دوسروں سے اپنا مال دے کر تجارت کراتی ہیں۔ کہو تو تمہارے لیے بات کروں؟'' اس وقت آپ کی عمر ۲۳ یا ۲۴ سال تھی۔

''چچا! آپ جو فرمائیں، سر آنکھوں پر!!'' آپ نے اسی سعادت مندی کا مظاہرہ کیا جس کی انہیں امید تھیں۔

خدیجہؓ بہت اونچے گھرانے کی خاتون تھیں۔ ان کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں قصیؔ تک پہنچ کر آپ سے جا ملتا ہے۔ یہ بنی مخزوم کے دو رئیسوں سے یکے بعد دیگرے بیاہی تھیں۔ وہ دونوں بہت کافی دولت چھوڑ کر دنیا سے

رخصت ہو گئے۔ پھر قریش کے بہت سے رئیسوں نے شادی کا پیغام بھیجا۔ لیکن ہر ایک کو ٹھکرا دیا۔ کسی کو قبول نہیں کیا۔ وہ تنہا رہتیں۔ اپنا سرمایہ کاروبار میں لگاتیں، کاروبار میں کافی برکت ہوتی اور نہایت خوش حالی کی زندگی بسر کرتیں۔ ابوطالب پہنچے تو تجارت کے لیے وہ کسی مناسب آدمی کی تلاش میں تھیں۔

ابوطالب: ''خدیجہ! محمد سے تجارت کرانا پسند کرو گی؟''

خدیجہ: ''آپ کسی غیر کے لیے کہتے، جب بھی مجھے انکار نہ ہوتا، محمد تو اپنے آدمی ہیں، وہ بھی امین!''

ابوطالب خوش خوش آپ کے پاس آئے۔ بولے: ''محمد! لو، اللہ نے روزگار کا انتظام کر دیا۔''

شام جانے کے لیے قافلہ تیار ہو گیا۔ اُس میں آپ بھی تھے۔ آپ کے ساتھ خدیجہ کا غلام میسرہ بھی تھا۔ آپ کے سبھی چچا آپ کو رخصت کرنے آئے۔ ابوطالب آگے آگے تھے۔ اُن لوگوں نے رخصت ہوتے وقت بڑے پیار سے کہا: ''خدا یہ سفر مبارک کرے، تجارت میں خوب برکت دے اور خیریت سے واپس لائے۔''

میسرہ کو بھی وصیت کی: ''دیکھو میسرہ! محمد کا خیال رکھنا، کسی طرح کی کوئی تکلیف نہ ہونے دینا۔''

قافلہ روانہ ہو گیا۔ راستے میں وہ ساری چیزیں پھر سامنے آتی رہیں، جو آپ پہلے سفر میں دیکھ چکے تھے۔ چلتے چلتے قافلہ شام پہنچ گیا۔ اور پھر اسی شہر بصریٰ میں ٹھہرا۔ قافلے میں جتنے لوگ تھے، سب کی ہمدردیاں اور خیر خواہیاں آپ کو حاصل تھیں۔ آپ بھی اُن کے لئے ایک بہترین رفیقِ سفر اور سراپا خیر و برکت تھے۔ رہا خدیجہ کا غلام میسرہ، تو نہ پوچھیے اس کا کیا حال تھا؟ ایسا لگتا جیسے وہ آپ ہی کا

غلام ہو! بے حد محبت کرتا، ہر وقت خیال رکھتا، آپ کی کسی بات کو نہ ٹالتا۔

جو کچھ سامان ساتھ تھا، اس کی آپ نے بڑی کامیابی سے تجارت کی۔ ایک ہوشیار، تجربہ کار اور خوش تدبیر انسان کی طرح۔ پھر کسی کے ہاتھ کچھ بیچا تو بڑی خوش اخلاقی سے، کسی سے کوئی معاملہ کیا تو بڑی ایمان داری سے، کسی سے کچھ تبادلہ کیا تو بڑی دیانت داری سے۔ واپس ہوئے تو خدیجہ نے جو جو فرمائشیں کی تھیں اور جو جو سامان منگائے تھے وہ سب ساتھ لائے۔

کیا کاروبار کی ان مشغولیتوں میں آپ کے معمولات چھوٹ گئے؟ نہیں، آپ اسی طرح تنہائیوں میں بیٹھ کر غور وفکر کرتے۔ لوگوں کے حالات جدا جدا تھے۔ ان کے مذاہب مختلف تھے۔ ان کے عقائد ایک دوسرے سے الگ تھے۔ آپ ہر ایک کو عقل کی ترازو میں تولتے، ان میں کون صحیح ہے؟ کس حد تک صحیح ہے؟ گھنٹوں بیٹھے اسی غور وفکر میں ڈوبے رہتے۔

جہاں قافلے کا پڑاؤ تھا، اس سے قریب ہی ایک بہت بھاری درخت تھا۔ ایک روز عادت کے مطابق آپ اسی کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ میسرہ اِدھر اُدھر کچھ کام میں مصروف تھا۔ پاس ہی ایک گرجا گھر تھا۔ اس میں سے ایک راہب نکلا اور میسرہ کے پاس آیا۔ یہ تھا نَسطُور راہب، مَیسَرہ یہاں تجارت کے لیے ہر سال آتا تھا، اس لیے نَسطُورا اس سے واقف تھا۔ بولا:

''میسرہ! تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟''

میسرہ: قریش کا ایک جوان جس کا خاندان خانۂ کعبہ کا کلید بردار ہے۔

راہب: تم نے ان میں کیا کیا باتیں دیکھیں؟

میسرہ: ''سچائی اور ایمان داری، پاکیزگی اور ستھرائی، نرم مزاجی اور خوش اخلاقی، افکار وخیالات کے سمندر میں اسی طرح غرق رہنا، نگاہِ تصور سے کائنات

کا مطالعہ کرنا۔"

نَسطُور نے بڑی بے تابی سے پوچھا: "اچھا، "ان کی آنکھیں کیسی ہیں؟

میسرہ پہ کچھ گھبراہٹ سی طاری ہوئی۔ بولا:

"آنکھیں سیاہ اور چوڑی ہیں۔ سفید حصے میں ہلکے سرخ ڈورے ہیں۔ پلکیں سیاہ اور باریک ہیں۔ کچھ بڑی بڑی بھی ہیں، جو آنکھوں کا حسن دوبالا کرتی ہیں۔"

نَسطُور، جواب آپ کے پاس آنے کے لیے پرتول رہا تھا، بولا:

"میسرہ! یہ جوان جو اس درخت کے نیچے ٹھہرا ہے اور اس میں یہ یہ خوبیاں ہیں، وہ آخری نبی ہی ہوسکتا ہے۔"

پھر وہ آپ کے پاس آیا، اس کی قوم میں جو جو مذاہب رائج تھے ان کے بارے میں سوالات کرنے لگا۔ وہ چاہتا تھا اس سلسلے میں آپ کے خیالات معلوم ہوں اور اندازہ ہو، آپ کے دل میں ان مذاہب کا کیا مقام اور کتنا احترام ہے۔ آپ نے ان سب کی تردید کی اور ان سے بیزاری ظاہر کی۔ خود اس کا مذہب عیسائی تھا۔ اس نے اس کے بارے میں سوال کیا۔ اس میں جو اچھائیاں یا خرابیاں تھیں، سب آپ نے واضح کردیں۔

(۳)

قافلہ کچھ دنوں بعد مکے واپس ہوا۔ مکے سے چند میلوں کے فاصلے پر ایک مقام تھا، جو اس وقت مرالظہر ان کے نام سے معروف تھا۔ آج وہ وادی فاطمہ کے نام سے معروف ہے۔ مرالظہر ان آگیا تو میسرہ نے کہا: "محمد! اونٹنی کی رفتار تیز کرو۔ لپک کر خدیجہ کے پاس جاؤ۔ انہیں کامیابی کی خوش خبری سناؤ!"

آپ نے اونٹنی کی رفتار تیز کر دی۔ دو پہر ہوتے ہوتے مکے پہنچ گئے۔ خدیجہ اس وقت بالا خانے میں تھیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے مزے لے رہی تھیں۔ اچانک کیا دیکھتی ہیں کہ ایک اونٹنی پر کوئی سوار ہے اور اونٹنی ریگ زار کی تپتی ہوئی ریت پر محوِ رفتار ہے۔ بالکل ہوا کا مقابلہ کر رہی ہے!

خدیجہ نے سوار پر نظریں گڑو دیں کہ پہچانیں، کون ہے؟ وہ سوار کچھ اور قریب ہوا۔ کچھ اور قریب ہوا۔ دیکھا تو محمد ہیں۔ ان کے گھر کی طرف بہت تیزی سے بڑھ رہے ہیں!!

دروازے پر پہنچے تو خدیجہ آپ کے استقبال کے لئے وہاں پہلے سے موجود تھیں۔ وہ آپ سے بہت محبت سے ملیں۔ خیریت سے واپس آنے پر مبارکباد دی۔ پھر آپ نے بڑے اچھے اور دل کش انداز میں سفر کا پورا حال سنایا۔ کاروبار کی پوری روداد بیان کی: کیا بیچا؟ کیا خریدا؟ کتنا نفع اٹھایا؟

خدیجہ پورے شوق اور دل چسپی سے ساری داستان سنتی رہیں۔ اور دل ہی دل میں عش عش کرتی رہیں۔ آپ کی باتوں سے انہیں بڑی خوشی ہو رہی تھی۔ آپ کی خوش کلامی ان کے دل کو لبھا رہی تھی اور آپ کی ایمان داری اور سچائی ان کے من کو موہ رہی تھی۔ پھر اس بار تجارت میں بے انتہا برکت ہوئی، اتنی کہ اور کبھی نہ ہوئی تھی۔ اس سے وہ بہت متاثر تھیں۔

پھر میسرہ آیا۔ اس کی زبانی آپ کے حالات سنے تو دل خوشی سے لبریز ہو گیا۔ اور پھر اتنی حیرت اور مسرت ہوئی، اتنی ہوئی جس کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔

میسرہ نے بتایا، آپ نے کس طرح تجارت کی۔ معاملات میں کتنی سچائی اور ایمان داری دکھائی۔ کس قدر ان کے مالِ تجارت کی فکر رکھی۔ اور جان و دل سے اس کی حفاظت کی۔

پھر راہب نسطور کا واقعہ سنایا۔ آپ کے بارے میں اس نے جو خوش خبری دی تھی، وہ بھی سنائی۔ میسرہ نے کہا:

"ایک واقعہ اور ہوا، جس پر میں حیران رہ گیا۔ سفر سے ہم لوگ واپس ہو رہے تھے۔ میرے ساتھ دو اونٹ تھے۔ دونوں تھک کر جواب دے چکے تھے۔ تھا میں بہت پیچھے۔ اندیشہ ہوا، کہیں قافلہ آگے نہ بڑھ جائے اور میں تنہا رہ جاؤں میں بڑھ کے محمد کے پاس گیا ان کو صورت حال بتائی۔

پہلے تو انہوں نے دونوں اونٹوں کے پیر سہلائے۔ پھر نکیل ہاتھ میں لی اور ان کو ہنکایا۔ اب وہ اس طرح دوڑنے لگے جیسے انہیں کچھ ہوا ہی نہ تھا۔"

خدیجہ بہت حیران ہوئیں۔ بولیں: "بھئی! ان میں تو بڑی عجیب باتیں ہیں!"

اب ناممکن تھا، خدیجہ کسی وقت آپ کو بھول جائیں یا آپ ان کے ذہن سے اُتر جائیں۔ جب دیکھیے: آپ ہی کا تذکرہ کرتیں جس سے ملتیں آپ ہی کے گن گاتیں اب اُن کو آپ سے بے انتہا محبت تھی اور تمنا تھی، کسی طرح اس امین اور صالح جوان کے دامن سے بندھ جائیں۔ کسی طرح اسے اپنا شریکِ زندگی بنالیں!!

خدیجہ کو اس کی فکر ہوئی۔ تمنا ہوئی اور پھر ایک تڑپ بن گئی! یہی خدیجہ تھیں۔ ہاں، یہی خدیجہ، جن کو قریش کے بڑے بڑے رئیسوں نے نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔ انہوں نے ہر ایک کو ٹھکرا دیا تھا۔ ہاں، ٹھکرا دیا تھا اور لاپروائی سے رخ پھیر لیا تھا!

آپ کی رفاقت کی یہ خواہش اتنی بڑھی کہ خدیجہ اسے راز نہ رکھ سکیں۔ قریبی عورتوں نے ان کی اس خواہش کو بھانپ لیا۔ ان میں ایک خاتون تھیں نفیسہ بنت اُمیّہ ۔ کچھ سیرت نگاروں نے ان کا نام نفیسہ بنت مُنیہ بھی لکھا ہے۔ یہ

دونوں نام ایک ہی ہیں۔ مُنیہ نفیسہ کی والدہ کا نام تھا اور اُمیّہ ان کے والد کا۔
ہاں تو نفیسہ نے خدیجہ سے کہا:

''خدیجہ! کیا حرج ہے؟ امین سے نکاح کیوں نہیں کر لیتیں؟''

خدیجہ: ''آخر کیسے؟ اس کی شکل کیا ہوگی؟!''

نفیسہ: تم تو بس ''ہاں'' کرو۔ یہ کام کرانا تو میرا کام ہے۔

پھر نفیسہ آپ کے پاس آئیں۔ بولیں:

''محمد! یہ تنہائی کی زندگی کب تک رہے گی؟ اب تو تمہیں اپنا گھر بسا لینا چاہیے۔

فرمایا: ''میرے پاس ہے کیا جو گھر بساؤں!

نفیسہ ''اچھا بتاؤ، اگر اس کا انتظام ہو جائے اور ایک نہایت حسین اور مالدار خاتون سے گھر بسانے کو کہا جائے تو تیار ہو جاؤ گے؟ انکار تو نہیں کرو گے؟

فرمایا: ''وہ کون ہے؟ کس کی طرف آپ کا اشارہ ہے؟

نفیسہ: ''خدیجہ سے بہتر جوڑا تمہیں نہیں ملے گا۔ نیک کام میں دیر کیا۔ یہ کام جتنی جلدی ہو جائے، اچھا ہے۔

خدیجہ کے اخلاق اور دانائی سے آپ بہت متاثر تھے۔ آپ نے جیسا سنا تھا، ان کو ویسا ہی پایا تھا۔ لوگ ان کو ''طاہرہ'' کہتے تھے۔ آپ نے ان کو طاہرہ ہی پایا تھا۔ لیکن ان سے نکاح؟ یہ تو خواب وخیال میں بھی نہ تھا۔ کیونکہ آپ کو معلوم تھا، اس کے لیے بڑے بڑوں نے زور لگایا لیکن ترس کے رہ گئے۔

فرمایا: ''لیکن کیا یہ ممکن بھی ہے؟! کیا وہ سونے کی چڑیا اس ویرانے میں بسیرا کرنے کو تیار ہو جائے گی؟!

نفیسہ نے آپ کو بھی وہی جواب دیا: ''تم اس کی فکر نہ کرو۔ اس چڑیا کو اس

باغ میں لانا تو میرا کام ہے!

آپ ابوطالب کے پاس پہنچے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ابوطالب نے سنا تو سخت حیران ہوئے۔ آپ کی زبان سے کبھی جھوٹ یا غلط بات تو سنی نہیں تھی۔ اس لیے انکار بھی نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ بولے:

''تعجب ہے بیٹے! خدیجہ، قریش کی معزز خاتون، مال و دولت اور جاہ و منصب والوں کو تو ٹھکرا دے اور تم کو اپنا دولہا بنانا پسند کر لے!''

پھر بولے:

''لیکن بیٹے ایسا ہو بھی سکتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ تمہارے پاس سونے چاندی کی دولت نہ سہی لیکن تم خود ایک ایسا انمول ہیرا ہو، جس کے سامنے یہ ساری دولت دنیا ہیچ ہے۔

فرمایا: ''چچا! مجھے نہ مال کی ہوس ہے نہ اس سے محرومی کا کوئی غم!

ابوطالب نے بھائیوں کو ساتھ لیا۔ خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد کے پاس گئے۔ ان کے بھائی عمرو بن خویلد سے بھی ملے اور آپ کی طرف سے خدیجہ کے لیے نکاح کا پیغام دیا۔ بھائی اور چچا کو پیغام اس وجہ سے دیا کہ ان کے والد پہلے ہی انتقال کر چکے تھے۔ وہ دونوں اسی دم تیار ہو گئے! بلکہ کہنا چاہیے، وہ پہلے سے تیار بیٹھے تھے اس برکت کو خوش آمدید کہنے کے لیے!!

جھٹ پٹ شادی کا دن طے ہو گیا۔ وہ دن آیا تو خاندان کے تمام شرفاء خدیجہ کے مکان پر جمع ہوئے۔ ابوطالب نے خطبۂ نکاح دیا۔ خطبہ بہت عمدہ تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے آپ کے بڑے آپ کی شخصیت سے کس درجہ متاثر تھے۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

''یہ میرے بھائی عبداللہ کا بیٹا محمد ہے۔ یہ وہ نوجوان ہے کہ قریش میں اس

جیسا کوئی نہیں۔ ہاں، مال اس کے پاس کم ہے لیکن مال تو چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ محمد میرا عزیز ہے۔ یہ تم سب جانتے ہو۔ وہ خُوَیلدِ کی بیٹی خدیجہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ اور میرے مال سے بیس اونٹ مہر مقرر کرتا ہے۔ بخدا اس کا مستقبل انتہائی شاندار ہے۔"

اس طرح یہ مبارک تقریب انجام پا گئی اور خاتون قریش، امینِ قریش کے گھر آ گئی!!

اس وقت آپؐ کی عمر ۲۵ سال ۲ ماہ ۱۰ دن تھی اور بی بی خدیجہ کی عمر ۲۸ سال تھی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت خدیجہ کی عمر ۴۰ سال تھی۔

(۴)

رُخِ مصطفٰے ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دُوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں، نہ دُکانِ آئینہ ساز میں

اس وقت محمد کی اٹھتی ہوئی جوانی تھی۔ حسن و دل کشی بلا کی تھی۔ گورا گورا رنگ، ملاحت لیے ہوئے، مسکراتا ہوا نورانی چہرہ، ہلکی گولائی لیے ہوئے۔ قد درمیانہ، نہ تو پستہ قد اور نہ بہت زیادہ لانبے۔ بڑا سر، جس پر سیاہ سیاہ گھنے بال، ہلکے گھنگھریالے۔ چوڑی پیشانی، جس سے غیر معمولی عظمت ٹپکتی۔ باریک باریک بھنویں، ایک دوسرے سے جدا، کچھ خمدار اور بھری ہوئی، انتہائی خوش نما! دراز پلکیں، سیاہ و سرمگیں آنکھیں، چوڑائی لیے ہوئے، سفیدی میں ہلکی ہلکی سرخی، جو آنکھوں کی کشش میں غیر معمولی اضافہ کر رہی ہوتی۔ پھر نگاہوں میں شرم و حیا کی گھلاوٹ! اور دیکھنے کا انتہائی معصومانہ اور دل کش انداز! ناک کچھ اونچی اور

سُتواں سامنے کے دانتوں میں ہلکی ہلکی ریخیں۔ گفتگو فرماتے تو موتی کی طرح چمکتے۔ ایسا لگتا گویا ان سے نور اُبل رہا ہے۔ چہرے پر بھری ہوئی گھنی ڈاڑھی۔ خوبصورت سی اونچی گردن۔ سینہ کشادہ۔ مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانے سے کچھ زیادہ۔ چوڑی چوڑی کلائیاں، ہتھیلیاں فراخ اور نرم وگداز۔ انگلیاں موزوں حد تک دراز، ہلکی ہلکی سُتی ہوئی پنڈلیاں، ایڑیوں پر برائے نام گوشت، تلوے ذرا گہرے۔ چلتے تو قوت کے ساتھ، ذرا آگے کو جھک کر۔ قدم جما کر رکھتے۔ رفتار بہت تیز ہوتی۔ معلوم ہوتا نشیب میں اتر رہے ہیں۔ چہرہ غور وفکر میں ڈوبا رہتا۔ اور نگاہوں میں پاکیزہ خیالات اور بلند جذبات چمکتے ہوتے۔ دیکھنے والا پہلی نظر میں مرعوب ہو جاتا۔

خدیجہ کے ساتھ آپ کی زندگی انتہائی پر لطف زندگی تھی۔ ان کی رفاقت آپ کے لیے راحت ہی راحت تھی۔ وہ ایک نہایت ہوشیار، تجربہ کار اور سمجھ دار خاتون تھیں۔ انہوں نے آپ کی طبیعت اور مزاج کو، آپ کی پسند اور ناپسند کو خوب پہچان لیا اور ہمیشہ اس کا خیال رکھا۔ آپ کے جذبات اور رجحانات کو، آپ کی امنگوں اور دل چسپیوں کو اچھی طرح سمجھ لیا۔ ان کے سلسلے میں آپ کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ ہر طرح سے سہولتیں پہنچانے کے لیے کمر بستہ رہیں۔

آپ کے رُجحانات کیا تھے؟ سدا سچ بولنا، ہر کام ایمان داری سے کرنا، ہنگاموں سے دور رہنا، شور وغل کی محفلوں سے پرہیز کرنا اور تنہائی میں بیٹھ کر غور وفکر کرنا۔

خدیجہ نے ان ساری باتوں کا خیال رکھا۔ چنانچہ آپ کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ آپ اب بھی اسی طرح وسیع اور رُوح پرور فضاؤں میں نکل جاتے۔ اب بکریوں کی رکھوالی بھی نہ کرنی ہوتی۔ اس لیے اور زیادہ یکسوئی اور

دل جمعی رہتی۔ جب تک چاہتے، غور وفکر کرتے۔ مناظر فطرت کا مشاہدہ کرتے۔ آیاتِ الٰہی کا مطالعہ کرتے۔ حق کو پہچاننے کی کوشش کرتے۔ اس طرح گویا آپ فطرت کی رہنمائی میں اپنے دادا ابراہیمؑ کے نقشِ قدم پر چل رہے تھے اور علم وعرفان، ایمان ویقین کی منزلیں طے کررہے تھے۔

وکذلك نری ابراهیم ملکوت السموٰت والارض ولیکون من الموقنین (الانعام:۷۵)

(اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے نظامِ سلطنت کو دکھاتے تھے اور اس لیے دکھاتے تھے کہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہو جائے۔)

تو کیا آپ خدیجہ کے حقوق سے غافل رہے؟ نہیں نہیں، ایسا نہیں تھا۔ اگر خدیجہ ایک وفا شعار اور فرض شناس بیوی تھیں تو آپ بھی ایک مثالی شوہر تھے جان توڑ عبادت وریاضت کے ساتھ ساتھ آپ خدیجہ کا پورا خیال رکھتے۔ ان کے سارے حقوق ادا کرتے۔ ان کے دل بہلاؤ کا سامان کرتے۔ اُن کے ذوق اور طبیعت کی پوری رعایت رکھتے۔ ان کے مال کی ہر طرح حفاظت کرتے۔ ان کی تجارت کو فروغ دیتے۔ جس پر پورا اطمینان ہوتا، جو سچا اور ایماندار ہوتا، جال بٹے سے بیزار ہوتا۔ بس اسی کو اس میں شریک کرتے۔

غرض آپ ایک انتہائی محبوب اور حق شناس شوہر تھے۔ خدیجہ کے لیے آپ کے رہن سہن میں بڑی دل کشی اور جاں نوازی تھی۔ آپ کا ساتھ ان کے لیے بڑا سکوں بخش اور پر کیف تھا۔ خدیجہ نے آپ کو بڑے بڑے مالداروں اور عزت داروں پر ترجیح دی تھی۔ جاہ ومنصب والوں کے مقابلے میں آپ کو پسند کیا تھا۔ وہ آپ کے بارے میں انتہائی حسن ظن رکھتی تھیں۔ آپ کے سلسلے میں وہ نہ جانے کیا کیا خیالات رکھتی تھیں۔ پھر بھی ان کو پہلے سے کیا اندازہ رہا ہوگا وہ کتنی خوش

نصیب ہیں!

تھے تو آپ تنہائی پسند، لیکن لوگوں سے میل جول بھی رکھتے۔ ان کے معاملات میں دلچسپی بھی لیتے۔ ان کی باتوں کو بہت غور سے سنتے۔ اکثر چپ رہتے۔ بے ضرورت کبھی نہ بولتے۔ نہ کسی بات میں لوگوں سے الجھتے۔ جو بات بھی کہتے، بہت ہی مختصر اور کام کی کہتے۔ اس میں بھی ظرافت ہوتی۔ ظرافت میں بھی لطافت ہوتی۔ چہرہ مسکراتا ہوتا۔ دیکھنے میں بہت دل کش اور بھلا لگتا۔ بات کرنے والا گرویدہ ہو جاتا۔ یہی مسکراہٹ کبھی کبھی ہنسی میں تبدیل ہو جاتی۔ انہی خوبیوں کی وجہ سے لوگ آپ کی ہر بات کو وزن دیتے۔ آپ کی رائے کا احترام کرتے۔ آپ کے مشوروں پر عمل کرتے۔

۵

مکے کے چاروں طرف پہاڑوں اور پہاڑیوں کا سلسلہ ہے۔ بیچ میں کعبہ ہے۔ پہلے کعبے کی دیواریں بہت نیچی تھیں۔ دیواروں پر چھتیں بھی نہ تھیں۔ جیسے ہمارے یہاں کی عید گاہیں۔ اس طرح جب کبھی زور کی بارش ہوتی، کعبے کے اندر پانی بھر جاتا۔

ایک بار کا واقعہ ہے، مکے میں بہت زبردست سیلاب آیا۔ بہت سی عمارتیں ڈھے گئیں۔ کعبے کے اندر پانی بھر گیا۔ اس سے دیواروں میں شگاف پڑ گئے۔ بنیادیں کمزور ہو گئیں۔ یہ چیز مکے والوں کے لیے ایک مسئلہ بن گئی۔ انہیں اس کی مرمت کی فکر ہوئی، اوروں کی طرح آپ کو بھی ہوئی۔

کعبہ ان کے لیے سب کچھ تھا۔ یہ ان کا عبادت گھر تھا۔ ان کے بتوں

کا گڑھ تھا۔ پھر دور دور سے لوگ اس کا طواف کرنے آتے۔ اس سے ان کی تجارت کوفروغ ہوتا۔ کاروبار میں ترقی ہوتی۔ اتنا ہی نہیں، اس کی وجہ سے انہیں لوگوں کی نظروں میں ایک اونچا مقام حاصل تھا۔ آنے والے ان کی عزت کرتے۔ اپنے سے اونچا اور برتر سمجھتے کیونکہ یہ کعبے کے ہمسایہ تھے۔ اس کے خدمت گار اور پاسبان تھے۔ اس سے متعلق مختلف عہدوں پر سرفراز تھے۔ یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوئے آپس میں مشورہ کرنے لگے، کیا کیا جائے؟

کیا پرانی عمارت ڈھادی جائے؟ اور پھر سے نئی عمارت بنائی جائے؟ اگر ایسا کرنا ہے تو اس کا بیڑا کون اٹھائے گا؟ کون اسے ڈھائے گا؟! پھر کون اسے تعمیر کرے گا؟!

کعبہ اللہ کا سب سے مقدس گھر ہے۔ وہ ڈرتے تھے، کہیں اُسے ڈھانے سے اللہ ناراض نہ ہو جائے۔ کہیں سر پر کوئی بلا نہ آجائے۔ عقل حیران تھی، کریں تو کیا کریں؟!

لیکن عمارت بالکل بوسیدہ ہو چکی تھی۔ بنیادیں کمزور پڑ چکی تھیں۔ ہر آن اس کے ڈھے جانے کا خطرہ تھا۔ اس کی نئی تعمیر کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چاروناچار انہوں نے ڈرتے ڈرتے اسے ڈھانے کا فیصلہ کرلیا! لیکن ابھی ایک مسئلہ اور تھا۔ نئی عمارت مضبوط اور پائدار ہونی چاہیے۔ اس کے لیے عمدہ سامان کیسے فراہم ہو؟ ماہر کاریگر کہاں سے آئیں، جو سلیقے سے پتھر جوڑ سکیں اور ایک خوبصورت اور مضبوط عمارت تیار کرسکیں؟!

خدا کا کرنا، انہی دنوں ایک رومی آدمی مصر سے جہاز لے کر چلا۔ وہ حبشہ (Ethiopia) جارہا تھا۔ جہاز جدہ کی بندرگاہ پر پہنچا تو ساحل سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ اس جہاز پر عمدہ قسم کی لکڑیاں تھیں بہترین قسم کا تعمیری سامان تھا۔ اُس آدمی

نے سارا سامان بندرگاہ پر اُتار دیا اور انتظار کرنے لگا، کوئی جہاز حبشہ جانے والا ملے تو سامان لاد کر لے جائے۔ قریش کو خبر لگ گئی۔ فوراً کچھ آدمی دوڑائے۔ جہاز والے کا نام باقوم تھا۔ یہ لوگ جا کر اس سے ملے۔ اُسے اپنی ضرورت بتائی۔ وہ بخوشی سارا سامان بیچنے پر تیار ہو گیا۔ اس نے انہیں بتایا کہ وہ ایک ماہر معمار بھی ہے۔ اب کیا تھا۔ اُن کو تو کاریگر کی تلاش تھی ہی۔ بیٹھے بٹھائے ایک اچھا کاریگر مل رہا تھا۔ انہوں نے کہا، اچھا تو آپ بھی ساتھ چلیں اس اہم کام میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔

باقوم نے جا کر کعبے کو دیکھا۔ اس نے کہا: ''اس کی تعمیر تو بہت آسان ہے۔ البتہ صحن میں کچھ ستون کھڑے کیے جائیں گے۔ تاکہ چھت پڑ سکے۔ اس طرح عمارت مضبوط رہے گی۔ آندھی کے جھونکے آئیں یا سیلاب کے تھپیڑے، سب سے محفوظ رہے گی۔'' خود ان کی بھی یہی خواہش تھی۔ اس لیے کہنے سے پہلے ہی منظور تھی۔ مکے میں ایک مصری آدمی رہتا تھا قبطی نسل کا۔ صلیح اس کا نام تھا۔ لکڑی کے کام میں ماہر تھا۔ باقوم کی مدد کے لیے وہ بھی بلا لیا گیا۔

قریش نے کعبے کے الگ الگ حصے کیے اور آپس میں بانٹ لیے کہ اسے ڈھانے میں ہر قبیلے کا ہاتھ رہے۔ تعمیر کے شرف سے بھی کوئی محروم نہ رہے۔

ڈھانے کا وقت آ گیا۔ لوگ پھر لرز اُٹھے۔ جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ پھر پس و پیش میں پڑ گئے، ڈھائیں؟ نہ ڈھائیں؟ کیا کریں؟ اَبْرَہَہ کا حشر یہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ جو کعبے کو ڈھانے کے ارادے سے نکلا تھا۔ پورے لاؤ لشکر کے ساتھ آیا تھا۔ لیکن نہ کعبے تک پہنچ سکا نہ واپس جا سکا۔ پورے لشکر کے ساتھ تہس نہس ہو گیا۔

اس واقعہ کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ اس کی ہلاکت و بربادی کا عبرتناک

منظر نگاہوں کے سامنے آجاتا اور لوگ سہم جاتے۔ لیکن ان کا مقصد ڈھانا تو تھا نہیں، اسے از سرنو بنانا تھا۔ چنانچہ نمازیں پڑھیں، قربانیاں کیں، دعائیں مانگیں، التجائیں اور مناجاتیں کیں۔ پھر ایک آدمی آگے بڑھا خوف سے اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ وہ تھا ولید بن مغیرہ۔ لرزتے ہاتھوں سے اس نے کدال پکڑی اور ایک ستون ڈھا دیا!

ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لوگ خوف و دہشت کے ساتھ چپ چاپ کھڑے دیکھ رہے تھے، انہیں انتظار تھا کہ ولید کا کیا حشر ہوتا ہے؟ وہ کس بلا میں گھرتا ہے؟ رات گزر گئی۔ نئی صبح نمودار ہوگئی۔ لیکن ولید کو کچھ بھی نہ ہوا۔ اس پر کوئی آفت نہ آئی! اب قریش کی ہمت بندھی۔ دلوں کو اطمینان ہوا، اور کعبے کی عمارت ڈھانی شروع کر دی۔

ڈھانے میں سب نے حصہ لیا۔ پتھروں کو ہٹانے میں بھی سب شریک رہے۔ ڈھاتے ڈھاتے ایک سبز چٹان پر پہنچے۔ اس پر بھی کدالیں ماریں۔ کدالیں چھٹک چھٹک گئیں۔ اور چٹان جوں کی توں رہی۔ پھر وہی نئی عمارت کی بنیاد بنی۔

قریب ہی پہاڑیوں کا سلسلہ تھا۔ وہاں سے پتھر ڈھوڈھو کر لائے اور نئی عمارت بنانے لگے۔ آپ اور آپ کے سارے چچا اس کام میں پیش پیش تھے۔ دیکھتے دیکھتے محکم دیواریں کھڑی ہو گئیں۔

کعبہ کی پرانی دیوار میں مشرق کی طرف ایک کالا پتھر تھا اور اب بھی ہے۔ اس کو ''حجرِ اسود'' یعنی ''کالا پتھر'' ہی کہتے ہیں۔ عرب اسے بہت متبرک سمجھتے۔ اسلام میں بھی اس کا خاص مقام ہے۔ کعبے کا طواف کرتے ہیں۔ تو ہر طواف اسی سے شروع کرتے ہیں۔ اسے بوسہ بھی دیتے ہیں۔

قریش نے وہ دیوار کچھ اونچی کرلی۔ اب حجرِ اسود رکھنے کا وقت آیا۔ سوال پیدا ہوا یہ شرف کس کے حصے میں آئے؟ کون اسے اس کی جگہ پر رکھے؟ کوئی قبیلہ بھی اس شرف سے محرومی پر تیار نہ تھا۔ ہر ایک یہ سعادت خود حاصل کرنی چاہتا تھا دوسروں کے مقابلے میں اپنے کو زیادہ حقدار سمجھتا تھا۔

لوگوں میں نوک جھونک شروع ہوئی۔ اختلاف بڑھتا گیا۔ حالات بگڑتے گئے اور پھر معاملے نے ایک سنگین صورت اختیار کرلی۔ وہ دل جو اب تک جڑے ہوئے تھے، اللہ کے گھر کے نام پر شیر وشکر ہو گئے تھے۔ پھٹنا شروع ہو گئے ان میں نفرت وعداوت کی آگ سلگنے لگی۔

پانچ راتیں گزر گئیں۔ شدید ہنگامہ بپا رہا۔ نہ کوئی بات طے ہوتی نہ کسی رائے پر اتفاق ہوتا۔ حالات سنگین سے سنگین تر ہوتے گئے۔ لوگ آپس میں کٹ مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ بنی عبدالدار اور بنی عدی دو زبردست قبیلے تھے۔ انہوں نے آپس میں گٹھ جوڑ کرلیا۔ دونوں نے عہد کیا یہ شرف کسی حال میں ہاتھ سے جانے نہ دیں گے۔ کسی اور قبیلے کو اس کے قریب پھٹکنے نہ دیں گے۔

عرب میں دستور تھا، جان دینے کا عہد کرتے تو پیالے میں خون بھر کر رکھتے اور عہد کرنے والے اس میں اپنا ہاتھ ڈبوتے۔ انہوں نے اس موقع پر یہ رسم بھی ادا کی۔ تلواریں میان سے باہر آ گئیں اور یہ ہوا کہ اب اس جھگڑے کا فیصلہ تلواریں کریں گی۔ اس وقت ابو اُمیّہ بن مُغیرہ اُٹھا۔ یہ قریش کا سب سے زیادہ سن رسیدہ اور جہاں دیدہ آدمی تھا۔ ہر ایک اس کا احترام کرتا، اس کی بات کے آگے سر جھکا دیتا۔ اس نے بڑی دلسوزی کے ساتھ کہا:

''میرے بھائیو! عزت اور سرداری میں تم سب کا رتبہ برابر ہے۔ بلا وجہ آپس میں جھگڑو نہیں۔ نفرت اور عداوت کی آگ نہ بھڑکاؤ، عقل وہوش سے کام لو

اور میری بات مانو۔ پہلا قریشی جو باب الصفا سے داخل ہو کر آئے، اس کا فیصلہ اسی پر چھوڑ دو۔''

اللہ کی رحمت شامل حال ہوئی۔ یہ رائے سب نے مان لی۔ کعبہ کے گرد حرم شریف کی چہار دیواری تھی۔ اس کے دروازوں میں سے ایک کا نام تھا باب الصفا۔ کیونکہ یہ صفا پہاڑی کی طرف کھلتا تھا۔ سب نے نگاہیں باب الصفا پہ گڑو دیں اور انتظار کرنے لگے، کہ ان کی قسمت کا فیصلہ کس کے ہاتھ میں جاتا ہے اور وہ کس طرح اس گتھی کو سلجھاتا ہے۔ رب کا کرشمہ دیکھو، تھوڑی ہی دیر بعد ایک خوبصورت جوان باب الصفا سے نمودار ہوتا ہے۔ وہ تیزی سے خانۂ کعبہ کی طرف بڑھتا ہے۔ دیکھتے ہی سب پکار اٹھتے ہیں:

''امین! امین! محمد امین کا فیصلہ تسلیم!''

کتنا اعتماد تھا قوم کو اس جوان پر! پوری قوم میں کوئی نہیں جسے اس کی دیانت داری میں شبہہ ہو! کوئی نہیں جسے اس کا فیصلہ ماننے میں تامل ہو! دیکھنا ہے آج اس نازک موقع پر وہ کیا کردار پیش کرتا ہے!

لوگ بے تابی سے آگے بڑھے۔ آپ سے فیصلہ چاہا۔ آپ نے فرمایا:'' ایک بڑی چادر لاؤ''۔

چادر لائی گئی۔ آپ نے اُسے پھیلا دیا۔ پھر حجر اسود کو اپنے ہاتھوں سے اٹھایا اور اس پر رکھ دیا۔ پھر فرمایا:

''ہر قبیلے کا سردار چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ لے اور سب مل کر اُٹھائیں۔''

قبیلوں کے سردار آگے بڑھے۔ انہوں نے چادر کے کونے پکڑ لیے اور جس جگہ پتھر کو لگانا تھا وہاں تک لے آئے۔ پھر آپ نے اسے خود اپنے ہاتھوں سے اٹھایا اور اس کی جگہ رکھ دیا۔ ہر طرف مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ کتنا پیچیدہ تھا

یہ مسئلہ! اور کتنی آسانی سے حل ہو گیا! ہر ایک کی ناک رہ گئی۔ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہا۔

آپ کی حکمت و دانائی سے ایک زبردست فتنہ دب گیا۔ قوم انتہائی تباہ کن خانہ جنگی سے بال بال بچ گئی۔ دشمنی وعداوت کے شعلے بجھ گئے۔ سب پہلے کی طرح شیر و شکر ہو گئے۔

پھر قریش نے کعبے کی تعمیر مکمل کی۔ ستونوں پہ چھت ڈال دی اور اندر جانے کے لیے اس جگہ سے ایک دروازہ کھول دیا۔ جہاں بتوں کا مہاراجہ ''ہبل'' براجمان تھا۔

اس وقت تک عمر مبارک کی ۳۵ بہاریں گزر چکی تھیں۔

دیکھا تم نے ؟ محمد کتنے سچے تھے! قوم میں کس قدر محبوب تھے! بے داغ سیرت اور پاکیزہ طبیعت! ہر ایک آپ کی عزت کرتا۔ جو کچھ فرماتے، اسے تسلیم کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی تعریف میں یونہی تو نہیں فرمایا تھا:

وانك لعلىٰ خلق عظيم

''اور بے شک تم عظیم کردار کے مالک ہو۔''

☆-----☆-----☆

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

(۳)

خدا کی آواز

- اندھیرے میں چار جگنو!
- شب پرستوں کا شرمناک سلوک
- غار حرا میں حقیقت کی تلاش
- صدمے پر صدمے
- غلام کی قسمت جاگ اٹھی
- علی آفتاب رسالت کے سایے میں
- آثار نبوت کا ظہور
- حضرت جبریلؑ کی آمد اور آپ کا اضطراب
- بی بی خدیجہ کی دل جوئی اور ایمان میں پیش قدمی
- ورقہ بن نوفل سے ملاقات
- وحی کا رک جانا
- وحی کا آنا اور پھر رک جانا
- تسلی کا پیارا انداز
- علی اور زید ایمان کی گود میں
- ابوبکر قافلۂ حق کے ساتھ
- مسلمان اور تبلیغ اسلام
- ابوطالب اسلام کے حامیوں میں
- قریش کی شرارتیں

وَاِذْبَوَّأْنَا لِاِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَلَّا تُشْرِكْ بِیْ شَيْئًا
وَّطَهِّرْ بَيْتِیَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ
(سورۂ حج:۲۶)

''اور یاد کرو، جب ہم نے ابراہیم کے لیے اس گھر کی جگہ تجویز کی۔
ہدایت یہ تھی کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا اور میرے گھر کو پاک
رکھنا طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنے
والوں کے لیے۔''

①

عرب کے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین چھوڑ چکے تھے، ان کا پیغام بھول چکے تھے۔ مورتیوں کی پوجا کرنے لگے تھے۔ لیکن قریش کے کچھ لوگوں کو اس گمرہی کا احساس ہوا۔ انہوں نے شرک و بت پرستی کے خلاف آواز اُٹھائی۔ لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دیا ہوا سبق یاد دلایا۔ مکے والوں سے انہوں نے کہا:

''قریش کے لوگو! ابراہیم علیہ السلام کے بیٹو! اللہ کا گھر پاک کرو۔ کعبے میں تم نے جو مورتیاں رکھ چھوڑی ہیں، انہیں باہر نکالو۔ یہ تو بالکل بے جان ہیں۔ نہ سن سکیں نہ دیکھ سکیں۔ انہیں پوجنے سے فائدہ کیا؟ تم ان کا طواف کرتے ہو! ان پر چڑھاوے چڑھاتے ہو! ان کے...... نام کی قربانیاں کرتے ہو!

بھائیو! اس دین کے بجائے کوئی اور دین تلاش کرو جسے عقل تسلیم کرے۔

بھائیو! تورات اور انجیل میں ایک نبی کا ذکر آیا ہے۔ وہ نبی تمہارے ہی اندر آئے گا۔ وہ بس آنے ہی والا ہے۔ یہودی عالم، عیسائی پادری، کاہن سب یہی کہتے ہیں۔ لہذا تم شرک و بت پرستی سے توبہ کرلو اور ابھی سے اس نبی کا انتظار

کرو۔ دنیا میں بھی کامیاب ہوگے، آخرت میں بھی نہال رہوگے۔''

اس وقت یہ ایک نئی آواز تھی بالکل ہی نئی آواز! قریش کے کان کھڑے ہوگئے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ دیکھتے ہیں تو عمر بن نفیل کے بیٹے زید ہیں۔ نوفل کے بیٹے ورَقہ ہیں۔ حارِث کے بیٹے عثمان اور جحش کے بیٹے عُبیدہ ہیں۔

یہ سب اپنی قوم کی بزرگ اور قابل قدر ہستیاں تھیں۔ سب لوگ ان کی عزت کرتے۔ ہر شخص جانتا تھا، یہ چاروں آدمی دینِ ابراہیمی کے پیرو ہیں۔ یہ شراب اور جوے سے کوسوں دور ہیں۔ بت پرستی سے سخت بیزار ہیں۔ بے چاری لڑکیوں کے لیے سراپا رحمت ہیں۔ اگر سن لیتے ہیں کوئی شخص اپنی معصوم بچی کو زندہ گاڑنے جا رہا ہے، چاہے مفلسی اور تنگ دستی کے ڈر سے یا باعثِ ننگ و عار سمجھ کر تو یہ فوراً جا کر اسے ہر قیمت پر حاصل کر لیتے ہیں اور خود اس کی پرورش کرتے ہیں۔ جوان ہو جانے پر باپ کی طبیعت راغب ہو تو اسے واپس بھی کر دیتے ہیں۔

یہ سب کچھ سہی، لیکن بھلا قریش کو یہ کب گوارا ہو سکتا تھا کہ یہ لوگ ایسی نامانوس صدا بلند کریں! وہ یہ کیوں کر برداشت کر سکتے تھے کہ ان کے مذہب پر کھلم کھلا تنقید کی جائے۔ اُسے غلط ٹھہرایا جائے۔ اُن کی مورتیوں کا کھنڈن کیا جائے ان کی بے بسی کا چرچا کر کے دلوں کو اُن سے بیزار کیا جائے!

اسی طرح کی پوجا پاٹ اور نذر و نیاز میں تو اُن کی عمریں گزری تھیں۔ یہی ان کے معبود تھے، جن کو وہ باپ دادا سے پوجتے آئے تھے۔ کیا وہ انہیں چھوڑ دیں؟ یہ تو کبھی سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ انہوں نے نفرت سے منہ پھیر لیے۔ حقارت سے کان بند کر لیے۔ پھر اسی پر بس نہ تھا۔ بہتوں نے گالیاں دیں، طعنوں کے تیر چلائے۔ تمسخر کے خنجر بھونکے اور جتنا ہو سکا، جسم و روح پر زخم لگائے۔

اسی طرح ایک زمانہ گزر گیا۔ کوئی تو ہجرت کر گیا۔ کوئی عیسائی ہو گیا۔ دینِ ابراہیمؑ پر صرف زید رہ گئے۔ وہ کعبے کی دیوار سے لپٹ لپٹ کر روتے اور کہتے:

''خدایا! اگر میں جانتا، تجھے کون سا طریقہ پسند ہے تو میں اسی کو اپناتا۔ مگر...... مجھے نہیں معلوم۔'' پھر بے اختیار سجدے میں گر پڑتے۔

۲

چاروں بزرگوں نے اپنے عقیدے کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے جو سمجھا، صاف صاف بیان کر دیا۔ اس پر قریش نے خوب مذاق اُڑایا۔ وہی لوگ جواب تک خوبیوں میں بے مثال تھے، شرافت اور انسانیت کا معیار تھے، ان ہی میں اب کیڑے ہی کیڑے دکھائی دینے لگے۔ عیب ہی عیب نظر آنے لگے۔ انہیں کیا خبر تھی، ایک جوان اور ہے، جوان کی آنکھوں کا تارا اور دل کا سہارا ہے۔ جوان کو جان سے بھی پیارا ہے۔ وہ بھی ان ہی کا ہم خیال ہے۔ انہی کے دین کا علمبردار ہے۔ ہاں، اس نے ابھی اعلان نہیں کیا ہے۔ ابھی وہ تنہائیوں میں پڑا سوچ رہا ہے اور حقیقت کی تلاش میں سرگرداں ہے!

مکے سے تقریباً ۲ میل پر حراء نامی ایک پہاڑ ہے۔ اسی پہاڑ کو جبل نور بھی کہتے ہیں۔ اس میں ایک غار ہے، جو غارِ حرا کے نام سے مشہور ہے۔ محمد اسی غار میں چلے جاتے۔ کئی کئی دن اور کئی کئی راتیں وہیں رہتے۔ جس حقیقت کے لیے آپ بے تاب تھے، اس کی جستجو کرتے، جس معرفت کی آرزو تھی اسے تلاش کرتے۔

رمضان کا مہینہ آتا تو بالکل یکسو ہو جاتے۔ وہاں نہ انسانوں کا شوروغل ہوتا، نہ دنیا کے ہنگامے، بالکل تنہائی اور خاموشی کا عالم ہوتا۔ وہیں غور وفکر میں مصروف رہتے۔ جو کچھ روکھا سوکھا پاس ہوتا، اسی پر قناعت کرتے۔ کبھی گھر آکر خود ہی لے جاتے اور کبھی گھر والے پہنچا دیتے۔

یہ تھے آپ کے دن! اور یہ تھیں آپ کی راتیں!! فکر وخیال کی پہنائیوں میں غوطے لگاتے۔ ذہن ودماغ کی گہرائیوں سے پتہ پوچھتے۔ جو حق معلوم ہوتا، شوق کے ہاتھوں سے پکڑ لیتے جو باطل معلوم ہوتا، ذہن سے کھرچ دیتے۔

یہ دنیا جس میں ہم رہ رہے ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہ ایک سوال تھا، جس کا جواب پانے کے لیے آپ سخت بے چین تھے۔

سال پر سال گزرتے رہے اور آپ کا یہی حال رہا۔ آئے دن غار میں جاتے رہتے۔ جب رمضان آتا تو بالکل ہی یکسو ہو جاتے اور رات ودن وہیں رہتے! پھر جب مکہ واپس ہوتے تو سب سے پہلے کعبہ جاتے اور اس کا طواف کرتے۔

پھر بال بچوں میں آتے۔ بی بی خدیجہ بہت ہی پیار اور محبت سے پوچھتیں: ”کہیے میرے سرتاج! کیا احوال ہیں؟ کیسے مزاج ہیں؟ آپ خیریت سے تو ہیں نا؟“

فرماتے: ”ہاں، خدا کا شکر ہے۔ اس کا بڑا احسان ہے۔ سب خیر وعافیت ہے۔ یہ آپ لوگوں کی دعاؤں کا ثمرہ ہے!“

بچے آپ کو گھیر لیتے۔ جو بہت چھوٹے ہوتے وہ لپٹ جاتے۔ جو بڑے ہوتے وہ باتیں کرتے۔ بڑے بھولے پن سے پوچھتے:

”آپ کہاں تھے ابا جان؟! ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے!!“

آپ انہیں گود میں اُٹھا لیتے۔ پیار کرتے۔ محبت سے سر پر ہاتھ پھیرتے۔ میٹھی میٹھی باتیں کرتے اور فرماتے: ''اچھا کبھی تم بھی چلنا۔''

آپ کچھ وقت بال بچوں میں گزارتے۔ ان کی پیاری پیاری باتوں سے خوش ہوتے۔ ان سے ہنس بول کر سکون پاتے۔ ان کی معصوم اداؤں کے مزے لیتے پھر غارِ حرا لوٹ جاتے۔

لیکن............ یہ مبارک گھڑیاں اور یہ خوشی کے لمحے جلد ہی بیت گئے۔ آپ کے سب بیٹے ایک ایک کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ قاسم، طیب اور طاہر سب اللہ سے جا ملے۔ زخم پر زخم لگتے رہے لیکن آپ صبر کرتے رہے۔ بچپن میں تو یتیمی کا دُکھ اُٹھایا۔ بڑے ہوئے تو جگر گوشوں کا غم کھایا۔

اب آپ کے بس بیٹیاں رہ گئیں۔ بیٹیاں چار تھیں۔ زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ۔

زینب جوان ہوئیں تو ان کی شادی ابوالعاص سے ہو گئی۔ یہ بی بی خدیجہ کے بھانجے اور ربیع کے بیٹے تھے۔ پھر رقیہ اور ام کلثوم کی شادی عتبہ اور عُتَیبہ سے ہو گئی۔ یہ دونوں ابولہب کے بیٹے تھے۔

آپ کے ساتھ بس فاطمہ رہ گئیں۔ پیاری اور ننھی فاطمہ۔

آپ بیٹوں سے تو محروم ہو گئے لیکن قسمت سے دوسرے دو بچے مل گئے۔ اب وہ دونوں آپ کے بیٹے تھے اور آپ ان کے باپ!

بی بی خدیجہ کے ایک بھتیجے تھے حکیم بن حزام۔ ایک روز بی بی خدیجہ ان سے ملنے گئیں۔ واپس ہوئیں تو ایک غلام بھی ساتھ لائیں۔ غلام بہت خوبصورت تھا۔ ناز و نعمت کا پروردہ تھا۔

''یہ کیسا بچہ ہے خدیجہ؟'' آپؐ نے اس بچے کو دیکھتے ہی سوال کیا۔

خدیجہ: حکیم جو میرے بھتیجے ہیں، شام سے کچھ غلام لائے تھے، ایک مجھ کو بھی دے دیا۔

محمد: بخدا اس کے چہرے پر تو شرافت کی چمک ہے۔ عقل اور ذہانت کے آثار پوری طرح نمایاں ہیں۔

خدیجہ: کہا جاتا ہے، یہ بچہ بہت ہی ناز ونعمت کا پلا ہوا ہے۔ اتفاق سے بنی قین کے ہاتھ لگ گیا۔ انہوں نے اسے لا کر حباشہ کے بازار میں بیچ دیا۔

حِباشہ: عرب کا ایک مشہور بازار تھا۔ جس وقت زید اس بازار میں بیچے گئے، ان کی عمر لگ بھگ ۸ سال تھی۔

آپ نے غلام کو بہت پیار اور محبت سے دیکھا۔ پوچھا'' بیٹے! تمہارا کیا نام ہے؟''

غلام: میرا نام زید ہے۔

محمد: اپنے باپ دادا یا اپنے قبیلے خاندان کا کچھ اتا پتا بتا سکتے ہو؟

غلام: ''میرے والد کا نام حارثہ ہے دادا کا نام شرحبیل ہے پردادا کا نام کعب ہے میری ماں کا نام سعدی ہے۔ وہ ثعلبہ کی بیٹی ہیں اور قبیلہ طیؑ سے ہیں۔''

آپ نے بی بی خدیجہ سے فرمایا: ''کیا اب یہ غلام میرا نہیں ہے؟!''

''ہاں ہاں، کیوں نہیں، میرے چچیرے بھائی! اب یہ آپ ہی کا ہے۔'' خدیجہ نے عادت کے مطابق بڑی محبت سے جواب دیا۔

آپ نے اسی وقت غلام کو آزاد کر دیا اور اپنا بیٹا بنالیا! پھر غلام کے ماں باپ کے پاس اطلاع بھیج دی کہ ان کو اطمینان ہو جائے، اُن کا بیٹا خیریت سے ہے۔

اطلاع پاتے ہی زید کے باپ اور چچا مکے آ گئے۔ انہوں نے آپ سے درخواست کی:

''ہم سے منہ مانگے دام لے لیجیے، بیٹے کو ہمارے ساتھ جانے دیجیے۔''

''اس کے علاوہ کوئی اور شکل بھی تو ہو سکتی ہے!'' آپ نے محبت آمیز لہجے میں ارشاد فرمایا۔

''کوئی اور شکل کیا ہوگی؟!'' وہ کچھ گھبرائے ہوئے سے لگ رہے تھے۔

فرمایا:'' میں اسے ابھی بلاتا ہوں اور اس کی مرضی پر چھوڑتا ہوں، اگر وہ ساتھ جانا پسند کرلے تو آپ لوگ اسے خوشی سے لے جائیں۔ مجھے دام دینے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر وہ یہاں سے جانے کے لیے تیار نہ ہوا تو؟ پھر تو آپ لوگوں کو کچھ سوچنا ہوگا۔

''یہ تو کرم ہی کرم ہے۔ سرتاسر آپ کی عنایت ہے!!'' وہ ایک ساتھ بول پڑے۔

آپ نے زید کو بلایا۔ فرمایا'' دیکھو، یہ دو مہمان آئے ہیں۔ کیا انہیں پہچانتے ہو؟ کیا بتا سکتے ہو یہ کون لوگ ہیں؟''

زید:''ہاں، ہاں، یہ تو میرے باپ اور چچا ہیں۔''

فرمایا:'' تمہاری خوشی پر ہے۔ چاہو تو ان کے ساتھ گھر چلے جاؤ اور دل چاہے تو......'' غلام آپ سے لپٹ گیا۔ بولا:''نہیں، نہیں، میں تو آپ کے ہی ساتھ رہوں گا۔''

زید کا باپ حارثہ غصے سے لال ہوگیا۔ کڑک کر بولا:

''زید! ہوش میں آ اور دماغ صحیح کر! ماں باپ اور قوم و وطن کو چھوڑ کر تو غلامی پر راضی ہوگیا؟!''

زید:''انہوں نے مجھے غلام کب بنایا ہے؟ انہوں نے تو مجھے وہ محبت اور وہ عزت دی ہے، کہ میں انہیں کبھی ایک لمحے کے لیے نہیں چھوڑ سکتا۔''

آپ نے اسی وقت زید کا ہاتھ پکڑا۔ لے کر قریش کے پاس آئے۔ فرمایا:
''آپ سب لوگ گواہ رہیں، یہ آج سے میرا بیٹا ہے۔ یہ میرا وارث ہوگا۔ میں اس کا وارث ہوں گا!''

حارثہ نے یہ منظر دیکھا تو وہ جذبات سے بے قابو ہوگیا۔ خوشی سے وہ رونے لگا۔ اس نے آپ کو احسان مند نگاہوں سے دیکھا۔ اور بیٹے کو آپ کے ہی پاس چھوڑ کر چلا گیا۔

تھوڑے ہی عرصے بعد چچیرے بھائی علی بھی آپ کی پرورش میں آگئے۔ ہاں، وہی ابوطالب کے بیٹے۔ اس طرح زید اور علی دونوں ساتھ رہنے لگے۔ آپ کے سایۂ شفقت میں وہ زندگی کی ساری تلخیاں بھول گئے۔

علی آپ کی پرورش میں کیسے آگئے؟ بات یہ تھی کہ ابوطالب تھے تو کثیر العیال، لیکن مالی لحاظ سے تھے پریشان حال۔ بڑی مصیبتوں سے گزارا کرتے۔ نہ جانے، کن کن دقتوں سے دن کاٹتے۔ اس پر غضب یہ ہوا کہ عرب میں بڑے زور کا قحط پڑا۔ ایسا قحط جو اپنی مثال آپ تھا۔ ابوطالب کا تو پوچھنا ہی کیا؟ بڑے بڑے رئیسوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ اور بڑے بڑے دولت مند کنگال ہو گئے۔

آپ کے ایک چچا عباس تھے۔ یہ بنی ہاشم کے رئیسوں میں تھے۔ آپ نے ان سے کہا: ''کیا حرج ہے ہم دونوں چچا ابوطالب کے دو لڑکوں کو اپنی پرورش میں لے لیں۔ اس سے ان کا کچھ بوجھ ہلکا ہوگا اور پریشانیوں میں کمی ہو جائیگی۔''

عباس نے یہ رائے پسند کی ...... چنانچہ آپ اور وہ، دونوں ابوطالب کے پاس گئے۔ ان کے سامنے اپنی بات رکھی۔

''اللہ تم دونوں کا بھلا کرے! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ ان میں سے جن دو کو چاہو، لے لو۔'' ابوطالب نے فوراً یہ تجویز منظور کر لی۔

عباس نے جعفر کو لے لیا اور آپ نے علی کو۔ اس وقت سے آپ علی کے شفیق باپ بن گئے اور علی آپ کے چہیتے بیٹے۔

۳

عمر مبارک کی چالیسویں بہار شروع ہوگئی!

اب آپؐ پر وہ حقیقت کھلنی شروع ہوگئی، جس کی آرزو میں آپؐ جی رہے تھے۔ جس کی برسوں سے تلاش تھی اور جس کے لیے آپؐ انتہائی بے تاب تھے! سالہا سال کی عبادت اور ریاضت سے روح میں روشنی پھوٹ پڑی۔ دل آئینہ کی طرح چمک اُٹھا۔ باطن یکا یک دمک اٹھا اور آپؐ پر ہدایت کا الہام ہونے لگا۔

آپؐ کو سچے خواب نظر آنے شروع ہوئے۔ اُن سے آپؐ پر حقیقت کھل گئی۔ تاریکی کے وہ پردے تار تار ہو گئے، جنہیں چاک کرنے کے لیے آپؐ بے چین تھے۔ آپ کے سامنے حق و ہدایت کی شاہراہ روشن ہوگئی! آپؐ نے خواب میں دیکھا، دنیا کی رنگینی چار دن کی چاندنی ہے۔ یہاں کی راحتیں اور لذتیں وقتی اور فانی ہیں۔

آپؐ کو اندازہ ہوا، قوم کتنی غلط باتوں میں گرفتار ہے۔ اس کے عقیدوں میں کتنا بگاڑ ہے۔ وہ سیدھی راہ سے کتنی دور ہے۔

آپؐ یہ جان گئے، تنہا اللہ ہی سب کا معبود ہے۔ وہی سب کا الہ ہے۔ وہی سب کا حاکم ہے۔ سارے اختیارات کا مالک وہی ہے۔ اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ سارے انسان اسی کے بندے ہیں۔ زمین و آسمان اسی کے تابع ہیں۔ وہ سب کو اس کے کیے کا بدلہ دے گا۔ ذرہ برابر نیکی ہوگی، وہ بھی سامنے

آئے گی، بدی ہوگی، وہ بھی سامنے آئے گی۔

آپؐ کو برابر سچے خواب دکھائی دینے لگے۔ جو باتیں جاننے کے لیے آپؐ بے چین تھے، جن کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے آپؐ بے قرار تھے، اب وہ سورج، چاند کی طرح روشن ہوگئیں۔ حق بالکل عیاں ہوکر سامنے آگیا۔۔ باطل کی ساری حقیقت آپؐ پر واضح ہوگئی۔ اس سے آپؐ کو بے حد خوشی ہوئی۔ دل گلاب کی طرح کِھل اُٹھا۔ سینہ نورِ ایمان سے دمک اٹھا۔ لیکن ساتھ ہی گھبراہٹ طاری ہوئی۔

آپؐ کو ایک زمانے سے حقیقت کی تلاش تھی۔ اس حقیقت کو پاکر آپؐ کو بے پناہ خوشی ہوئی۔ لیکن اس کا اعلان کرنے پر قوم کا کیا رویہ ہوگا؟ یہ سوچ کر آپؐ گھبرا اُٹھے۔ خوف سے دل لرزنے لگا۔

اللہ نے آپؐ کو ہدایت دی! آپؐ کو وہ راہ سجھائی، جو اس کے نیک بندوں کی راہ ہے لیکن قوم تو گمرہی کے دلدل میں پھنسی ہے۔ اُسے ہدایت کی شاہراہ پر کون لائے گا!! باطل سے اسے بیزار کون کرے گا!! حق کو اس کے دل میں کون اتارے گا!!

جب خواب صبح کی طرح روشن ہوجاتا۔ اس کی تعبیر کھل کر سامنے آجاتی اور نامعلوم باتیں بھی معلوم ہوجاتیں تو آپؐ فکر مند ہوتے۔ اور ذہن میں طرح طرح کے خیالات گونجنے لگتے۔ آپؐ نے خدیجہ کو سارا حال سنایا۔ دل پر جو بیت رہی تھی، وہ بھی بتائی۔ خدیجہ نے ساری باتیں توجہ سے سنیں۔ پھر آپؐ کی ڈھارس بندھائی۔:

''میرے سرتاج! آپ فکر نہ کریں۔ آپ جیسے پر شیطان کہاں راہ پاسکتا ہے؟''

اس سال رمضان آیا تو پھر آپؐ غارِ حراء چلے گئے۔ ہر چیز سے کٹ کر غور

وفکر اور عبادت میں لگ گئے۔ کسی کسی وقت گھر والے بھی آ جاتے۔ وہ آپؐ کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے اور آپؐ کے لیے کچھ کھانا پانی رکھ جاتے۔ غریب، محتاج بھی آتے رہتے اور آپؐ کی سخاوت سے سیراب ہوتے۔

یوں ہی رمضان کے کچھ دن گزر گئے۔ ایک روز آپؐ غار میں آرام کر رہے تھے۔ صبح کا وقت تھا۔ اچانک ایک فرشتہ دکھائی دیا۔ انتہائی حسین وجمیل فرشتہ۔ ہاتھ میں ریشم کا ایک ٹکڑا تھا۔ بولا: اِقْرَأ : پڑھو۔"

آپؐ بہت گھبرائے فرمایا: ما اقرأ: "مجھے پڑھنا نہیں آتا۔"

آپؐ کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ جسم مبارک کو بھینچ رہا ہو۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا: اقرأ: "پڑھو"

فرمایا: مااَقْرَءُ: "مجھے پڑھنا نہیں آتا۔"

آپؐ کو پھر محسوس ہوا جیسے وہ جسم مبارک کو بھینچ رہا ہو۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا: اقرأ: "پڑھو"

آپؐ کو اندیشہ ہوا، وہ پھر جسم مبارک کو بھینچے گا اور اس بار اور زور سے بھینچے گا۔ فرمایا:

کیا پڑھوں؟!" ماذا اقرء؟ فرشتے نے کہا:

اقرأ باسم ربك الذى خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربك الأكرم الذى علم بالقلم علم الانسان مالم يعلم (سورہ علق: ۱-۵)

"پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو خون کی پھٹکی سے۔ پڑھو اور تمہارا مہربان رب ہی ہے، جس نے قلم سے سکھایا۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا، جو اسے معلوم نہ تھا۔"

فرشتے کے بتانے پر آپؐ نے یہ آیتیں پڑھیں۔ پڑھتے ہی یاد ہو گئیں۔

ذہن پر نقش ہو گئیں۔ پھر فرشتہ چلا گیا۔

آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے۔ خوف سے دل بیٹھا جا رہا تھا۔ آپؐ سہمی سہمی نگاہوں سے غار میں ہر طرف دیکھنے لگے۔ حیرانی اور پریشانی کا عالم تھا۔ دل ہی دل میں سوچنے لگے:

ابھی مجھ سے کس نے باتیں کی ہیں؟ کون مجھے پڑھا کر گیا ہے؟!

پھر تیزی سے غار سے باہر آئے۔ اب آپؐ پہاڑ کی گھاٹیوں سے گزرنے لگے۔ پورا جسم کانپ رہا تھا۔ دل میں بار بار خیال آتا، شروع میں جو خواب نظر آئے وہ تو بالکل صحیح نکلے۔ ان سے بہت سی نئی نئی باتیں معلوم ہو گئیں۔ جس چیز کی تلاش تھی، وہ کھل کر سامنے آ گئی لیکن وہ کون تھا، جو ابھی یہاں کھڑا تھا؟! وہ کون تھا، جو پڑھنے کو کہہ رہا تھا؟!

اچانک ایک آواز آئی: ''محمد!''

آپؐ نے گھبرا کر سر اوپر اٹھایا، دیکھا تو وہی فرشتہ آدمی کی صورت میں کھڑا تھا۔ وہ پکار کر کہہ رہا تھا: ''محمد اللہ نے آپ کو رسول بنایا ہے۔ میں آپ کے پاس اس کی وحی لے کر آیا تھا۔ میں جبریل امین ہوں۔ میں وحی کا فرشتہ ہوں۔''

آپؐ کی گھبراہٹ اور بڑھی۔ کبھی دائیں طرف دیکھتے، کبھی بائیں طرف لیکن جدھر دیکھتے، وہی نظر آتا۔ جدھر رخ کرتے، وہی موجود ہوتا۔ آگے بڑھیں یا پیچھے ہٹیں۔ نظریں نیچی کریں یا اوپر اٹھائیں، ہر طرف اور ہر جگہ وہی تھا۔

دیر...... بہت دیر ہو گئی۔ آپؐ یوں ہی کھڑے رہے اور نہ جانے کیا کیا سوچتے رہے۔ ادھر بی بی خدیجہ نے غار میں آپؐ کے پاس آدمی بھیجا۔ آپؐ وہاں نہ ملے۔ رشتہ داروں کے یہاں دکھوایا۔ وہاں بھی نہ تھے۔ یہاں وہاں آدمی دوڑایا لیکن نہ ملنا تھا نہ ملے۔

پھر فرشتہ چلا گیا۔ آپؐ خدیجہ کے پاس آئے، خوف سے لرزتے ہوئے، پسینے میں نہائے ہوئے۔ آتے ہی فرمایا:

''مجھے کچھ اڑھا دو! مجھے کچھ اڑھا دو!''

بی بی خدیجہ نے چادر اُڑھا دی۔ آپؐ کی یہ حالت دیکھ کر وہ گھبرائیں۔ دل میں خیالات اُمنڈنے لگے: کیا آپ کی طبیعت خراب ہوگئی؟ کیا تپ لرزہ ہوگیا؟ کیا کوئی آفت آپڑی؟

جب کچھ سکون ہوا۔ خوف کچھ دور ہوا۔ جسم کی کپکپی میں کمی ہوئی۔ تو حضرت خدیجہ نے پوچھا: آپ تھے کہاں! اور آپ کو کیا ہوا!!

آپؐ نے ان کی طرف دیکھا۔ نظروں سے بڑی بے چارگی ٹپک رہی تھی۔ فرمایا:

''خدیجہ! میں تمہیں کیا بتاؤں مجھے کیا ہوا؟

پھر جو کچھ دیکھا تھا وہ بیان کیا۔ بی بی خدیجہ تھیں بہت ہوشیار۔ یہ باتیں سن کر ذرا نہ گھبرائیں انہوں نے آپؐ کو بہت ہی عزت کی نظروں سے دیکھا۔ چہرے پر یقین واطمینان کی مسکراہٹ تھی۔ انہوں نے آپؐ کو اطمینان دلایا۔ بولیں:

''میرے چچا کے بیٹے! خوش ہوجایئے جو کچھ کر رہے ہیں، کرتے رہیے۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں خدیجہ کی جان ہے جو کچھ آپؐ نے دیکھا ہے اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اگر آپ اس امت کے نبی نہ ہوں گے۔ تو اور کون ہوگا؟! آپ تو سچ بولتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، امانتیں ادا کر دیتے ہیں۔ مجبوروں اور بے کسوں کو سہارا دیتے ہیں۔ غریبوں اور ناداروں کی تواضع کرتے ہیں۔ حق کے کاموں میں مدد کرتے ہیں۔ اللہ آپ کو ضائع کیسے کر سکتا ہے!''

خدیجہ کی ان باتوں سے آپ کی ڈھارس بندھی۔ آپ کی بے چینی دور ہوئی چہرۂ مبارک خوشی سے تمتما اُٹھا۔ آپؐ نے اس دل جوئی پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ پھر

آنکھیں بند کرلیں اور سو گئے۔

بی بی خدیجہ نے آپؐ کی باتوں پر غور کیا تو بے انتہا خوش ہوئیں، لیکن ساتھ ہی کچھ ڈر ہوا۔ کچھ خوف اور اندیشہ ہوا کہ یہ بھی اخلاص و محبت کا تقاضا تھا۔ انہوں نے سوچا چلیں چچیرے بھائی ورقہ کے پاس، کچھ ان سے پوچھیں۔ شاید وہ کچھ بتائیں۔

یہ وَرَقہ نوفل کے بیٹے تھے۔ انتہائی حکیم اور دانا تھے۔ مختلف مذاہب کو انہوں نے پڑھا تھا۔ بڑی باریک بینی سے ہر ایک کا جائزہ لیا تھا۔ پہلے یہودیت کی طرف میلان ہوا۔ پھر عیسائیت کو اختیار کیا۔ انجیل پر گہری نظر تھی۔ عربی میں اس کا ترجمہ بھی کرتے تھے۔ خدیجہ آئیں۔ ان کو سارا ماجرا سنایا۔ آپؐ پر جو کچھ بیتی تھی، سب کہہ سنایا۔ سب کچھ سن کر وہ بولے:

''پاک ہے، پاک ہے...... قسم ہے اُس ذات کی جس کی مٹھی میں ورقہ کی جان ہے۔ خدیجہ! اگر تمہاری بات صحیح ہے تو یہ وہی ناموس (رازدار) ہے جو موسیٰؑ کے پاس آتا تھا۔ بخدا محمد اس امت کے نبی ہوں گے ان سے کہو، ڈریں نہیں، جو کچھ کر رہے ہیں، کرتے رہیں۔''

بی بی خدیجہ لوٹ کر آئیں۔ آپؐ کو خوش خبری سنائی:

'مبارک ہو، میرے سرتاج! مبارک ہو! آپ کے رب نے آپ کو کیسی عزت دی ہے! آپ کا رتبہ کتنا بلند کیا ہے!

پھر چچیرے بھائی ورقہ سے جو باتیں ہوئی تھیں سب بیان کیں۔ آخر میں کہا: ''وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' پھر اسی دم وہ ایمان لے آئیں۔

آپؐ کعبے کا طواف کرنے چلے راستے میں ورقہ مل گئے۔ دیکھتے ہی بولے:

''میرے پیارے بھتیجے! ذرا مجھے بھی سناؤ تو! تم نے کیا کیا دیکھا؟''

آپؐ نے شروع سے آخر تک ساری داستان سنا دی۔ پوری داستان سن کے

ورقہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم نے جو کچھ دیکھا اور سنا ہے اس سے صاف ظاہر ہے، اللہ نے تمہیں منصب رسالت کے لیے چن لیا ہے۔ بلاشبہ یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ کے پاس آتا تھا۔ بھتیجے! تم نبی ہونے کا اعلان کرو گے تو لوگ جھٹلائیں گے۔ ہر طرح ستائیں گے، گھر سے بے گھر کر دیں گے، جنگ کرنے سے بھی نہ چوکیں گے، کاش اس وقت میں زندہ رہتا!''

محمد: ''تو کیا میری قوم کے لوگ مجھے گھر سے بے گھر کر دیں گے؟''

ورقہ: ''ہاں، یقیناً ایسا ہوگا، جب بھی کوئی نبی آیا، قوم نے یہی سلوک کیا۔ اگر وہ دن دیکھنے نصیب ہوئے تو میں تمہاری ایسی مدد کروں گا کہ اللہ ہی جانتا ہے۔''

پھر سر مبارک کی طرف بڑھے اور بہت ہی شفقت سے بوسہ دیا۔

پیارے نبیؐ لوٹ کے آئے تو بہت فکرمند اور اداس تھے۔ بار بار سوچتے: اگر میرے کمزور کاندھوں پر نبوت کا بار آپڑا ہے تو اس کا انجام کیا ہوگا؟

میں لوگوں کو کیسے بلاؤں؟ سیدھی راہ کیسے سجھاؤں؟ یہ لوگ تو بھٹک رہے ہیں حق سے بدک رہے ہیں۔ خدا سے بیزار ہیں، بتوں کے پرستار ہیں، بدی کے علمبردار ہیں، نیکی سے برسرِ پیکار ہیں۔ پھر...... غضب ہے...... اس پر انہیں ناز بھی ہے۔

غرض دل میں خیالات کا ایک طوفان اُٹھا اور آپؐ وحی کا انتظار کرنے لگے۔

۴

اب فرشتے کا انتظار تھا۔

اسی فرشتے کا جسے آپؐ نے دیکھا تھا۔

جسے ورقہ نے ناموسِ موسیٰ کہا تھا۔
اور جس کے آنے پر خدیجہؓ نے آپؐ کو مبارک باد دی تھی۔
انتظار کرتے رہے۔ کرتے رہے۔ کرتے رہے۔ لیکن جبریل نہ آئے۔
آپؐ پر کوئی وحی نہ ہوئی۔

دل میں پھر ایک طوفان اُٹھا۔ ''اس وقت میں کیا کروں؟! لوگوں کو کس طرح دعوت دوں؟! یہ سمجھانے کے لیے جبریل کیوں نہ آئے؟ جبریل نے ملنا کیوں چھوڑ دیا؟ جبریل پھر کوئی پیغام کیوں نہ لائے؟!'' آپؐ بہت فکر مند ہوئے۔ دمکتا ہوا چہرہ بجھ گیا۔ ہنستا ہوا دل رونے لگا۔

بی بی خدیجہ کا بھی کچھ یہی حال تھا۔ وہ بھی آپؐ کی طرح بہت فکر مند ہوئیں رات و دن غم میں گھلنے لگیں لیکن ضبط سے کام لیا۔ دل کا غم چہرے پر نہ آنے دیا۔ جہاں تک ہوسکا تسلی دی جس طرح ہوسکا آپؐ کا دل بہلایا۔

آپؐ پھر غارِ حرا جانے لگے۔ دن رات وہیں رہتے۔ عبادت کرتے اور اپنے رب سے کہتے:

''اے میرے رب! تو نے تو مجھے نبی بنایا تھا، پھر یہ کیا ہوگیا؟ تو نے مجھے چھوڑ کیوں دیا؟!

غم سے سینہ جل رہا تھا۔ اک آگ تھی، جو سلگ رہی تھی۔ ایک شعلہ تھا جو دہک رہا تھا۔ کبھی بے خود ہوکر آپؐ گھاٹیوں میں پھرنے لگتے۔ کبھی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے اور چاہتے، کود کر جان دے دیں!! اتنے میں حضرت جبریلؑ آجاتے آپؐ کو اطمینان دلاتے: ''محمد! آپ سچ مچ اللہ کے نبی ہیں۔'' اس سے آپؐ کو سکون ہوجاتا تا آپؐ واپس چلے جاتے۔

کچھ دنوں بعد پھر وہی کیفیت ہوتی اور پھر پہاڑی پر چڑھ جاتے کہ کود کر

جان دے دیں!! حضرت جبریل علیہ السلام پھر سامنے آتے اور اسی طرح اطمینان دلاتے۔ آپؐ واپس چلے جاتے۔

آپؐ کے دل پہ کیسی چوٹ تھی!! روح میں کتنی چبھن تھی!! ذہن پر کتنا بوجھ تھا!! وحی کا رک جانا کتنا بڑا عذاب تھا!! ''شاید رب نے مجھے چھوڑ دیا!'' یہ خیال ایک چبھتا ہوا نشتر تھا۔!!

ایک دن آپؐ کہیں سے گزر رہے تھے۔ یکایک آسمان سے آواز آئی۔ سر اُٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں آیا تھا، فضا میں ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔

فرشتے کو دیکھتے ہی آپؐ ہلنے لگے۔ کانپنے اور لرزنے لگے۔ پہلی بار بھی آپؐ کا جسم کانپ رہا تھا۔ ہوا کے پتوں کی طرح ہل رہا تھا۔ کیا یہ کانپنا اسی طرح کا تھا؟ کیا یہ ہلنا اُسی جیسا تھا؟ خوف اور گھبراہٹ کا؟ رعب اور دہشت کا؟ نہیں، اس میں مسرت کی حلاوت تھی۔ خوشی اور اطمینان کی ٹھنڈک تھی۔ آپؐ اسی حال میں گھر آئے۔ فرمایا: ''مجھے کچھ اڑھادو مجھے کچھ اُڑھادو۔'' آپؐ پہ ایک چادر ڈال دی گئی کہ اتنے میں وہی فرشتہ وحی لے کر آ گیا:

یآیھا المدثر قم فانذر وربك فکبر وثیابك فطھر والرجز فاھجر (سورہ مدثر: ۱-۵)

اے کپڑے میں لپٹنے والے! اُٹھو، لوگوں کو ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو، اور اپنا دل پاک رکھو۔ شرک کی ناپاکی سے الگ رہو۔

اب کلیجے کو ٹھنڈک نصیب ہوگئی۔ ذہن کو سکون مل گیا طبیعت کو اطمینان ہوگیا۔ سب اندیشے دور ہوگئے۔ سارے خطرے جاتے رہے۔ رہیں خدیجہؓ تو نہ پوچھو، ان کا کیا حال تھا۔ دل گلاب تھا اور چہرہ چمکتا ہوا شہاب کیونکہ ان کی تمنا پوری ہوگئی۔ ان کی آرزو بر آئی۔ وحی کا انتظار تھا۔ وحی پھر آ گئی۔

اس کے بعد کئی بار وحی آئی۔ حضرت جبریل علیہ السلام آتے رہے۔ رب کا پیغام سناتے رہے لیکن خدا کا کرنا، کچھ دنوں بعد پھر وحی رک گئی۔ دعوت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ کافروں کی طرف سے مخالفت بھی ہو رہی تھی۔ مخالفت کے لیے تنکے کا سہارا کافی تھا۔ وحی کا رک جانا تو خیر بہت بڑی بات تھی۔ انہوں نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا۔ بولے:

''یہ تو خوب بنی ہیں! دو چار دن آسمان سے بات چیت رہی۔ جبریل کا آنا جانا رہا اور پھر غائب! کلام پیام سب بند! تو بھائی محمد! معلوم ہوتا ہے، تمہارا رب تم سے روٹھ گیا۔ اسی لیے اتنے دنوں سے منہ نہیں لگایا۔''

وحی کا رک جانا تو آپؐ پر یوں ہی بار ہوتا اور پھر کافروں کا طعنہ، طبع نازک پر تیر کا کام کرتا۔ آپؐ سخت بے چین ہوئے۔ لیکن زیادہ دن نہ ہوئے کہ حضرت جبریل پھر وحی لے کر آ گئے:

والضحیٰ والليل اذا سجیٰ ماودعك ربك وما قلیٰ وللآخرة خير لك من الأولى ولسوف يعطيك ربك فترضیٰ الم يجدك يتيما فاویٰ ووجدك ضآلا فهدى ووجدك عآئلا فأغنى فأما اليتيم فلاتقهر وأما السآئل فلاتنهر وأما بنعمة ربك فحدث (سورہ ضحیٰ)

''گواہ ہے سورج کی روشنی اور رات کی تاریکی جب وہ چھا جائے۔ آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا ہے نہ آپ سے ناخوش ہے اور آپ کے لیے انجام ابتدا سے بہتر ہے جلد ہی آپ کا رب آپ کو دے گا اور آپ خوش ہو جائیں گے۔ کیا ایسا نہیں کہ اس نے آپ کو یتیم پایا تو ٹھکانا دیا بے خبر پایا تو سیدھی راہ سجھائی اور محتاج پایا تو مالدار کر دیا۔ تو آپ کسی یتیم کے ساتھ سختی نہ کریں نہ کسی سائل کو جھڑکیں اور اپنے رب کی اس نعمت کا چرچا کرتے رہیں۔''

اللہ! اللہ!! خدا آپؐ سے ناراض نہیں ہوا۔ ناخوش ہوکر چھوڑ نہیں دیا۔ بلکہ رحمتوں سے ڈھانپ لیا۔ نعمتوں سے نہال کر دیا۔

اب وحی برابر آنے لگی۔ آپؐ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آتے۔ آپؐ کو اللہ کی آیتیں سناتے اور بتاتے کیا کریں؟ کس طرح کریں؟

حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا، کس طرح وضو کریں؟ کس طرح نماز پڑھیں؟ ایک دن آپؐ مکہ کے بالائی علاقہ میں تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام آئے۔ آپؐ کے سامنے وضو کیا اور بتایا، جب نماز پڑھنی ہو تو اس طرح پاک ہوں۔ آپؐ نے بھی اسی طرح وضو کیا۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام کھڑے ہوئے۔ آپؐ کو نماز پڑھ کر دکھائی۔ آپؐ نے بھی انہی کی طرح نماز پڑھی۔ اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام چلے گئے۔

آپؐ خدیجہؓ کے پاس آئے۔ اُن کے سامنے وضو کیا۔ پھر فرمایا: ''نماز پڑھنے کے لیے پاک ہونے کا یہی طریقہ ہے۔'' بی بی خدیجہؓ نے بھی اسی طرح وضو کیا۔ پھر آپؐ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ بی بی خدیجہؓ نے بھی آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔

۵

علی آپؐ کے ہی زیرِ پرورش تھے۔ آپؐ کے ہی ساتھ رہتے تھے۔ انہوں نے آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ بی بی خدیجہؓ کو بھی دیکھا۔ انہوں نے دیکھا۔ آپؐ دونوں رکوع اور سجدے کر رہے ہیں۔ پیاری پیاری آیتیں پڑھ رہے ہیں۔ ان آیتوں میں اچھی اچھی باتیں ہیں۔ پیاری پیاری باتیں ہیں۔

علی تعجب سے یہ سب دیکھتے رہے۔ ان کو پیارے نبیؐ سے بہت محبت تھی۔ آپؐ کی ہر ادا محبوب تھی۔ آپؐ کی ہر بات انہیں جان و دل سے عزیز تھی۔ وہ آپؐ کو ہی دیکھ کر ہر کام کرتے۔ آپؐ جو کہتے، بے تکلف مان لیتے۔

''لیکن آج تو میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ اور کبھی تو آپؐ اس طرح سجدے نہ کرتے تھے۔ اتنی پیاری پیاری آیتیں بھی میں نے آج ہی سنیں۔'' علی گہری سوچ میں پڑ گئے۔ آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا:

''بھائی جان! یہ کیا ہے؟!''

حضورؐ: ''یہ اللہ کا دین ہے۔ اسی دین پر چلنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اللہ کے جتنے رسول آئے سب یہی دین لے کر آئے۔''

علی کو بہت تعجب ہوا۔ انہوں نے پوچھا: ''اچھا، یہ رکوع اور سجدے کیسے؟''

حضورؐ: ''اللہ نے مجھے نبی بنایا ہے۔ مجھ پر اپنا کلام اتارا ہے تاکہ لوگوں کو اچھی اچھی باتیں بتاؤں۔ لوگ بھٹک رہے ہیں۔ اُن کو سیدھی راہ دکھاؤں۔ ان کو اللہ کی عبادت پر اُبھاروں۔ یہ رکوع اور سجدے ہم اسی اللہ کو کرتے ہیں۔''

علی: ''یہ تو بڑی اچھی چیز ہے۔ تو کیا جس پر آپ ایمان لائے ہیں میں بھی لا سکتا ہوں؟ کیا آپ کی طرح میں بھی عبادت کر سکتا ہوں؟! کیا آپ کے ساتھ میں بھی نماز پڑھ سکتا ہوں؟!''

حضورؐ: ''ہاں، پیارے بھائی! اللہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی عبادت کے لائق ہے۔ تم بھی اسی کی عبادت کرو۔ لات و عزیٰ کو چھوڑ دو۔ جتنے بت ہیں، سب کو چھوڑ دو۔''

علی: ''اچھا، ذرا میں ابا جان سے پوچھ لوں۔''

رات بھر علی کو نیند نہ آئی۔ وہ جاگتے رہے۔ آپؐ سے جو کچھ سنا تھا۔ جو کچھ

کرتے دیکھا تھا سب پر غور کرتے رہے۔ صبح ہوئی تو بولے:

''میں آپ پر ایمان لاتا ہوں۔ آپ کی پیروی کا عہد کرتا ہوں۔ مجھے ابا جان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ بتایئے اب میں کس طرح رکوع کروں؟ کس طرح سجدے کروں؟ اور کس طرح اللہ کا کلام پڑھوں؟''

آپؐ نے انہیں نماز سکھادی۔ جو آیتیں نازل ہو چکی تھیں، وہ بھی یاد کرادیں۔ اب جب بھی آپؐ نماز پڑھتے، علیؓ آپؐ کے ساتھ ہوتے۔

علیؓ اور زید ایک ساتھ ہی رہتے۔ بھلا وہ علیؓ سے پیچھے رہنے والے کب تھے۔ وہ بھی ایمان لے آئے اور شوق سے دین کی باتیں سیکھنے لگے۔

اس طرح سب سے پہلے بی بی خدیجہؓ اسلام لائیں۔ پھر علیؓ اور زیدؓ اسلام لائے اور مرتے دم تک آپؐ سے چمٹے رہے۔

ان کا آپؐ کا جب سے ساتھ ہوا۔ انہوں نے آپؐ کو بہت بڑا انسان پایا۔ آپؐ کو حد درجہ شریف اور نیک دل پایا۔ اور نہ جانے کیا کیا پایا۔ یہی وجہ ہے ان کو آپؐ سے بے پناہ محبت ہوگئی۔ آپؐ کی رفاقت ان کے لیے آرامِ جاں بن گئی۔ یوں سمجھنا چاہیے، وہ دونوں اسلام کی دعوت ملنے سے پہلے ہی اسلام لا چکے تھے۔

اس کے بعد ابوبکرؓ ایمان لائے۔ یہ ابو قحافہ تیمی کے بیٹے تھے اور آپؐ کے گہرے دوست۔ آپؐ کی سچائی اور پاکبازی سے بہت متاثر تھے۔ اسی لیے بہت محبت کرتے۔ بے انتہا ادب و احترام کرتے اور آپؐ کی صحبت کو غیر معمولی نعمت سمجھتے۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ آپؐ بھی ان سے بڑی محبت کرتے بہت ہی پیار و اخلاص سے ملتے۔ آپؐ نے جوں ہی اسلام کی دعوت دی۔ قرآن کی چند آیتیں سنائیں، انہوں نے آبائی دین کو دونوں ہاتھوں سے سلام کیا اور کلمہ پڑھ کر اسلام میں آگئے۔

آپؐ نے اسلام کی دعوت دی اور دین کی خوبیاں بیان کیں تو ان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے، جو اخلاص وعقیدت میں ڈوبے ہوئے تھے۔

صدقت بابی انت و امی و اهل الصدق انت ، انا اشهد ان لا اله الاالله و انك رسول الله (صلى الله عليه وسلم)

''میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ نے سچ فرمایا اور سچ بولنا آپ کا کام میں گواہی دیتا ہوں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

بی بی خدیجہؓ نے یہ باتیں سنیں تو مارے خوشی کے ان سے رہا نہ گیا۔ فوراً سر پر نقاب ڈالی اور سامنے آ کر مبارک باد دی:

ابو قحافہ کے بیٹے! واقعی آپ بڑے خوش نصیب ہیں! دونوں جہان کی دولت آپ نے سمیٹ لی۔ اس پر مجھے کتنی خوشی ہے، یہ میرے لیے نا قابل بیان ہے۔

ابوبکرؓ اسلام لائے تو آپؐ کو بڑا سہارا ملا آپ کا حوصلہ کافی بلند ہو گیا۔ اور کام کے لیے میدان خاصا ہموار ہو گیا۔

حضرت ابوبکرؓ بہت رحم دل اور نرم مزاج تھے۔ ساری قوم ان کی عزت کرتی چھوٹے بڑے سب احترام کرتے۔ وہ قریش کے بہت اونچے گھرانے سے تھے۔ ان کے بھلے برے سب ان کی نگاہ میں تھے۔ تجارت ان کا پیشہ تھا۔ اس میں بڑی برکت ہوئی۔ اللہ نے خوب دولت دی۔ دولت کے ساتھ دل بھی دیا۔ مال آتا رہتا، دل کھول کر خرچ کرتے رہتے۔ سوجھ بوجھ اور دانائی بلا کی تھی۔ مشکل سے مشکل بات چٹکی بجاتے حل کر دیتے۔ ہر معاملے میں لوگ ان سے مشورہ کرتے۔ یوں بھی ان کے پاس آ کر بیٹھا کرتے۔ ان میں کچھ ایسی باتیں تھیں، جو دلوں کو موہ لیتیں۔

اب ابوبکرؓ بھی اسلام پھیلانے لگے۔ جو لوگ ان کی سوجھ بوجھ اور ایمان

داری سے متاثر تھے ان کو دین کی باتیں بتاتے اور اسلام لانے کی دعوت دیتے۔ بہتوں نے ان کی بات مان لی اور اسلام لے آئے۔ جو لوگ پہلے اسلام لائے وہ یہ ہیں: عثمانؓ بن عفان، زبیرؓ بن عوام، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص اور طلحہؓ بن عبیداللہ یہ سارے لوگ حضرت ابوبکرؓ سے متاثر ہو کر اسلام لائے۔

پھر جرّاح کے بیٹے ابوعبیدہؓ اور ابوارقمؓ کے بیٹے ارقم اسلام لائے۔ پھر بہت سے لوگ اسلام لائے۔ مرد بھی، عورتیں بھی جو عورتیں اسلام لائیں، ان میں پیارے نبیؐ اور حضرت ابوبکرؓ کی بیٹیاں بھی شامل تھیں۔

⑥

اسلام رفتہ رفتہ پھیلتا رہا۔ لوگ مسلمان ہوتے۔ لیکن کھلّم کھلّا اسلام کا اعلان نہ کرتے۔ ابھی آپؐ نے بھی کھل کر کام نہیں شروع کیا تھا۔ ابھی کھل کر لوگوں کو اسلام کی دعوت نہیں دی تھی۔ جو مسلمان تھے وہ بھی اپنے اسلام کو چھپاتے اور اندر ہی اندر دین کی تبلیغ کرتے۔ جن لوگوں میں ایمان داری کی بو پاتے اور کچھ حق کی طلب محسوس کرتے، ان کو دین کی دعوت دیتے۔ قریشی سرداروں کی نظروں سے بہت بچ بچ کر رہتے۔ قرآن کی تلاوت کرنی ہوتی یا آیتیں یاد کرنی کرانی ہوتیں تو بستی کے باہر نکل جاتے۔ نماز کا وقت ہوتا تو چھپ چھپا کر غاروں میں چلے جاتے۔ وہاں اطمینان سے نماز ادا کرتے۔ اور پرانے مسلمان نئے مسلمانوں کو سورتیں یاد کراتے۔ دین کی باتیں بتاتے۔ کسی طرح کافروں کو کچھ سن گن مل گئی۔ اب سارا بھید جاننے کی فکر ہوئی۔ وہ مسلمانوں کی ٹوہ میں لگ گئے۔ چنانچہ بہت جلد ساری باتیں معلوم ہو گئیں۔ وہ جان گئے مسلمان

غاروں میں جا کر نمازیں پڑھتے ہیں اور باہم کوئی نیا دین سیکھتے سکھاتے ہیں۔

انہیں معلوم ہو گیا، آپؐ توحید کی دعوت دیتے ہیں۔ شرک و بت پرستی سے روکتے ہیں۔ بتوں کی دنیا میں توحید کی آواز!! کتنی عجیب آواز تھی!!

کیا محمد.........ابوطالب کا یتیم نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے؟ کیا وہ سب کو اپنے دین سے پھر جانے پہ اُبھارتا ہے؟ کیا وہ دیوتاؤں سے بے وفائی پر اکساتا ہے؟!!

قومی دین سے بغاوت!! آبائی دین سے عداوت!! کیا محمد کی یہ ہمت ہوگئی؟

ہر سو ایک ہل چل مچ گئی۔ ہر طرف ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ جسے دیکھیے غصے سے بے تاب تھا!

کسی نے تو کہا: ''محمد پر جن کا اثر ہے اور کوئی بات نہیں۔''

کسی نے کہا: ''اس کو نام و نمود کی ہوس ہے۔ ایک نشہ ہے، جس کو زمانہ خود ہی اُتار دے گا۔ ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔'' یہ سوچ کر آپؐ کو لائق التفات ہی نہ سمجھا۔

کچھ ایسے بھی تھے، جو اس نئے دین کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کو خیال ہوا، چلیں، اس دین کو بھی جانچیں، پرکھیں، دیکھیں اس میں کیا ہے؟ ہوسکتا ہے کوئی کام کی چیز مل جائے۔ نقصان تو ہوگا نہیں۔ ہوگا تو فائدہ ہی ہوگا۔ یہ سوچ کر وہ جائزہ لیتے۔ اس میں ان کو اچھائیاں ہی اچھائیاں نظر آتیں۔ بالآخر وہ اسلام لے آتے۔

ابوطالب کے بھی دل میں آیا، چلیں، بھتیجے سے ملیں، دیکھیں، اس نے کیسا دین نکالا ہے!

ایک دن ابوطالب اسی ارادے سے گھر سے نکلے۔ ساتھ میں علیؓ کے بھائی جعفر بھی تھے۔ آئے تو دیکھا، آپؐ ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ ساتھ میں لختِ جگر علیؓ بھی ہیں۔ دونوں آبادی سے بہت دور آ کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

کیوں؟ ان کے اور ان کے ساتھیوں کے ڈر سے۔ آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو ابو طالب بولے:

"بھتیجے! تم نے یہ کیسا دین اپنایا ہے؟!"

حضورؐ: چچا! یہ اللہ کا دین ہے۔ اس کے فرشتوں کا دین ہے۔ یہی سارے نبیوں اور رسولوں کا دین ہے۔ دادا ابراہیم علیہ السلام کا بھی یہی دین ہے۔ اللہ نے یہ دین دے کر مجھے دنیا کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔

چچا جان! آپ کا مجھ پر سب سے زیادہ حق ہے۔ میری خیر خواہی کے آپ سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ آپ کے ساتھ میری سب سے بڑی خیر خواہی یہی ہے کہ آپ کو اس دین کی دعوت دوں۔ آپ کو بھی چاہیے، میری اس خواہش کو ٹھکرائیں نہیں۔"

ابو طالب: "بھتیجے! باپ دادا کا دین چھوڑنا ممکن نہیں۔ البتہ میری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں، جب تک جان میں جان ہے، کوئی تمہارا بال بیکا نہ کر سکے گا۔"

پھر علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے۔ بولے:

"بیٹے! اس دین میں آ تو گئے لیکن اسے سمجھتے بھی ہو؟"

علیؓ: "ابا جان! میں خدا اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں، اس کو مانتا ہوں۔ رب کو خوش کرنے کے لیے نمازیں بھی پڑھتا ہوں۔"

ابو طالب: "بیٹے! محمد بھلی ہی باتیں بتاتے ہیں۔ وہ جیسا کہیں، ویسا ہی کرنا۔"

پھر جعفر سے کہا: "بیٹے! تم بھی بھائی کے ساتھ نمازیں پڑھا کرو۔"

ابو طالب خود تو اسلام نہیں لائے۔ مگر بیٹوں کے لیے اسلام ہی کو پسند کیا! اس کا کیا سبب تھا؟

قریش کے ساتھ ان کا کیا انداز رہا؟ پیارے نبیؐ کے ساتھ کیا برتاؤ رہا؟ یہ

باتیں سامنے آ جائیں، تبھی اس کا کوئی سبب سمجھا جا سکے گا۔

نمازی جب نماز پڑھتے تو قریش ان کا مذاق اڑاتے۔ وہ رکوع کرتے تو یہ قہقہہ لگاتے وہ سجدے کرتے تو یہ جملے چست کرتے۔ روز بروز یہ چیز بڑھتی ہی گئی۔ دشمنوں نے اسے ایک ہنسی دل لگی کا سامان بنالیا۔ مسلمان مکے کی گھاٹیوں میں عصر اور چاشت کی نمازیں پڑھا کرتے۔ یہ بھی وہیں پہنچ جاتے۔ کچھ آنکھیں مارتے، کچھ اشارے کرتے، اور پھر زور کے قہقہے لگاتے!!

اتفاق سے ایک دن مسلمانوں کو غصہ آ گیا۔ جوش سے بے قابو ہو گئے۔ پھر فریقین کی آستینیں چڑھ گئیں۔ اور جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے ایک مشرک کو ایسا مارا کہ اس کی کھوپڑی پھٹ گئی۔ اور خون کے فوارے جاری ہو گئے۔

جتنا ہو سکتا، پیارے نبیؐ مشرکوں سے بچ بچا کے رہتے۔ تاکہ مسلمان ان کی زیادتیوں سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ قرآن سنانا ہوتا یا کوئی نئی وحی ہوتی تو سب کو دارِ ارقم میں لے کر چلے جاتے۔ یہ حضرت ارقمؓ کا گھر تھا، صفا پہاڑی پر واقع تھا۔

آپؐ کو نبی ہوئے تین سال ہو گئے۔ ہر ایک جان گیا، آپؐ ایک نئے دین کی دعوت دیتے ہیں۔ سب کو معلوم ہو گیا، آپؐ زور پکڑ رہے ہیں۔ اور ساتھی کافی بڑھ رہے ہیں۔ اب اللہ کا حکم ہوا، آپؐ کھلم کھلا دعوت دیں۔ جو کام چھپ کر کرتے تھے اب علانیہ کریں۔

فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشركين

آپ کو جو حکم دیا جائے، اس کا برملا اعلان کریں اور مشرکوں کی پروا نہ کریں

☆-----☆-----☆

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

(۴)

پہلی پکار

وانذر عشيرتك الاقربين واخفض جناحك لمن اتبعك من المؤمنين فان عصوك فقل انى برئ مما تعملون وتوكل على العزيز الرحيم الذى يراك حين تقوم وتقلبك فى السٰجدين انه هو السميع العليم.

اپنے قریبی رشتے داروں کو انذار کرو۔ اور جو مؤمنین تمہاری پیروی کررہے ہیں، ان کے لیے اپنے شانے جھکائے رکھو۔ اب اگر یہ لوگ تمہاری باتیں نہ مانیں تو کہو، میں بری ہوں تمہارے کرتوتوں سے۔ اور توکل کرو اس ذات پر جو زبردست ہے اور انتہائی مہربان ہے۔ جو تمہیں دیکھتا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو۔ اور دیکھتا ہے سجدہ گزاروں کے درمیان تمہاری سرگرمیوں کو، بے شک وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

۱

نبوت کو تین سال ہو گئے۔ اتنے دنوں پیارے نبیؐ انفرادی دعوت دیتے رہے۔ پھر اللہ کا حکم ہوا، آپؐ کسی سے ڈریں نہیں، کھل کر دین کی تبلیغ کریں۔ اور نڈر ہو کر رب کا پیغام سنائیں۔ یہ کام پہلے بھائی بندوں سے شروع کریں۔ اگر کچھ نادان نہ مانیں۔ تو اس کی پروا نہ کریں۔

آپؐ نے ایسا ہی کیا۔ باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ ہر وقت گھر میں ہی رہتے۔ سوچا کرتے کیا کریں؟ خاندان والوں کو کس طرح سمجھائیں؟

یہ بات ایسی نہ تھی جو چھپی رہتی۔ چند ہی دنوں میں سارے عزیزوں، رشتہ داروں میں پھیل گئی۔ ہر طرف چرچا ہو گیا۔ پھوپھیوں نے سنا تو گھبرائیں، کہیں محمدؐ بیمار تو نہیں پڑ گئے۔ کہیں کسی پریشانی میں تو نہیں گھر گئے۔ وہ سب آپؐ کے پاس آئیں۔ بولیں:

''پیارے محمد! کیا حال ہے؟ خیریت تو ہے؟ گھر سے نکلنا کیوں چھوڑ دیا؟''

آپ نے فرمایا:

''دیکھو پھوپھی جان! ایک طرف تو ہمارے بھائی بند خدا کو مانتے ہیں،

دوسری طرف بتوں کو بھی پوجتے ہیں۔ کیا اس طرح وہ خدا کو راضی کرلیں گے؟ یہ تو تباہی کے لچھن ہیں۔ خدا کا حکم ہے میں انہیں ہوشیار کروں۔ ان سے کہوں، اپنی حرکتیں چھوڑ دیں۔ سوچتا رہتا ہوں کیا کروں؟ دل میں آتا ہے سب کو کھانے پر بلاؤں۔ پھر انہیں اللہ کی نافرمانی سے ڈراؤں۔''

''کیا حرج ہے؟! کرڈالو دعوت۔ لیکن دیکھو، چچا ابولہب کو مت بلانا۔ وہ مرتے دم تک تمہاری باتیں نہیں سنے گا''۔ پھوپھیوں نے نصیحت کی۔

آپؐ نے چٹ پٹ کھانے کا انتظام کیا۔ تمام رشتہ داروں کو کھانے پر بلایا۔ اوروں کے ساتھ ابولہب کو بھی بلایا حالانکہ پھوپھیوں نے منع کیا تھا۔ خود آپؐ بھی جانتے تھے، وہ آپؐ کا سخت دشمن ہے۔ ہر ہر بات سے جلتا ہے۔ مخالفت کے لیے ہر آن تیار رہتا ہے۔

دعوت میں بہت سے لوگ آئے۔ سب کھانے میں شریک ہوئے۔ ان میں آپؐ کے چچا بھی تھے۔ چچیرے بھائی بھی تھے اور سبھی رشتہ دار تھے۔ آپؐ سوچ رہے تھے، لوگ کھا پی چکیں تو اپنی بات کہیں اور سب کو دین کی دعوت دیں۔

ابولہب نے سوچا، یہ تو بڑا اچھا موقع ہے۔ لاؤ محمد کو گھیریں۔ اس نے جو باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے۔ اور اک نیا دین نکالا ہے۔ اس پر کچھ ڈرائیں، دھمکائیں۔ قسمت سے عزیزوں میں سارے لوگ بھی موجود ہیں۔ خوب بات بنے گی۔ یہ سوچ کر وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔ بولا:

''محمد! یہ تمہارے چچا ہیں اور یہ چچیرے بھائی۔ دیکھو، تم وہی راگ الاپو جو ان کو بھلا لگے۔ یہ جو کچھ دنوں سے تمہارا سر پھر گیا ہے۔ کہتے ہو، باپ، دادا کا دین غلط ہے اور اس سے ہٹ کر ایک نیا دین نکالا ہے تو دیکھو، ان حرکتوں سے باز آجاؤ۔ اس طرح کی باتیں اچھی نہیں۔ تم تو اپنے بھائیوں پر ایسی مصیبت

لائے ہو کہ خدا کی پناہ۔

ہاں، یہ بھی یاد رہے، سارے عرب کے مقابلے میں تمہاری قوم کچھ بھی نہیں۔اب اگر اپنی حرکتیں نہیں چھوڑتے تو بھائیوں کو حق ہوگا تمہیں پکڑ کر قید میں ڈال دیں۔ یہ ان کو گوارا ہے۔ پر یہ بات گوارا نہیں کہ قریش تم پر پل پڑیں۔اور سارا عرب بھی انہی کا ساتھ دے۔"

پیارے نبیؐ نے چاہا، کچھ بولیں، لوگوں کو رب کا پیغام سنائیں، ان کو اللہ کی نافرمانی سے ڈرائیں اور بتائیں، ان میں کیا کیا برائیاں ہیں اور ان برائیوں کا کیا انجام ہونے والا ہے۔لیکن ابولہب نے موقع ہی نہ دیا۔لوگوں کو بھڑکاتے ہوئے پھر بولا:

"یہ تو بخدا بہت بری بات ہے۔تم لوگ ابھی سے اس کا ہاتھ پکڑلو۔اس کا انتظار کیوں ہے کہ دوسرے پکڑیں؟ اس وقت تو بڑی زحمت یں پڑ جاؤ گے۔اگر حوالہ کر دو گے تو ذلیل ہو گے۔ ہمیشہ کے لیے بدنام ہو گے اور حمایت کرو گے تو مارے جاؤ گے۔"

آپؐ کی ایک پھوپھی تھیں صفیہؓ ۔وہ بھی موجود تھیں۔ یہ باتیں سن کر بھڑک اٹھیں۔بولیں:

"میرے بھائی! تیرے دیدے کا پانی کہاں مر گیا؟! بھتیجے کی مخالفت میں اس طرح اندھا ہو رہا ہے؟ خدا کی قسم جاننے والے تو ایک زمانے سے کہتے آرہے ہیں، آلِ مطلب میں ایک نبی ہوگا۔سن لے، وہ نبی یہی ہے!"

ابولہب: (بہت زور کا قہقہہ لگاتے ہوئے)

"تمہارا کیا بڑی بی؟! ہاتھوں میں چوڑیاں پہن لیں اور گھر میں بیٹھ رہیں۔ اگر قریش دشمن ہو گئے اور ہم سے جنگ کی ٹھان لی اور دوسرے قبیلوں نے بھی انہی

کا ساتھ دیا تو...... پھر کیا بنے گا؟! وہ تو ہمیں چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیں گے۔"

ابو طالب: "یہ کیسی بزدلی کی باتیں ہیں؟ جب تک جان میں جان ہے، ہم اس کا ساتھ دیں گے۔"

ابولہب: "بھائیو! چلو، یہاں سے بھاگ چلو۔ اب یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔"

سب اُٹھ کر چل دیے۔ آپؐ دل کی بات دل ہی میں لیے رہ گئے۔

آپؐ نے ایک بار پھر دعوت کا انتظام کیا اور خاندان والوں کو کھانے پر بلایا۔ جب لوگ کھا پی چکے تو رب کا پیغام سنایا۔ فرمایا:

"دیدبان اپنوں سے جھوٹ نہیں بولتا۔ خدا کی قسم، میں غیروں سے جھوٹ بول بھی لوں، پر تم سے نہیں بول سکتا۔ اوروں کو دھوکہ دے بھی دوں، پر تم کو نہیں دے سکتا۔ اللہ جانتا ہے، میں اس کا رسول ہوں۔ اس نے مجھے خاص طور سے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ ویسے تو میں سارے انسانوں کے لیے رسول ہوں۔ اللہ کی قسم! تم مر جاؤ گے جس طرح تم سو جاتے ہو۔ اور اٹھا دیے جاؤ گے جس طرح نیند سے اٹھ جاتے ہو۔ اور جو کچھ کرتے ہو، اس کا تمہیں حساب دینا ہوگا۔ اچھے کام کرو گے تو اچھا بدلہ پاؤ گے۔ برے کام کرو گے تو برا بدلہ پاؤ گے۔ پھر یا تو ہمیشہ کی جنت ہوگی یا ہمیشہ کی دوزخ! سن لو، عرب میں کوئی اپنی قوم کے لیے مجھ سے بہتر چیز نہیں لایا۔ میں تمہارے پاس دونوں جہان کی بھلائیاں لے کر آیا ہوں۔ رب کا حکم ہے میں تم کو اسی طرف بلاؤں۔ ہے کوئی جو اس کام میں میرا ساتھ دے اور میرے بعد بھی اسے باقی رکھے؟"

یہ باتیں کہہ کر آپؐ خاموش ہو گئے اور لوگوں کے چہرے تکنے لگے کہ:

کس کا دل ایمان کی طرف مائل ہوا؟

کس کا سینہ اسلام کے لیے کھلا؟ اور کون اس کی مدد کے لیے تیار ہوا؟

کس نے آپؐ کی پکار پر کان دھرا؟ اور حق کی حمایت کا فیصلہ کیا؟

لیکن...... کسی طرف سے کوئی آواز نہ آئی۔ ہر ایک کو جیسے سانپ سونگھ گیا!

کچھ لوگ تو حیرت سے آپؐ کا منہ تک رہے تھے۔ اور کچھ لوگ وہاں سے چل دینے کے لیے پر تول رہے تھے۔

ٹھیک اسی وقت ایک لڑکا اٹھا۔ یہی کوئی بارہ تیرہ سال کا۔ بدن بھی کچھ یوں ہی سا، چھوٹا سا قد، دبلا پتلا جسم، آنکھیں آئی ہوئیں، مگر تھا بہت بہادر بڑی ہمت والا۔ اٹھ کر بولا:

"اللہ کے رسول! میں ساتھ دوں گا۔ میں آپ کی مدد کروں گا۔

ان ننھی ننھی باہوں میں، کیا زور ہے کوئی کیا جانے!

اس نرم و نازک سینے میں کیا عزم ہے، کیونکر پہچانے؟

پر وقت پڑے گا کوئی تو پھر ہم سب کچھ منوائیں گے!!

اللہ کے رسول! ہم آپ کی مدد کریں گے۔ آپ کے ساتھ ہم بھی جان لڑائیں گے۔"

کتنا عجیب منظر تھا یہ! لڑکے کی یہ باتیں سن کر اکثر لوگ بے قابو ہو گئے۔ خاموش فضا قہقہوں سے گونج اٹھی۔ لوگ چوٹ کرتے ہوئے بولے:

"کیوں ابو طالب! اب کیا کرو گے؟ خربوزے نے خربوزے کا رنگ پکڑ لیا! ابھی تک تو بھتیجے کا ہی مسئلہ تھا، اب تمہارے بیٹے کو بھی وہی جنون ہو گیا!"

دوسری مجلس بھی برخاست ہو گئی۔ لیکن ان کوششوں کا حاصل ...... کچھ بھی نہیں۔ اس پر بھی آپؐ مایوس نہ ہوئے۔ اور اپنا کام کرتے رہے۔ ایک دن کی بات ہے۔ آپؐ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے۔ درد بھری آواز سے چیخے:

خطرہ! خطرہ!! ہوشیار! ہوشیار!!

''ارے بھئی! یہ کون پکار رہا ہے؟! کس کی آواز ہے یہ؟!!''

''یہ تو محمد لگ رہے ہیں۔ صفا پہاڑی سے پکار رہے ہیں۔'' مختلف آوازیں ایک ساتھ گونجیں۔

کچھ ہی دیر میں سب لوگ جمع ہو گئے۔

''کیا بات ہے بھئی! کیا بات ہے؟!'' ہر ایک سراپا سوال بنا ہوا تھا۔

حضورؐ: ''اگر میں کہوں، اس پہاڑ کے دامن سے دشمنوں کی ایک فوج نکلا چاہتی ہے تو کیا آپ لوگ یقین کریں گے؟!''

''کیوں نہیں؟ کیوں نہیں؟ یقین نہ کرنے کی تو کوئی وجہ نہیں۔ ہم نے آپ کی زبان سے تو کبھی جھوٹ بات سنی نہیں۔'' سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

حضورؐ: میرے پیارے عزیزو! میرے قابل احترام بزرگو! میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں، جو تمہارے سامنے ہے۔ میں اسے اسی طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اس وقت پہاڑ کے دوسری طرف۔

قریشی سردارو! خدا کی ناراضی سے بچو، اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔ اگر کہیں اللہ ناراض ہو گیا، اگر اس نے تمہیں آگ میں جھونکنا چاہا تو پھر تمہیں کوئی نہیں بچا سکے گا۔ آگ سے بچنے کی بس ایک ہی تدبیر ہے، اللہ کو ایک مانو۔ میرے رسول ہونے کا اقرار کر لو۔''

ابولہب کا چہرہ...... غصے سے سرخ ہو گیا جیسے لال انگارہ! تن کر اٹھا اور کڑک کر بولا:

''ناس ہو تیرا!! تو نے اسی لیے بلایا تھا؟!!''

آپؐ سناٹے میں آ گئے۔ بڑی حسرت سے چچا کی طرف دیکھا، کہ کاش کچھ دیر وہ خاموش رہے اور آپؐ لوگوں سے کچھ کہہ سکیں۔ ان کو سچے دین کی دعوت

دے سکیں۔ ان کو رب کا پیغام سنا سکیں۔ لیکن اس کو ذرا بھی ترس نہ آیا۔ اس کا انداز اور سخت ہوتا گیا۔ وہ آپ کو جلی کٹی سناتا رہا۔

آخر لوگ وہاں سے چل دیے اس وقت ان میں کچھ اس طرح کی باتیں ہو رہی تھیں:

''بھئی! عبدالمطلب کا نوجوان تو آسمان سے باتیں کرتا ہے!''

''وہ تو ایسے کی عبادت کرنے کو کہتا ہے، جس کو نہ ہم دیکھ سکیں نہ سن سکیں۔''

''جس سے وہ باتیں کرتا ہے، ذرا ہماری بھی کیوں نہیں کرا دیتا؟''

اسلام کی آواز اٹھائے ہوئے ایک زمانہ ہو گیا۔ پیارے نبی پیرووں کو لے کر اپنے گھر آ جاتے یا ارقم کے یہاں چلے جاتے۔ وہاں ان کو قرآن کی آیتیں سناتے۔ جو ناخواندہ ہوتے، ان سے کئی کئی بار سنتے کہ خوب یاد ہو جائے اور جو پڑھے لکھے ہوتے، وہ آیتوں کو لکھ لیتے۔ پھر خود یاد کرتے۔ بال بچوں کو یاد کراتے دوسرے نومسلموں کو یاد کراتے۔

آہستہ آہستہ اسلام پھیلتا گیا۔ مسلمان بڑھتے رہے۔ مگر مشرکین یوں ہی ہنسی مذاق میں ٹالتے رہے۔ ''یہ ایک خدائی طاقت ہے، جس کا مقابلہ ممکن نہیں'' یہ باور کرنے کو بھی تیار نہ تھے۔ وہ سمجھتے رہے، یہ تو دیوانے ہیں، ان دیوانوں سے کون الجھے؟

وہ سمجھ رہے تھے، یہ لوگ محمد کے پیچھے دیوانے ہیں۔ رو میں آ کر اپنا دین چھوڑ بیٹھے ہیں۔ مگر یہ ساتھ نبھنے والا نہیں۔ صرف دو دن کی بات ہے۔ اس کے بعد یہ سب گرد کی طرح اڑ جائیں گے۔ دیر سویر قومی ہی دین کی پناہ لیں گے۔

انہی دنوں کی بات ہے۔ کچھ مشرک کعبے میں تھے، مورتیوں کو سجدے کر رہے تھے...... حضور کا گزر ہوا۔ آپ سے یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ ان پر بڑا ترس آیا۔ دل میں خیال آیا، اس کام سے روکا جائے۔ انہیں اس ذلت سے بچایا

جائے۔فرمایا:

''قریش کے لوگو! تم تو دادا ابراہیمؑ کے دین سے بالکل ہی ہٹ گئے۔ تم ان بے حقیقت مورتیوں کو پوجتے ہو اور انہیں اللہ کا ساجھی ٹھہراتے ہو؟!! بتاؤ، اللہ تم سے کتنا ناخوش ہوگا!!''

مشرکوں کو یہ بات گراں گزری۔وہ کج بحثی پر تل گئے۔بولے:

ہم ان مورتیوں کو تھوڑی پوجتے ہیں۔اصل میں تو ہمیں اللہ سے محبت ہے۔ اسی سے قریب ہونے کی تمنا ہے۔یہ تو بس بیچ کا واسطہ ہیں۔''

حضورؐ: ''اگر اللہ کو چاہتے ہو تو میری باتیں مانو، اللہ بھی تمہیں چاہنے لگے گا۔''

یہ سننا تھا کہ وہ آگ بگولا ہو گئے۔ان میں کچھ اس انداز سے باتیں ہونے لگیں:

''اس کی تو باتیں سنتے سنتے کلیجہ پک گیا۔آخر کب تک برداشت کیا جائے؟!

''ہم چپ کیا رہے کہ یہ بالکل ہی ڈھیٹ ہو گیا۔اتنا کہ ہماری عقلوں پر چوٹیں کرنے لگا۔ہمارے باپ دادا کو گمراہ کہنے لگا اور......اور ہمارے دیوتاؤں کو بھی نہیں بخشتا۔اچھا، تو اب ہم بالکل نہیں گوارا کریں گے۔ایک دم نہیں کریں گے۔''

سب اٹھ کر چل دیے، مگر آنکھیں سرخ تھیں اور سینے کھول رہے تھے۔جہاں دیکھیے، آپؐ ہی موضوعِ گفتگو تھے۔کوئی ستانے کے منصوبے بنا رہا تھا، تو کوئی ڈرانے دھمکانے میں مصروف تھا۔

۲

سارے مشرک سردار سر جوڑ کر بیٹھے۔وہ باہم مشورے کرنے لگے:

''محمد دیوتاؤں پر زیادتی کر رہا ہے۔اس کا کیا علاج کیا جائے؟ وہ ہمارے

دین کو مٹانا چاہتا ہے اس سے کیسے پیچھا چھڑایا جائے؟

محمد دیوتاؤں کی تحقیر کرتا ہے؟! ان دیوتاؤں کی جو ہمارے معبود ہیں! ہم سے پہلوں کے بھی معبود ہیں!!

کیا محمد ہمیں اُلّو سمجھتا ہے، جو مورتیوں کو چھوڑ دینے کی دعوت دیتا ہے؟! ان مورتیوں کو...... جن کے لیے عرب کے کونے کونے سے لوگ آتے ہیں۔ آ کر ان کو سجدے کرتے ہیں اور کعبے کی طرح ان کا طواف کرتے ہیں!!

کیا محمدؐ چاہتا ہے، سارا عرب ہم پر ہلہ بول دے؟ یا یہ چاہتا ہے کہ ہمارا بائیکاٹ کر دے، ہمارے یہاں آنا جانا چھوڑ دے، کہ ساری تجارت ٹھپ پڑ جائے ہم دانے دانے کو ترس جائیں؟!"

بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ پھر طے پایا، کچھ لوگ ابوطالب کے پاس جائیں۔ ان سے بھتیجے کی شکایت کریں۔ ان سے کہیں، آپ محمدؐ کو منع کر دیجیے۔ وہ نہ ہم کو کچھ کہے نہ ہمارے دیوتاؤں کو۔ نہ اس کو ہمارے دین سے کوئی سروکار رہے نہ ہم کو اس کے دین سے۔

قریش کے کچھ سردار ابوطالب کے پاس گئے۔ جانے والوں کے نام یہ تھے: حرب کا بیٹا ابوسفیان، ربیعہ کا بیٹا عتبہ، مغیرہ کا بیٹا ولید، وائل کا بیٹا عاص، اور ہشام کا بیٹا عمرو، ہاں وہی عمرو، جس کی کنیت ابوالحکم تھی اور جو ابوجہل کے نام سے مشہور ہے۔ یہ سب ابوطالب کے پاس گئے اور اپنی بات رکھی۔ ابوطالب نے ان کی دل دہی کی۔ بڑی نرمی سے بات چیت کی اور سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔

دن گزرتے رہے پیارے نبیؐ شرک و بت پرستی سے روکتے رہے اور تنہا اللہ کی عبادت پر اُبھارتے رہے۔ رفتہ رفتہ مسلمانوں کا ایک جتھا ہو گیا۔

اب مشرک بہت گھبرائے۔ اگر محمد کامیاب ہو گیا، اس کا دین پھیل گیا

ہر طرف اسلام کا بول بالا ہو گیا تو .... پھر کیا بنے گا؟ تب تو...... ہماری شامت آ جائے گی۔ وطنِ عزیز ویران ہو جائے گا۔ ہمارا سارا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔

یہ گول مول بات ٹھیک نہیں۔ اب کوئی دوٹوک فیصلہ ہو جانا چاہئے۔ یہ سوچ کر وہ پھر ابو طالب کے پاس آئے۔ بولے:

''ابو طالب! آپ ہمارے بڑے بزرگ ہیں۔ جان و دل سے ہمیں عزیز ہیں۔ ذرا بھتیجے کے معاملے میں انصاف کیجئے اس سے کہیے، ہمارے دیوتاؤں کو کچھ نہ کہے۔ ہمارے دین میں عیب نہ نکالے۔ ہماری عقل و خرد پر حملے نہ کرے اور...... ہمارے باپ دادا کو گمراہ نہ کہے۔ آپ اسے سمجھا دیجیے۔ ورنہ بیچ سے ہٹ جائیے۔ ہم خود ہی اس سے نمٹ لیں۔ آخر آپ بھی تو اس کی باتوں سے بیزار ہیں۔ آپ کو بھی چین مل جائے گا۔'' ابو طالب سے کچھ بن نہ پڑا۔ مجبور ہو کر محمدؐ کو بلوایا۔ آپؐ آئے تو بولے:

''بھتیجے! یہ قوم کے سردار آئے ہیں۔ انہیں تم سے شکایت ہے۔ یہ چاہتے ہیں، نہ تم ان کے دیوتاؤں کو کچھ کہو نہ یہ تم کو اور تمہارے خدا کو کچھ کہیں۔''

آپؐ نے فرمایا: ''چچا! جو چیز ان کے فائدے کی ہے، کیا اس کی طرف بلانا چھوڑ دوں؟''

ابو طالب: ''وہ کیا چیز؟!''

حضورؐ: ''یہ لوگ زبان سے صرف ایک فقرہ کہہ دیں تو پورا عرب ان کا غلام ہو جائے۔ ساری دنیا ان کے قدموں میں آ جائے۔

ابو جہل زور سے چیخا: ''تیرے باپ کی قسم کون سا فقرہ ہے وہ؟ اس جیسے دس فقرے ہم سے سن لے۔''

فرمایا: ''صرف لا الٰہ الا اللہ کہہ دیجیے۔ خدا کے لیے صرف لا الٰہ الا اللہ کہہ دیجیے۔ عزت و کامرانی آپ کے قدم چومے گی۔ خدا کی رحمتیں آپ پر سایہ فگن ہوں گی۔ دنیا میں بھی خوش رہیں گے۔ آخرت میں بھی نہال ہوں گے۔''

یہ سنتے ہی سب تلملا اٹھے۔ غصے سے چہرے سرخ ہو گئے۔ نفرت سے گردنیں پھر گئیں۔ وہ یہ کہتے ہوئے چل دیے:

''تیرے منہ میں خاک! دیکھ، تیری کیسی مٹی پلید کرتے ہیں ہم۔''

۳

پیارے نبیؐ کی دعوت تیزی سے پھیل رہی تھی۔ سماج کا عطر اور اس کا مکھن آپؐ کے گرد جمع ہو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر شرک کے علمبردار بہت تلملائے۔ دل پر سانپ لوٹنے لگے۔ خدا کی عبادت سراسر بتوں کی موت تھی۔ اسلام کی عزت کفر کے لیے سراپا ذلت تھی۔ اور مسلمانوں کی سربلندی کافروں کے لیے خطرے کی گھنٹی تھی۔ کافر غصے سے بے تاب ہو گئے۔ بالکل آگ بگولا ہو گئے۔ انہوں نے قسمیں کھائیں:

''اب ہم محمد کے لیے ننگی تلوار ہیں۔ جہاں پائیں گے، ستائیں گے جس طرح ہو سکے گا، دل دکھائیں گے۔ جسم کو بھی زخمی کریں گے۔ روح کو بھی چھلنی کریں گے اور.......... اور اس کے دین کو مٹا کر چھوڑیں گے۔''

انہوں نے اپنے شاعروں اور بدمعاشوں کو آپؐ کے خلاف بھڑکا دیا۔ وہ آپؐ کو گالیاں دیتے، آپؐ پر تہمتیں لگاتے۔ اشعار میں آپؐ کی ہجو کرتے۔ لوگوں میں بدگمانیاں پھیلاتے۔ آپؐ کی عقل و نیت پر حملے کرتے۔ کوئی کہتا، یہ تو

جادوگر ہے۔کوئی کہتا،اس پر تو جادو کا اثر ہے۔کوئی کہتا۔اس کو شہرت کی ہوس ہے۔

ایک دن کچھ مشرک سردار کعبے کے پاس جمع ہوئے اور آپ موضوعِ سخن بنے:

''ارے،محمد تو کہتا ہے،ہم لوگ مر جائیں گے تو پھر زندہ کیے جائیں گے اور اپنے کیے کا حساب دیں گے۔اچھے کاموں کا اچھا بدلہ پائیں گے برے کاموں کا برا۔اچھے کام کریں گے تو جنت میں جائیں گے۔برے کام کریں گے تو جہنم میں جلیں گے۔''

پھر انہوں نے سوچا،ذرا محمدؐ کو بلائیں اس سے کچھ بحث کریں۔اگر وہ اپنی باتوں میں سچا ہوگا تو دلیل دے گا اور اگر جھوٹا ہوگا،محض دعویٰ ہی دعویٰ کرتا ہوگا تو ہم کو حق ہوگا،جتنا چاہیں،ستائیں اور اس میں ہم بالکل معذور ہوں گے۔نہ کسی کو ملامت کا حق ہوگا نہ باز پرس کا۔

انہوں نے آپؐ کی طرف ایک آدمی دوڑایا۔آدمی آیا تو آپؐ کو کچھ امید ہوئی۔آپؐ نے سوچا شاید حق ان کی سمجھ میں آ گیا۔شاید اب وہ ایمان لے آئیں۔یہ سوچ کر آپ بڑی تیزی سے ان کی طرف گئے لیکن......وہاں تو کچھ اور ہی رنگ تھا۔وہاں تو وہی دل خراش باتیں تھیں۔وہی ضد اور نفرت کی ادائیں تھیں۔

انہوں نے کہا:''ہم تو جانتے نہیں،عرب میں کوئی ایسا آدمی ہوا ہو،جس نے تمہاری طرح اپنی قوم کو تنگ کیا ہو۔تم نے ہمارے دین میں عیب نکالا۔ہمارے دیوتاؤں کو حقیر گردانا۔ہمارے باپ دادا کو گمراہ کہا۔یہی کیا؟پوری قوم کو تتّر بتّر کر دیا۔خود ہی بتاؤ،کیا بات رہ گئی،جو تم نے نہیں کی۔لیکن سنو،اب بھی ہم تم کو سینے سے لگانے کے لیے تیار ہیں۔دولت،عزت،شہرت سب کچھ دینے کے

لیے تیار ہیں۔

دولت کی تمنا ہوتو بتاؤ، تمہارے قدموں میں دولت کے ڈھیر لگا دیں۔

شہرت کی تمنا ہوتو بتاؤ، ہم تمہیں اپنا سردار بنالیں۔

اور اگر کہیں دماغی مرض ہے یا سایہ ہوگیا ہے تو ہم تمہارے لیے اچھے سے اچھے علاج کا انتظام کریں علاج تمہارا ہوگا، پیسہ ہمارا ہوگا۔

آپؐ کی عقل ونیت پر یہ کتنا زبردست حملہ تھا!! آپؐ کو بہت ملال ہوا۔ فرمایا: ''مجھ میں اس طرح کی کوئی بات نہیں۔ مجھ کو مال ودولت کی تمنا نہیں۔ شہرت یا بادشاہت کی بھی ہوس نہیں۔ میں تو اللہ کا رسول ہوں۔ اسی نے مجھے بھیجا ہے کہ تم کو غفلت سے چونکادوں۔ برائی کا برا انجام بتادوں، نیکی کا نیک انجام سنادوں۔ اور چاہو تو رب سے ملادوں۔''

ان باتوں کا کیا اثر ہوا؟ جاہلیت کی رگ اور پھڑک اٹھی۔ ان میں ایک غل مچ گیا۔ جو کچھ منہ میں آیا بکنے لگے۔ الٹے سیدھے مطالبات بھی کیے۔ بولے:

''اگر سچ مچ اللہ کے رسول ہو اور اس نے تمہیں ہماری رہنمائی کے لیے بھیجا ہے تو یہ مطالبے پورے کرو۔ پھر ہمیں یقین آئے گا اور ہم تمہاری باتیں مانیں گے۔''

کسی نے کہا: ''اپنے رب سے کہو، ہمارے لیے ایک چشمہ رواں کردے۔ چشمہ بھی ایسا جو زمزم سے زیادہ میٹھا ہو۔ اور جیسے شام وعراق میں نہریں بہتی ہیں، ہمارے یہاں بھی بہنے لگیں۔''

کسی نے کہا: ''اگر نبی ہو تو اپنے رب سے کہو، تم کو باغوں اور محلوں میں رکھے۔ سونے چاندی کے بہت سے خزانے دے دے تاکہ عیش کی زندگی گزرے۔ یہ کیا کہ ہماری طرح بازاروں میں مارے مارے پھرتے ہو۔ روزی کے پیچھے خون پسینہ ایک کرتے ہو۔''

کسی نے کہا: ''یمامہ میں ایک آدمی ہے۔ وہی تم کو یہ سب باتیں سکھاتا ہے۔ تو سن لو، ہم رحمان پر تو ایمان لانے سے رہے۔ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھو اور وہاں سے ایک تحریر لاؤ۔ جس کو ہم پڑھ بھی لیں۔''

کسی نے کہا: ''فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ انہی کو ہم پوجتے ہیں۔ اب اگر اللہ اور فرشتوں کو سامنے لا کھڑا کر دیا آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دو تو ہم تم پر ایمان لے آئیں۔ ذرا ہم بھی تو دیکھیں، کیسی سزا اور کیسا عذاب ہے جس کی یہ دھمکیاں ہیں۔''

آپؐ نے فرمایا: ''پاک ہے میرا رب! کیا میں ایک پیغمبر کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟!''

اللہ نے فرمایا: ''بابرکت ہے وہ ذات جو اگر چاہے تو تم کو اس سے بھی اچھی چیزیں دے دے۔ چاہے تو ایسے باغ دے دے، جن کے نیچے سے نہریں رواں ہوں اور چاہے تو بہت سے محل دے دے۔''

ان لوگوں نے کہا: ''محمد! ہم نے تمہارے سامنے کتنی ہی باتیں رکھیں، لیکن تم نے ایک نہ سنی۔ تم سے کتنی ہی خواہشیں کیں، لیکن تم نے سب ٹھکرا دیں۔ سن لو، اب ہم معذور ہیں۔ اب ہمیں حق ہوگا۔ تمہارے ساتھ جیسا چاہیں، سلوک کریں۔ یاد رکھو، ہم تمہاری جان لے کے ہی چھوڑیں گے۔ اب یا تو تم رہو گے یا ہم۔''

انہوں نے آپؐ کے قتل کا فیصلہ کر لیا۔ بالکل آخری اور محکم فیصلہ۔

''لیکن اگر محمدؐ کو قتل کیا تو...... ابو طالب کا کیا ہوگا؟ ان کے تو کلیجے میں آگ لگ جائے گی اور جہاں وہ بگڑے، سارے آلِ مطلب بگڑ جائیں گے۔ یہی لوگ تو قریش کے سردار اور سرکار ہیں، وہ بگڑ گئے تو پھر کیا بنے گا؟''

یہ خیال آتے ہی ان کی ہمت جواب دینے لگی اور سارے حوصلے پست ہو گئے۔

''مگر ہاں، ایک شکل ہے، کوئی ترکیب کی جائے، محمد ابو طالب کی نظر سے گر جائے یا کم از کم ان کا دل پھیکا ہو جائے کہ اس کو قتل کریں تو وہ چپ چاپ رہیں۔''

بہت سوچا، بہت سوچا، کئی دن تک سوچا، آخران نادانوں کی عقل نے مشورہ دیا:

ابو طالب کے پاس اپنا ایک جوان لے کر جاؤ۔ طاقت ور، بہادر اور خوب رو جوان! ان سے کہو، اپنے بھتیجے کو دے دیں۔ اس کی جگہ اس جوان کو رکھ لیں!!

(۴)

اپنی اس بودی تدبیر پر قریش بہت مگن تھے۔ وہ ابو طالب کے پاس آئے۔ ساتھ میں ایک جوان بھی لائے۔ بولے:

''ابو طالب! یہ عُمارہ کا بیٹا وَلید ہے۔ قریش کا سب سے بہادر اور طاقتور جوان، اور پھر دنیائے حسن کا بادشاہ۔ آج سے یہ آپ کا بیٹا ہے۔ ہر معاملے میں صحیح مشورہ دے گا۔ ہر کام میں آپ کا ہاتھ بٹائے گا۔ اس کو اب آپ اپنے ہاں رکھیے اور اس کے بدلے میں بھتیجے کو ہمیں دے دیجیے۔ اس کا قصہ پاک کر دیں۔ خواہ مخواہ کے لیے اس نے ایک فتنہ اٹھا رکھا ہے۔ ساری قوم کو تتر بتر کر کے رکھ دیا ہے۔ پھر اس میں آپ کا کوئی گھاٹا بھی نہیں۔ آپ کو تو اس سے قیمتی ہیرا مل رہا ہے۔''

قوم کے سمجھ داروں کی زبان سے ایسی سطحی باتیں!! اس قدر عجیب و غریب

اور عقل سے ہٹی ہوئی باتیں!!

ابو طالب ہکاّ بکاّ رہ گئے۔ کچھ دیر وہ حیرت سے ان کا منہ تکتے رہے۔ پھر بولے:

''اے عقل کے مارے دیوانو! کتنا برا سودا کر رہے ہو تم! تمہارا بیٹا تو میں اپنے پاس رکھ کر پالوں پوسوں، اور موٹا کروں اور اپنے کلیجے کو دے دوں کہ تم اس کی تکہ ّبوٹی کرو؟!! خدا کی قسم یہ تو قیامت تک نہ ہوگا!!''

عدی کا بیٹا مطعم بولا۔ یہ بھی قریش کے سرداروں میں تھا:

''خدا کی قسم ابو طالب! قوم نے بہت انصاف کیا۔ لاکھ کوشش کی، ناگواری کی کوئی بات نہ ہو۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں، آپ ان کی کوئی بھی بات ماننے کو تیار نہیں!!''

ابو طالب: ''بخدا قوم نے ذرا بھی انصاف نہیں کیا۔ اصل میں تم نے ہمیں رسوا کرنے کا ہی فیصلہ کر لیا ہے۔ طے کر لیا ہے لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکاتے رہو گے۔ تو جاؤ، جو جی میں آئے کر دیکھو!''

قریش: ''ہم نے ذرا بھی ناانصافی نہیں کی۔ نہ آپ کے ساتھ، نہ بھتیجے کے ساتھ، ہم نے بارہا کہا، بھتیجے کو سمجھایئے۔ اس کو ان حرکتوں سے روکیے۔ لیکن آپ نے کبھی نہیں روکا۔ سن لیجئے۔ اب اگر اس نے ہمارے دیوتاؤں کا نام لیا، یا ہمارے بزرگوں کو کچھ کہا، یا ہماری عقل و سمجھ پر کوئی حملہ کیا تو بتائے دیتے ہیں، برداشت نہ ہوگا۔ اب بس دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو آپ سمجھا بجھا کر اس کا منہ بند کر دیں، ورنہ ہم لوگ سختی سے پیش آئیں گے۔ اس کے ساتھ بھی سختی سے پیش آئیں گے، اور آپ کے ساتھ بھی۔ اور ہر اس شخص کے ساتھ سختی سے پیش آئیں گے جو آپ دونوں کا ساتھ دے گا۔ اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے،

معاملہ برداشت سے باہر ہو چکا ہے!!

یہ کہہ کر لوگ چلے گئے۔ معاملہ بہت سخت تھا۔ موقع بڑا نازک تھا۔ ابو طالب کو بہت رنج ہوا۔ دل کو بہت دکھ ہوا۔ قوم اور خاندان کا یہ کھلا کھلا چیلنج ان کا جگر چیر گیا۔

قوم کی دشمنی مول لینے کا یارا نہیں۔ بھتیجے کو بے سہارا چھوڑ دینا بھی گوارا نہیں۔ ایک عجیب کشمکش تھی۔ بڑی ہی سخت آزمائش تھی۔ ابو طالب کا سر جھک گیا۔ وہ سوچنے لگے:

میں کیا کروں؟! اُف.........! میں کیا کروں؟

ابو طالب! اب تم کیا کرو گے؟! بولو اب تم کیا کرو گے؟! کیا بھتیجے کو ظالموں کا لقمہ تر بننے دو گے؟! یا اس کی حمایت میں جان لڑاؤ گے؟!

ایک فیصلہ کن گھڑی تھی تاریخ کو انتظار تھا، دیکھیں، کیا ہوتا ہے؟

ابو طالب نے طے کیا، آپؐ کو بلوائیں اور دعوت دینے سے روک دیں۔ اس دعوت سے روک دیں جو قوم کی عداوت کا سبب تھی۔ جس نے قریش کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔ ان کی شان و شوکت کا محل ڈھا کر رکھ دیا تھا۔

محمدؐ چچا کے پاس گئے۔ چچا نے سارا قصہ سنایا۔ قریش کا چیلنج بھی بتایا۔ پھر بولے:

''جانِ عمّ! خدارا مجھ پر اور اپنی جان پر رحم کرو۔ مجھ پر اتنا بار نہ ڈالو کہ میں اٹھا نہ سکوں۔''

یہ ایک فیصلہ کن گھڑی تھی۔ تاریخ پھر سراپا انتظار تھی، دیکھیں، اب کیا ہوتا ہے!
کیا محمدؐ رب کی پکار سے رُخ پھیر لیتے ہیں اور چچا کی پکار پر لبیک کہتے ہیں؟
کیا محمدؐ حق کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور دینِ اسلام سے منہ موڑ لیتے ہیں؟
کیا اب دنیا نورِ ایمان سے جگمگاتی ہے یا کفر کی تاریکی ہی چھائی رہتی ہے؟

محمدؐ! اپنے دردمند چچا کی باتیں سن لیں۔ اب تمہارا کیا فیصلہ ہے؟ بولو اب کیا ارادہ ہے؟

آپؐ نے وہی فیصلہ کیا، جو فیصلہ آپؐ کے رب کا تھا۔ آپؐ نے وہی بات پسند کی، جس میں خدا کی پسند تھی۔ پورے عزم وہمت سے فرمایا:

"چچا جان! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج رکھ دیں اور بائیں ہاتھ میں چاند!! اور کہیں، میں یہ کام چھوڑ دوں تو یہ ناممکن ہے۔ یا تو یہ کام پورا ہوگا یا میری جان اسی راہ میں کام آجائے گی۔"

اللہ اللہ!...... یہ حق کی طاقت اور ایمان کی عظمت! یہ باطن کی قوت اور روح کی رفعت!

محمدؐ حق کے ساتھ تھے۔ حق ہی کے لیے آپؐ کا جینا تھا، حق ہی کے لیے آپؐ کا مرنا تھا!

چچا نے بھتیجے کو بہت ہی حیرت اور تعجب سے دیکھا۔ آپؐ کے عزم وحوصلے کا ان پر بڑا اثر ہوا۔ وہ ایک گہری سوچ میں ڈوب گئے: مقصد کی یہ دھن! اور کام کی یہ لگن!! اس راہ میں کیا مصیبتیں آئیں گی؟ اس کی کوئی پروا نہیں۔ قوم کا کیا سلوک ہوگا؟ اس کی کوئی فکر نہیں۔

محمدؐ چچا کے پاس سے اٹھے اور چل دیے۔ روکنا بہت چاہا مگر آنکھوں سے آنسو پھوٹ پڑے ؎

اف رے شکایت جفا، واہ رے شکوۂ ستم
سنبھلے رہے حضور میں، رو دیے دور جا کے ہم!

آپ کے دل میں ایک ہلچل مچ گئی: "اب کیا ہوگا؟ اب تو چچا کی آنکھیں بھی بدل گئیں۔ ان کے عزم وہمت نے جواب دے دیا۔ انہوں نے اب مجھے

بے سہارا چھوڑ دینا گوارا کرلیا۔ آہ.........جس چچا نے سدا کلیجے سے لگائے رکھا، آج مصیبتوں کے طوفان میں تنہا چھوڑ دیا!''

لیکن ابھی آپ کچھ ہی دور گئے تھے کہ چچا نے آواز دی:

''بھتیجے! ذرا سننا۔''

محمدؐ پھر چچا کے پاس گئے۔ چچا نے کہا:

''بھتیجے! جاؤ۔ جو دل چاہے کہو اور جو جی میں آئے، کرو۔ جب تک جان میں جان ہے میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

چچا کی زبان سے یہ باتیں سنیں تو آپ کو بے انتہا خوشی ہوئی۔ چہرۂ مبارک کندن کی طرح دمکنے لگا۔ اور سینے میں ایک نیا حوصلہ اور ولولہ موجیں مارنے لگا۔ مشرکوں کے چہرے پر بل آتا ہے، آیا کرے۔ ان کی تیوری چڑھتی ہے، چڑھا کرے۔ ہم تو اس راہ میں جان لڑاتے رہیں گے۔ تاریک دنیا میں نورِ اسلام پھیلا کے رہیں گے۔ یہ تھا آپؐ کا عزم! یہ تھا آپؐ کا حوصلہ!

اب چچا بھتیجے کی مدد کے لیے کمر کسنے لگا۔ خاندان والوں کو جوش دلانے اور ان کے قدموں کو مضبوط کرنے کا کام شروع کردیا۔

انہوں نے فوراً سب کو جمع کیا اور کہا:

''بھائیو! یہ کتنے افسوس کی بات ہے یہ سب محمدؐ کے پیچھے پڑے ہیں۔ ان کی جان لینے پر تل گئے ہیں یہ ہماری عزت کا مسئلہ ہے۔ یہ ہم سب کے لیے ایک کھلا ہوا چیلنج ہے۔ ہرگز ہرگز ان کی یہ تمنا بر نہ آئے۔ ہم سب مل کر اس کا ساتھ دیں۔''

ابوطالب کی تقریر سن کر سارے اہلِ خاندان حمیت سے سرشار ہوگئے۔ سب نے ابوطالب کی ہمت بڑھائی اور مدد کا وعدہ کیا۔ ایک ابولہب تھا، جس کو بھتیجے پر

ترس نہ آیا۔ اس نے جیتے جی آپؐ کی دشمنی کا بیڑا اٹھایا۔ نہایت ڈھٹائی سے بولا: میں تو قریش کے ساتھ ہوں۔ انہیں میں مل کر کام کروں گا۔

اب قریش پورے زور وشور سے آپؐ کی مخالفت میں لگ گئے۔ دعوت کو ناکام بنانے کے لیے نت نئی چالیں چلنے لگے۔ آپؐ پر وہ وہ ظلم ڈھائے کہ خدا کی پناہ! زمین لرز اٹھی اور آسمان تھرا گئے۔ لیکن ان ظالموں کو ذرا بھی رحم نہ آیا۔

پھر یہ چیز آپ تک ہی محدود نہ تھی............ساتھیوں کو بھی انہوں نے اپنی بے رحمیوں کا نشانہ بنایا اور ظلم وستم کی چکی میں پیس کر رکھ دیا۔

لیکن پیارے نبیؐ اور آپؐ کے جواں عزم ساتھی سب کچھ سہتے رہے۔ ان کے پائے استقامت میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی۔

☆-----☆-----☆

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

(۵)

طوفانی کشمکش

- قریش کا طوفان بے تمیزی
- ابوجہل کی ناکام سازش
- رسول اللہ حافظ حقیقی کی حفاظت میں
- مشرکین کی دل دوز سفاکیاں
- بے بس مسلمانوں کی حیرت ناک استقامت
- حضرت حمزہؓ اسلام کی آغوش میں
- حضرت حمزہؓ کی جرأت و بے باکی
- رسول خدا اور عتبہ کی گفتگو
- عتبہ کا تاثر اور قریش کو مشورہ
- بت کدے میں قرآن کی گونج
- ایک عظیم شور و شر
- قرآن کے بارے میں شرک کے علم برداروں کا تاثر
- رسالت کا زندہ ثبوت
- مشرکین کی ہٹ دھرمی

(۱)

کافر ہاتھ دھو کر پیارے نبیؐ اور آپ کے مخلص ساتھیوں کے پیچھے پڑ گئے۔ بڑی بے دردی سے ستاتے۔ گالیاں دیتے۔ پتھر برساتے اور اپنی ذلیل حرکتوں کی ایسی ایسی نمائش کرتے کہ خدا کی پناہ!! شرافت نے کبھی تو آنکھیں موند لیں کبھی کانوں میں انگلیاں دے لیں۔

رقیہؓ اور ام کلثومؓ آپؐ کی دو بیٹیاں تھیں۔ یہ عتبہ اور عتیبہ کو بیاہی تھیں۔ عتبہ اور عتیبہ ابولہب کے بیٹے تھے۔ باپ کی ہی طرح یہ دونوں بھی اسلام کے کٹر دشمن تھے۔ ایک زمانے تک یہ نیک بی بیوں کا ناک میں دم کیے رہے۔ کڑوی کڑوی باتوں سے دل چھیدتے رہے۔ بدنصیب ابولہب کو اس سے بھی تسکین نہ ہوئی۔ ان کو بیٹوں سے جدا کر دیا۔ گھر سے انہیں نکال باہر کیا۔

ابولہب پیارے نبیؐ کے پڑوس میں ہی رہتا تھا۔ یہ دروازے پر کوڑا کرکٹ پھینک دیتا۔ کبھی غلاظت لا کر ڈال جاتا۔ اس کی بیوی امِ جمیل بھی کچھ کم نہ تھی۔ یہ راستے میں کانٹے بچھا دیا کرتی۔

دشمنوں کا یہ برتاؤ تھا۔ اس پر بھی آپؐ نے شرافت کا دامن ہاتھ سے نہ

چھوڑا۔ ان کی بدسلوکی کا جواب ہمیشہ عالی ظرفی اور خوش اخلاقی سے دیا۔ وہ سب کچھ کرتے رہتے۔ آپؐ دیکھا کرتے اور صبر کرتے۔ بہت پریشان ہو جاتے تو بس اتنا فرماتے:

''آلِ مطلب! پڑوسی کے ساتھ کیسا سلوک ہے یہ ؟!!''

قریش تو آپؐ کے قتل کا فیصلہ کر چکے تھے۔ لیکن انہوں نے دیکھا بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سب آپؐ کے ساتھ ہیں۔ آپؐ پر جان دینے کو تیار ہیں۔ اس سے وہ بہت سٹپٹائے۔ ان کی ہمتیں پست ہو گئیں اور حوصلے ٹوٹ گئے۔ انہوں نے یہ ناپاک ارادہ دل سے نکال دیا۔ البتہ چوٹیں کرنے اور پھبتیاں کسنے سے باز نہ آئے۔ کہیں راستے میں پا جاتے یا ساتھیوں میں دیکھ لیتے تو زور کا قہقہہ لگاتے، کہتے:

''کیوں محمد! آسمان سے آج کچھ نہیں آیا؟''

''کہو محمد! اور کوئی نہیں تھا کہ خدا نے تمہیں رسول بنا دیا؟! یہاں تو ایک سے ایک سردار موجود تھے۔ تم سے زیادہ ہوشیار بھی!! تم سے زیادہ مالدار بھی!!''

یا وہ تالیاں پیٹتے۔ سیٹیاں بجاتے کہ آپؐ باتیں نہ کر سکیں۔ کمزور اور نادار مسلمانوں کو دیکھتے تو قہقہے لگاتے۔ اشارہ کرتے ہوئے کہتے:

''یہ لوگ تو زمین کے بادشاہ ہیں۔ جلد ہی روم و ایران کو فتح کریں گے!''

آپؐ کا سب سے بڑا دشمن تھا ابوجہل۔ دشمنی میں ایک دم دیوانہ۔ شرافت اور وقار سے بالکل بے گانہ۔ آپؐ کے لیے ہر برا کام اُسے گوارا تھا۔ جہاں پاتا آپؐ کو کوستا۔ اوروں کو بھی آپؐ کے خلاف اُکساتا۔ نماز پڑھتے تو کچھ اوباشوں کو ساتھ لے کر ہنسی اڑاتا۔ دعوت و تبلیغ کا کام کرتے تو غنڈوں کو جمع کر کے قہقہے لگاتا۔ بڑی رعونت کے ساتھ کہتا:

''محمد کے پرزے اڑاؤ، پھر چین کی بنسی بجاؤ!!''

ایک دن تو اس نے ساتھیوں سے کہا:

''خدا کی قسم کل صبح ایک پتھر لے کر بیٹھوں گا۔ اتنا بھاری کہ اٹھائے نہ اٹھے۔ جوں ہی محمد سجدے میں جائے گا۔ سر پیس کر رکھ دوں گا۔ پھر چاہے تم لوگ میرا ساتھ دو، یا چھوڑ کر الگ ہو جاؤ۔ آلِ مناف بھی جو کچھ کریں گے دیکھا جائے گا۔''

ساتھیوں نے ہمت افزائی کی۔ جوش دلاتے ہوئے بولے:

''توبہ، توبہ، ہم لوگ ساتھ چھوڑ سکتے ہیں؟ اس طرف سے تو بے غم رہو اور جو جی میں آئے، بے دھڑک کر ڈالو۔''

صبح ہوئی تو ابوجہل نے ایک بھاری پتھر لیا اور کعبے کے پاس انتظار میں بیٹھ گیا۔ قریب ہی ساتھی بھی بیٹھ گئے۔ روز کی طرح چاشت کی نماز پڑھنے پیارے نبیؐ حرم آئے۔ چاشت کی نماز آپؐ حرم ہی میں ادا کرتے کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب میں بھی جائز تھی۔

رُکن یَمانی اور حَجر اَسوَد کے درمیان آپؐ کھڑے ہوئے۔ اور نماز میں مصروف ہو گئے۔ جوں ہی آپؐ سجدے میں گئے ابوجہل نے پتھر اُٹھایا اور پتھر لیے ہوئے آپؐ کی طرف بڑھا۔ ساتھی چپ چاپ بیٹھے رہے۔ غور سے دیکھتے رہے کہ کیا ہوتا ہے؟

کتنا عجیب منظر تھا یہ......! ایک دشمنِ خدا اس سر کو کچلنے جا رہا تھا، جو سر خدا کے قدموں کو چھو رہا تھا۔ اس وجود کو مٹانے جا رہا تھا، جس کا نگہبان خود خدا تھا۔

ساتھی ہونے والے حادثے پر نظریں جمائے، دھڑکتے ہوئے دل سے ابوجہل کو دیکھتے رہے۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ وہ لوٹ پڑا۔ چہرہ اترا ہوا۔ آنکھیں چڑھی ہوئی اور ہاتھ میں پتھر جوں کا توں۔

ساتھی سخت حیران ہوئے۔ چند قدم آگے بڑھ کر پوچھا:

''ارے ابوالحکم! کیا ہوا، ڈر کیوں گئے؟!!

ابو جہل: (ہانپتے ہوئے)

''ارے، تمہیں نہیں کچھ دکھائی دے رہا ہے؟! سامنے آگ کا الاؤ ہے۔ ذرا بھی آگے بڑھتا تو بھسم ہو کر رہ جاتا۔''

یہ سن کر وہ اور حیران ہوئے۔ حیرت سے اس کا منہ تکنے لگے۔ انہوں نے سوچا، معلوم ہوتا ہے، ارادہ بدل گیا۔ کرنے کو جی چاہتا نہیں۔ اسی کے یہ سب حیلے بہانے ہیں۔

ایک ساتھی تو جوش میں آگیا۔ فوراً ہی پتھر اٹھایا اور اسی ارادے سے آپؐ کی طرف بڑھا۔ کچھ ہی دور گیا کہ اس کے بھی قدم رک گئے پھر وہ لوٹ پڑا۔ لوگوں نے دیکھا اُس کا چہرہ بھی اترا ہوا تھا خوف سے آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں!

اللہ نے آپؐ کی مدد کی۔ دشمنوں کی سازش دھری کی دھری رہ گئی!

یہ کوئی ایک واقعہ نہیں۔ قریش نے بڑی بڑی سازشیں کیں اور بار بار کیں۔ لیکن ان کے ارمان کبھی پورے نہ ہوئے۔ وہ مسلسل منہ کی کھاتے رہے۔ پر اب بھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے۔ آپؐ پر کسی طرح بس نہ چلا تو بے چارے کمزور مسلمانوں کو نشانہ بنایا اور ان کو تڑپا تڑپا کر دل کی بھڑاس نکالنے لگے۔ پھر اس کام میں قریش تنہا نہ تھے۔ دوسرے بہت سے قبیلے بھی اُن کے ساتھ تھے اور ان کی پیٹھ ٹھونک رہے تھے۔ ان قبیلوں نے آپس میں ایک معاہدہ بھی کیا۔

اس معاہدے کی رو سے کوئی قبیلہ کسی مسلمان کو پناہ نہیں دے سکتا تھا۔ ہر قبیلے کا فرض تھا، جہاں کہیں مسلمان مل جائیں، وہ سراپا ظلم و ستم بن جائے۔ ان کو خوب مارے پیٹے۔ ذلیل و رسوا کرے۔ شرافت اور انسانیت سر پیٹیں تو پیٹا

کریں۔ اس کی ذرا بھی پروا نہ کرے۔اور اگر کسی کا غلام یا باندی مسلمان ہو جائے تو اس پر وہ ذرا بھی ترس نہ کھائے۔ اتنا اتنا ستائے کہ وہ نئے دین سے بے زار ہو جائے اور پھر آبائی دین کی پناہ لے۔

دن بہ دن ان کے مظالم بڑھتے ہی گئے۔ ان میں ایسے ایسے بے رحم بھی تھے، جن کے سینوں میں دل نہ تھے، پتھر کے ٹکڑے تھے۔ جن کے ظلم و ستم سے زمین دہل گئی اور آسمان تھرا اٹھے۔ ان ظالموں نے بے کس مسلمانوں کو قید کیا۔ مارا پیٹا۔ بھوکا پیاسا رکھا۔ مکے کی تپتی ہوئی ریت پر لٹایا۔ لوہے کی گرم سلاخوں سے داغا۔ پانی میں غوطے دیے اور نہ جانے کیا کیا کیا!!

نتیجہ ظاہر تھا، جو لوگ عقیدے کے کمزور اور ارادے کے کچے تھے، دین پر قائم نہ رہ سکے اور پھر کفر و شرک کی طرف پھسل گئے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو مشرکانہ رنگ میں تو رنگ گئے، لیکن اندر سے مسلمان رہے۔ غرض یہ تھی کہ مشرکوں کی سفّاکیوں سے محفوظ رہیں۔ کچھ ایسے باہمت بھی تھے، جو پوری پامردی سے اسلام پر جمے رہے، اور مردانہ وار ساری آزمائشوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

انہی جواں مردوں میں یاسرؓ، ان کی بیوی سمیہؓ اور لختِ جگر عمّارؓ بھی تھے۔ یہ تینوں مکے کے غریبوں میں تھے اور بہت پہلے اسلام لے آئے تھے۔ دشمن ان کے کپڑے اتار دیتے۔ دوپہر یا سخت ہو جاتی تو تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتے۔ کبھی آگ میں جلاتے، کبھی پانی میں غوطے دیتے۔ اسی بے کسی کے عالم میں رحمتِ عالمؐ کا گزر ہوتا۔ آپؐ ان کو تسلی دیتے۔ بہت ہی درد بھرے لہجے میں فرماتے:

''صبر کرو، صبر، تمہارا ٹھکانا جنت ہے۔''

حضرت یاسرؓ نے تو اسی طرح تڑپ تڑپ کر جان دے دی لیکن حضرت سُمیّہؓ کو ابوجہل نے شہید کیا۔ یہ ہر وقت ان کی جان کے پیچھے پڑا رہتا۔ اور بڑی بے

دردی سے ستاتا۔ ایک روز انہیں جوش آ گیا، گفتگو کا لہجہ سخت ہو گیا۔ ابوجہل غصے سے بیتاب ہو گیا۔ ہاتھ میں اس کے برچھی تھی۔ کھینچ کر ایسی ماری کہ آپ کا دَم نکل گیا۔ اسلام میں سب سے پہلے شہادت کا شرف انہی کو نصیب ہوا۔

حضرت عمارؓ کو ظالم لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں چھوڑ دیتے یا تپتی ہوئی زمین پر لٹا کر اتنا مارتے کہ بے ہوش ہو جاتے لیکن اس مار پیٹ اور دھوپ کی سختی سے ایمانی گرمی میں کوئی کمی نہ ہوتی۔

انہی جواں مردوں میں حضرت خبّابؓ بھی تھے۔ یہ اُمّ اَنمار کے غلام تھے۔ وہ لوہے کی سلاخیں گرم کرتی اور ان کے سر پر رکھ دیا کرتی۔ اور نہ جانے ان پر کیا کیا ستم کرتی۔ ایک دن کوئلے دہکائے گئے، وہ ان پر چت لٹا دیے گئے، اسی حال میں کوئلے ٹھنڈے ہو گئے۔ حضرت خبابؓ نے ان بیدردیوں کی فریاد رحمتِ عالم سے کی۔ آپؐ نے ان کے لیے دُعا فرمائی:

''خدایا! خباب کی مدد کر۔''

دُعا رنگ لائی۔ امِ انمار کے سر میں کوئی بیماری ہو گئی۔ حکیموں نے اس کا علاج کیا بتایا...... ! گرم سلاخوں سے سر کو داغا جائے۔ چنانچہ حضرت خبابؓ لوہے کی سلاخیں گرم کرتے۔ پھر اس کا سر داغتے۔

انہی جواں مردوں میں ایک حضرت بلالؓ بھی تھے۔ یہ حبشہ (Ethiopia) کے رہنے والے تھے خلف کے بیٹے اُمیّہ کے غلام تھے۔ اُمیّہ ان کا کھانا پانی بند کر دیتا۔ جب بھوک پیاس سے وہ بے قرار ہو جاتے اور ٹھیک دوپہر یا ہو جاتی تو وہ تپتی ہوئی چٹانوں پر چت لٹا دیتا اور چھاتی پر بہت بھاری پتھر رکھوا دیتا۔ پھر کہتا:

''محمد کا ساتھ چھوڑ دو اور لات وعزیٰ کو پوجو! ورنہ اسی طرح ایڑیاں رگڑتے رہو۔''

حضرت بلالؓ یہ سارے مظالم سہتے اور اس وقت بھی زبان پر یہ الفاظ ہوتے:

''احد!!احد!!ایک ہے،بس ایک ہے۔''

وہ تو ایمان کے نشے میں تھے۔ وہ نشہ ایسا نہ تھا جو ان تلخیوں سے اتر جاتا۔ جوش کے عالم میں بار بار یہی الفاظ دہراتے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوتا تو یہ مظلومی دیکھ کر تڑپ اٹھتے۔ بہت ہی درد بھرے لہجے میں فرماتے:

''بلال! گھبراؤ نہیں۔احد،احد جلد ہی نجات دے گا۔''

ورقہ بن نوفل کا گزر ہوتا تو کہتے:

بلال! سچ کہتے ہو۔بخدا وہ ایک ہی ہے۔ ہاں، وہ ایک ہی ہے! پھر ظالموں کی طرف متوجہ ہوتے ،اور کہتے:

'' خدا کی قسم اگر تم لوگوں نے اسی طرح اسے مار ڈالا تو میں اس کی قبر کو زیارت گاہ بناؤں گا۔''

حضرت بلالؓ یہ سختیاں جھیلتے رہے اور صبر کرتے رہے۔آخر ایک دن حضرت ابوبکرؓ اُمیہ کے پاس گئے۔بولے:

''ارے ظالم! تجھے ذرا بھی خدا کا ڈر نہیں۔اس بے چارے کو ناحق مارے ڈال رہا ہے؟!!''

اُمیہ :تم نے ہی تو اسے بگاڑا ہے۔اب تم ہی اسے بچاؤ بھی۔

ابوبکرؓ: میرے پاس ایک مشرک غلام ہے۔تو اُسے لے لے اور اس غریب کو مجھے دے دے۔

اُمیہ :چلو،منظور ہے۔لے جاؤ اسے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنا مشرک غلام اُمیّہ کو دے دیا اور اس سے حضرت بلالؓ کو لے کر آزاد کر دیا۔

تنہا بلالؓ ہی نہیں۔ نہ جانے اور کتنے غلام تھے، جو مسلمان ہو گئے تھے۔ اس جرم میں بے رحم آقاؤں کی سفاکیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ ان مظالم کو دیکھ دیکھ کر تڑپ اُٹھتے۔ آخر ان سے رہا نہ گیا۔ اور سب کو خرید خرید کر آزاد کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک دن ان کے والد نے کہا:

"بیٹے! تم تو بہت کمزور کمزور غلام آزاد کر رہے ہو۔ ذرا ایسے غلام آزاد کرو جو بہادر اور طاقتور ہوں کہ وقت پڑے تو کچھ کام آسکیں۔ مصیبت میں تمہاری مدد کر سکیں۔"

"ابا جان! میرا مقصد تو بس اللہ کو خوش کرنا ہے۔ ان سے کوئی خدمت نہیں لینی ہے" حضرت ابوبکرؓ نے نہایت بے لوثی سے جواب دیا۔

بارگاہِ خداوندی میں یہ بات بہت پسند آئی۔ وحی آئی:

وما لاحد عنده من نعمة تجزیٰ الا ابتغآء وجه ربه الاعلیٰ ولسوف یرضی (سورۃ اللیل: ۱۹-۲۱)

(اور کسی کا اس کے ذمہ کوئی احسان نہیں ہے، جس کا بدلہ دیا جائے۔ اسے تو بس اپنے بلند و برتر رب کی خوشنودی حاصل کرنی ہے۔ اور وہ یقیناً اس سے خوش ہوگا۔)

(۲)

ابوجہل پیارے نبیؐ کو ستانے میں ذرا بھی نرم نہ پڑا۔ وہ موقع بہ موقع دل کا بخار نکالتا رہا۔

نبوت کا چھٹا سال تھا۔ ایک روز آپؐ کے پاس سے اس کا گزر ہوا۔ دیکھتے ہی گالیاں دینے لگا، جتنا برا بھلا کہہ سکتا تھا، کہتا رہا۔ آپؐ اس کے منہ نہ لگے۔ اس کی طرف متوجہ بھی نہ ہوئے۔ یہ بات اس کو اور کھل گئی۔ غصے سے بے تاب ہو گیا۔ جھک کر زمین سے مٹھی بھر کنکری اٹھائی اور روئے مبارک پر پھینک ماری۔ پھر دیر تک دل کے پھپھولے پھوڑتا رہا۔ منہ میں جو کچھ آتا رہا، بکتا رہا۔

وہیں ایک لونڈی کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ یہ عبداللہ تیمی کی لونڈی تھی، ہاں وہی عبداللہ تیمی جو آپؐ کے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیقؓ کا چچازاد بھائی تھا۔ قریش کے سرداروں میں اس کا شمار تھا۔ بہت ہی دولت مند رئیس تھا۔ عیاشی اور بدکاری میں طاق تھا۔ باندیاں خرید خرید کر رکھتا اور ان سے بدکاری کراتا۔

رسولِ خداؐ سے دشمن خدا کا یہ سلوک!! اس لونڈی کا دل بھر آیا، کیونکہ اسلام سے اسے محبت تھی۔ حضورؐ سے اسے الفت تھی۔ اگرچہ لوگ اس بات سے بے خبر تھے۔ اس نے کسی کو بتایا نہیں تھا، کہ آقا اگر جان گیا تو مارتے مارتے برا حال کر دے گا۔

شام کو اسے پیروں کی چاپ سنائی دی۔ یہ چاپ ابوقبیس نامی پہاڑ کی طرف سے آرہی تھی۔ دیکھا تو ایک آدمی چلا آرہا تھا۔ قد درمیانہ۔ آنکھیں سیاہ۔ کاندھے چوڑے چوڑے۔ چہرے سے وقار اور ہیبت ٹپک رہی تھی۔ کمر سے تلوار بندھی تھی۔ گردن سے کمان لٹک رہی تھی اور پشت پر ترکش تھا۔ وہ کون تھا؟ شیر قریش...... حمزہ! ہاں وہی حمزہ جو عبدالمطلب کا بیٹا اور حضورؐ کا چچا تھا۔ ایک رشتے سے آپؐ کی خالہ کا بیٹا تھا اور دودھ شریک بھائی بھی۔ وہ شکار سے واپس ہوا تھا اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے جا رہا تھا۔ اس کا ہمیشہ کا یہی معمول تھا۔ شکار سے واپس ہو کر سب سے پہلے خانہ کعبہ جاتا۔ وہاں پہنچ کر طواف کرتا۔ وہیں

قریش کے بڑے بڑے سردار بیٹھے ہوتے۔ ان سے ملاقاتیں کرتا پھر گھر واپس آجاتا۔

حمزہ قریب ہوا تو اس لونڈی سے رہا نہ گیا۔ وہ نہایت جذباتی انداز میں بول پڑی:

''ابو عمارہ! آخر آپ لوگوں کی غیرت کہاں چلی گئی کہ بنی مخزوم کے غنڈے محمد کو اتنی دیدہ دلیری سے ستا رہے ہیں؟!''

حمزہ چلتے چلتے رک گیا......

''عبداللہ کی لونڈی! تو کیا کہہ رہی ہے؟!'' اس نے بڑی حیرانی سے سوال کیا۔

لونڈی: ''میں کیا بتاؤں، آج تمہارے بھتیجے پہ کیا بیتی!! محمد یہیں پر تھے۔ کہیں سے ابوجہل بھی آگیا۔ آتے ہی اس نے وہ وہ گالیاں دیں کہ میں تو شرم سے پانی پانی ہوگئی۔ پھر اسی پر بس نہ کیا۔ اس نے مٹھی بھر کنکری زمین سے اٹھائی۔ نہایت غصے میں ان کے منہ پر پھینک ماری۔''

حمزہ: ''کیا یہ تیرے سامنے کی بات ہے؟! کیا تیری آنکھیں اور تیرے کان اس کے گواہ ہیں؟''!

لونڈی: ''ہاں، ہاں، میری ان آنکھوں نے دیکھا ہے۔ میرے ان کانوں نے سنا ہے۔''

حمزہ غصہ سے لال ہوگیا۔ لپک کر مسجد حرام گیا۔ آج کسی سے کوئی بات چیت نہ کی۔ کسی کو سلام تک نہ کیا۔ پہنچتے ہی ابوجہل پر نظر پڑ گئی۔ وہ لوگوں کے درمیان بیٹھا تھا۔ حمزہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ کمان سنبھال کر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ اب کیا تھا، خون کا فوارہ جاری ہوگیا۔ پورا چہرہ لہولہان ہوگیا۔

''وہ میرا بھتیجا ہے جسے تونے لاوارث سمجھ رکھا ہے.......... وہ میرا بھتیجا ہے جس کا چہرہ پتھر کھانے کے لیے نہیں بنا ہے۔ وہ میرا بھتیجا ہے جو تیری گالیاں سننے کے لیے نہیں پیدا ہوا ہے!!'' حمزہ آج بری طرح گرج رہا تھا۔

حمزہ بہت رعب داب کا آدمی تھا۔ اس کے غصے سے ہر ایک کانپتا۔ بگڑ جاتا تو کوئی بول نہ سکتا۔

ابوجہل نے اپنی اس حرکت کو خوشنما بناتے ہوئے کہا:

''حمزہ! ہوش کے ناخن لو۔ جذبات سے نہ کھیلو۔ اپنے بھتیجے کی حرکتیں تو دیکھو۔ اس نے تو ہمیں اُلو سمجھ لیا ہے۔ جو چاہتا ہے۔ بک دیتا ہے۔ کبھی ہماری عقلوں پر چوٹیں کرتا ہے۔ کبھی باپ دادا کے خلاف آواز اٹھاتا ہے۔ اس پر بھی بس نہیں، وہ ہمارے دیوتاؤں تک کو نہیں بخشتا۔ پھر ہمارے جتنے لونڈی غلام ہیں سب کو بہکاتا ہے۔''

حمزہ: تم سے زیادہ نادان ہے بھی کون کہ اللہ کو چھوڑ کر بے جان مورتیوں کو پوجتے ہو؟!! سن لو، میں بھتیجے کے ساتھ ہوں۔ اب اسلام ہی کے لیے میرا جینا ہے۔ اسلام ہی کے لیے میرا مرنا ہے۔

ابوجہل قبیلہ بنی مخزوم سے تھا۔ وہاں اس قبیلے کے بھی کچھ لوگ موجود تھے۔ وہ ابوجہل کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بولے:

''حمزہ ہوش میں رہو، دماغ نہ خراب کرو، کیا، تم اپنے دین سے پھر گئے ہو؟! کیا تم بھی محمد کے چکر میں آگئے ہو!''

حمزہ: ''جب اس کا حق ہونا مجھ پر واضح ہو گیا تو پھر کیوں نہ مانوں؟ سن لو، محمد اللہ کے رسول ہیں۔ جو کچھ کہتے یں بالکل حق ہے! خدا کی قسم اب میں اس سے نہیں پھر سکتا۔ ہاں اگر تم سچے ہو اور کچھ بل بوتا رکھتے ہو تو روک کر دیکھ لو۔''

ابو جہل نے حمزہ کا یہ غصہ دیکھا تو ڈرا۔ سمجھ گیا، اس کا انجام اچھا نہیں ہو سکتا۔ ساتھیوں سے بولا:

''ہٹاؤ جانے بھی دو۔ میں نے واقعی محمد کے ساتھ بہت برا کیا۔ یہ اسی کا ردّ عمل ہے۔ اب حمزہ کو مزید غُصّہ نہ دلاؤ۔ وہ ٹھنڈے ہو جائیں گے تو سارا معاملہ درست ہو جائے گا۔''

حمزہ نے بھرے مجمع میں اسلام لانے کا اعلان کر دیا۔ پوری بے باکی سے کہہ دیا: ''میرا دین وہی ہے جو محمد کا ہے۔''

پھر لوٹ کر گھر آئے اور سوچتے رہے: ''کیا میں جو کچھ کہہ کے آیا ہوں صحیح ہے؟ کہیں میں نے غلط اعلان تو نہیں کیا؟ کہیں میں جذبات کی رو میں تو نہیں بہہ گیا؟''

آنکھوں آنکھوں میں رات کٹ گئی۔ پوری رات جاگتے رہے اور دعا کرتے رہے:

''خدایا مجھے سیدھا راستہ دکھا۔ میرے دل کو قرار عطا فرما۔''

صبح ہوئی تو ایسا معلوم ہوا گویا سینے کے پٹ کھل گئے۔ دل کو پورا اطمینان ہو گیا۔ باطن نور یقین سے جگمگا اٹھا۔ بھاگے ہوئے بھتیجے کے پاس آئے۔ اپنے اسلام لانے کی خوش خبری سنائی۔ مرتے دم تک دین کے لیے جان لڑانے کا عہد کیا۔

حمزہؓ کے اسلام لانے سے ایوانِ کفر میں زلزلہ آ گیا۔ باطل ایک بہت بڑے بہادر اور جانباز سپاہی سے محروم ہو گیا۔

حمزہؓ کے ایمان لانے سے آپؐ کو کتنی خوشی ہوئی؟ اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ لوگوں نے دیکھا، اس وقت چہرۂ مبارک گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا۔ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ بے اختیار آپؐ کی زبان سے نکلا:

خدایا! حمزہؓ کو ثابت قدم رکھ!

کیونکہ حمزہؓ قریش کے نامی گرامی پہلوان تھے۔ ان کی بہادری کا ہر طرف چرچا تھا۔ ہر چھوٹا بڑا ان سے دبتا تھا۔ ان کا اسلام لانا اسلام کے دورِ اقبال کا آغاز تھا۔ اسی وقت آپؐ نے یہ دعا بھی فرمائی:

''خدایا! عمر اور عمرو میں جو تجھے پسند ہو، اس سے اسلام کی مدد فرما۔''

عمر خطّاب کا بیٹا تھا اور عمرو ہشام کا۔ یہی عمرو ہے جو تاریخ میں ابو جہل کے نام سے معروف ہے۔ یہ دونوں قریش کے بہت ہی طاقتور اور بااثر سردار تھے۔ آپؐ کی تمنا تھی، ان دونوں میں سے کوئی ایک ایمان لے آئے کہ اسلام کی شوکت دوبالا ہو جائے۔

۳

مسلمان رفتہ رفتہ بڑھ رہے تھے۔ اس سے قریش بہت پریشان اور فکر مند تھے لیکن حضرت حمزہؓ کا اسلام لانا تو ان کے لیے ایک سانحہ تھا۔ ان کی عزت واقتدار کے لیے کھلا ہوا خطرہ تھا۔ جس نے بھی یہ خبر سنی اس نے سر تھام لیا۔ غم وغصہ سے دیوانہ ہو گیا۔ ہر طرف بے چینی پھیل گئی۔ ہر طرف اداسی چھا گئی۔ جہاں دو آدمی جمع ہوتے، اسی کا رونا روتے۔ اسی پر رنج وغم کا اظہار کرتے۔

ایک روز کا واقعہ ہے۔ قریش جمع تھے۔ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ پیارے نبیؐ کا ذکر چھڑا تھا۔ وہی اپنی بے بسی کا رونا تھا۔ عتبہ بن ربیعہ...... قریش کا ایک بڑا سردار بولا:

''بھائیو! میں جاؤں محمدؐ سے گفتگو کروں؟ اس کے سامنے کچھ باتیں رکھوں؟

ہوسکتا ہے کوئی بات اس کے دل کو لگ جائے اور سر سے یہ بلا ٹل جائے۔"

"جاؤ ابوالولید! ضرور جاؤ۔ کسی طرح اسے راضی کرو۔" سب ایک ساتھ بول پڑے۔

عتبہ اٹھا۔ پیارے نبیؐ کے پاس آیا۔ بولا:

"بھتیجے! تمہیں معلوم ہے، تم کتنے اونچے خاندان کے فرزند ہو۔ ہمارے دل میں تمہارا کیا مقام ہے، اس سے بھی تم واقف ہو۔ مگر تم نے تو بہت بری آواز اُٹھائی ہے۔ دیکھ رہے ہو، پوری قوم تتر بتر ہوگئی۔ سارا نظام درہم برہم ہوگیا۔ اچھا سنو، میں کچھ باتیں رکھتا ہوں۔ ہوسکتا ہے، کوئی بات تمہارے دل کو لگ جائے۔ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوجائے۔

پیارے نبیؐ: "ہاں، ہاں، کہیے ابوالولید! میں خوشی سے سنوں گا۔"

عتبہ: "بھتیجے! قوم میں پھوٹ ڈالنے سے فائدہ کیا؟ دولت چاہتے ہو تو بتاؤ، تمہارے سامنے ہم دولت کے ڈھیر لگا دیں۔ سرداری کا شوق ہو تو تمہیں اپنا سردار بنالیں۔ بادشاہت کی تمنا ہو تو اس کے لیے بھی ہم تیار ہیں۔ پھر تمہارے بغیر کوئی فیصلہ نہ ہوگا جو تم کہو گے، وہی ہوگا اور اگر تم پر سایہ ہوگیا ہے اور اس کے مقابلے میں تم بے بس ہو تو بتاؤ ہم علاج کا اچھے سے اچھا انتظام کریں گے جب تک اچھے نہیں ہوجاؤ گے، پانی کی طرح دولت بہائیں گے۔"

اس طرح عتبہ وہی باتیں کرتا رہا، جو اس سے پہلے لوگ کر چکے تھے۔

عتبہ اپنی باتیں کہہ چکا تو آپؐ نے فرمایا:

"ابوالولید! میں بھی کچھ سناتا ہوں۔ ذرا غور سے سنئے گا!"

آپؐ نے سورۂ حم سجدہ کی تلاوت کی۔ عتبہ پوری توجہ سے سنتا رہا۔ کئی جگہ تو اس کا دل دہل دہل گیا۔ آپؐ تلاوت سے فارغ ہوئے تو وہ اٹھا اور سیدھا قریش

کی طرف چل پڑا لیکن اب اس کی رائے پہلی جیسی نہ تھی۔اب اس کے دل کی دنیا بدل چکی تھی۔ ساتھیوں نے اسے دور سے ہی دیکھ کے کہا:

''خدا کی قسم! یہ وہ چہرہ نہیں، جو یہاں سے گیا تھا۔''

عتبہ قریب ہوا تو سب نے ایک ساتھ للکارا:

''کہو ابوالولید! کیا رہا؟ کوئی اچھی خبر لائے؟!''

ابوالولید: ''خدا کی قسم! میں نے بے شمار شاعروں کے قصیدے سنے۔ بے شمار کاہنوں کے کلام سنے لیکن یہ تو چیز ہی اور ہے۔اس جیسی چیز تو میرے کانوں نے اب تک نہ سنی۔

بھائیو! میری بات مان لو۔ جو کچھ وہ کرتا ہے، کرنے دو۔اس کو عرب پر چھوڑ دو۔اگر وہ غالب آ گئے تو تمہارا مقصد حاصل ہے۔ بھائی کے خون میں ہاتھ رنگنے سے بچ جاؤ گے اور اگر وہ اس کے سامنے جھک گئے تو اس کی عزت تو تمہاری عزت ہے۔اس کی طاقت تو تمہاری طاقت ہے۔''

قریش: ''ابوالولید! خدا کی قسم تم پر بھی جادو چل گیا۔تم بھی اس کے جادو سے نہ بچ سکے۔''

عتبہ: میں نے جو سمجھا کہہ دیا۔اب تم جانو تمہارا کام!

قریش کسی کو قرآن گنگناتا سن لیتے تو بہت ستاتے اور مذاق اڑاتے۔ کسی کو نماز پڑھتا دیکھ لیتے تو آوازے کستے اور قہقہے لگاتے۔صرف ہٹ دھرمی اور دشمنی کے مارے ورنہ پیارے نبیؐ کی باتیں جاننے کا انہیں بہت شوق تھا۔قرآن کی آیتیں سننا بھی بہت مرغوب تھا۔

ہاں، تو مسلمان ان سے بہت بچتے۔قرآن پڑھنا ہوتا تو چھپ چھپا کر پڑھتے۔ کچھ یاد کرنا ہوتا تو ہلکی آواز سے یاد کرتے۔ ایک روز انہی میں سے

کسی نے کہا:

''قرآن بہت ہلکی آواز سے پڑھا جاتا ہے۔قریش نے تو اسے قاعدے سے سنا نہیں۔ وہ کیا جانیں، اس کے جمال وجلال کا عالم؟! ہے کوئی جو اس کی ہمت کرے؟ ہے کوئی جو انہیں جا کر قرآن سنائے؟''

عبداللہ بن مسعودؓ حضورؐ کے ایک مخلص ساتھی تھے۔ بہت پہلے اسلام لائے تھے۔ جھٹ بولے:

ہمت کیا کرنی ہے؟! میں جاتا ہوں۔ آج میں انہیں قرآن سناؤں گا۔''

''عبداللہ! تمہارے لیے خطرہ ہے۔ کوئی ایسا آدمی ہو، جو مضبوط قبیلے کا ہو کہ مشرکین اس پر ہاتھ اٹھائیں تو اس کا قبیلہ اس کو بچا سکے۔'' ساتھیوں نے مشورہ دیا۔

عبداللہؓ: ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ تم لوگ فکر نہ کرو۔ اللہ مجھے بچائے گا۔''

وہ اٹھے اور خانہ کعبہ کی طرف چل دیے۔ خانۂ کعبہ کے پاس قریش جلسہ جمائے بیٹھے تھے۔ مقام ابراہیم کے پاس پہنچ کر ان کی آواز گونجی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم. الرحمن علّم القرآن

وہ نہایت اطمینان سے سورۂ رحمٰن پڑھنے لگے۔ لوگ ابن مسعودؓ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ہر ایک دوسرے سے پوچھ رہا تھا:

''اِبْنِ اُمِّ مَعْبد (عبداللہ بن مسعود) کیا کہہ رہا ہے؟!''

کسی نے للکارا: ارے یہ تو محمد کا کلام ہے! محمد کا کلام یہاں کون پڑھ رہا ہے؟ نوچ لو اس کا منہ!

اب کیا تھا۔ سارے مشرک ٹوٹ پڑے۔ بے تحاشا منہ پر طمانچے برسانے لگے۔ ابن مسعودؓ نے ذرا بھی پروانہ کی۔ مار پڑتی رہی اور وہ بلند آواز سے قرآن پڑھتے رہے۔ پھر لوٹ کر ساتھیوں میں آئے۔ چہرہ لہولہان تھا۔

''ابن مسعود! ہم کو اسی کا تو ڈر تھا۔'' ساتھیوں نے رنج و افسوس کا اظہار کیا۔

''خدا کے دشمن آج سے زیادہ مجھے کبھی کمزور نہیں نظر آئے۔ کہو تو کل پھر اسی طرح سنا آؤں۔'' ابن مسعودؓ نے نہایت فاتحانہ انداز میں جواب دیا۔

''رہنے دو۔ اتنا کافی ہے۔ آج انہیں قرآن سنا دیا گیا۔ اپنا فرض ادا ہو گیا۔'' ساتھیوں نے ان کی ہمت کی داد دی۔

قرآن...... ہاں، یہی قرآن، جس سے قریش کو اتنی چڑ تھی، اسے سننے کے لیے بھی وہ بے چین رہتے اور ساتھیوں سے چھپ چھپ کے سنا کرتے۔ ہر ایک کو شوق تھا، ذرا محمد کا کلام سنیں۔ دیکھیں، کیسا کلام ہے جس کے سامنے شاعروں کی شاعری پھیکی پڑ گئی۔ کاہنوں کا کلام ماند پڑ گیا اور جو جادوگروں کے جادو سے بھی نمبر لے گیا۔

جب رات کی تاریکی پھیل جاتی۔ ہر طرف سناٹا چھا جاتا۔ تو قریش کے بڑے بڑے سردار آپؐ کے گھر کا رخ کرتے۔ وہاں قریب ہی کہیں دبک کر بیٹھ جاتے۔ خاموشی اور سکون کا وقت ہوتا۔ اس سکون میں آپؐ نماز میں مصروف ہوتے۔ بہت ہی میٹھی آواز سے قرآن پڑھتے۔ خوبصورتی کے ساتھ اسے بار بار دہراتے۔ یہ لوگ خاموشی سے بیٹھے سنا کرتے۔ جب پو پھٹنے کو ہوتی تو دبے پاؤں گھر لوٹ آتے۔ رات کے پردے میں یہ سب ہو جاتا، کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ خود آپؐ بھی اس سے بے خبر رہتے۔

ایک دن کی بات ہے، ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس اپنے اپنے گھروں سے نکلے۔ ہر طرف اندھیرا اور سناّٹا تھا۔ یہ تینوں آپ کے گھر کے پاس آئے اور چھپ چھپ کے بیٹھ گئے۔

تینوں اپنے اپنے گھروں سے اکیلے چلے۔ رات اندھیری تھی۔ کوئی کسی کو

دیکھ نہ سکا۔ وہاں پہنچے تو آپ قرآن پڑھ رہے تھے۔ آواز انتہائی رسیلی اور پیاری تھی۔ کانوں کو بہت بھلی لگ رہی تھی۔ ہر ایک قریب ہی دبک کر بیٹھ گیا اور سمجھتا رہا، میں یہاں تنہا ہوں۔ پھر اندھیرے منہ سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ پڑے۔ خدا کا کرنا، ایک جگہ آکر تینوں مل گئے۔ ہر ایک دوسرے کا مقصد تاڑ گیا۔ تینوں اپنی اپنی غلطی پر شرمندہ ہوئے اور آیندہ کے لیے کان پکڑ لیا ہر ایک نے کہا:

"اگر کسی نے دیکھ لیا تو بڑا غضب ہو جائے گا۔ ہمارا سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ اور محمد کے لیے میدان صاف ہو جائے گا۔"

دوسری رات آئی تو ابوجہل پھر آپؐ کے گھر کے پاس جا کر دبک گیا اور قرآن سننے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ آج تو وہ دونوں آئیں گے نہیں۔

کچھ دیر بعد ابوسفیان بھی آ پہنچا۔ وہ بھی قریب ہی دبک کر بیٹھ گیا۔ اس کا بھی خیال تھا، آج تو وہ دونوں آئیں گے نہیں۔

کچھ ہی دیر بعد اخنس بھی آ پہنچا۔ وہ بھی کہیں قریب ہی بیٹھ گیا۔ اس کا بھی خیال تھا، آج تو وہ دونوں آئیں گے نہیں۔

پھر نور کے تڑکے تینوں لوٹ پڑے۔ اتفاق سے آج بھی سب کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ سب پھر شرمندہ ہوئے اور آیندہ کے لیے توبہ کی۔

تیسری رات آئی تو پھر ابوجہل نے آپؐ کے گھر کا رخ کیا۔ اس نے سوچا، دونوں دو بار آئے اور ہر بار پکڑے گئے۔ بھلا اب پھر یہ غلطی کیسے کر سکتے ہیں۔

ہر ایک نے یہی سوچا اور پھر جا پہنچا۔ راستے میں آج بھی مڈبھیڑ ہو گئی۔ تینوں نے پھر اظہار شرمندگی کیا۔ آج ان میں باقاعدہ عہد و پیمان ہوا۔ ہر ایک نے قسمیں کھائیں اب کبھی نہیں آئیں گے۔

صبح ہوئی تو اخنس ابوسفیان کے پاس گیا۔ بولا:

"ابوحنظلہ! محمد کا کلام تم نے سن لیا۔ بولو، اس کے بارے میں تمہارا کیا احساس ہے؟!"

ابوسفیان: "قسم ہے ابوثعلبہ! اس کلام کا کچھ حصہ تو ایسا ہے جو ہمارے دائرۂ تخیل میں آتا ہے۔ وہاں تک ہمارے فکر کی رسائی ممکن ہے۔ مگر کچھ حصہ ایسا ہے جو ہمارے دائرہ تخیل سے بہت اونچا ہے۔ اتنا اونچا ہے کہ وہاں پر جلیں حواس کے! وہاں تک ہماری پرواز ممکن ہی نہیں۔

اخنس: "خدا کی قسم! اپنا بھی یہی احساس ہے۔"

پھر وہ ابوجہل کے پاس آیا۔ اس سے بھی یہی سوال کیا۔ ابوجہل نے کہا:

"سنتے ہو؟ اخنس! ہم اور عبد مناف ہمیشہ نیک نامی میں برابر برابر رہے۔ کوئی بھی ایسا باعزت کام نہیں، جو انہوں نے کیا اور ہم نے چھوڑ دیا۔ ہر موقع پر ان کے دوش بدوش رہے۔ ہر میدان میں ان کے حریف رہے۔ یوں سمجھ لو، ہم دونوں بالکل ایک جوڑی کے تھے۔ ہماری مثال ایسی ہی تھی جیسے ایک تھان کے دو گھوڑے یا ایک ہی چنے کی دو دالیں۔ اب آج وہ کہتے ہیں، ہمارے نبی پر ایمان لاؤ۔ محمد کو اللہ نے نبی بنایا ہے۔ ان کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔ اب بتاؤ، اس چیز میں ہم انہیں کہاں پا سکتے ہیں؟ خدا کی قسم! ہم تو قیامت تک ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کی ایک بات نہیں مانیں گے۔!"

اللہ اللہ! یہ کینہ اور یہ حسد!!

وہ جانتے تھے محمد حق پر ہیں۔ آپؐ کی باتیں بالکل سچ ہیں۔ انہیں یقین تھا، آپ سچ مچ اللہ کے رسول ہیں۔ آسمانی بادشاہت کی طرف سے آپؐ پر وحی آتی ہے۔ لیکن دشمنی میں وہ اندھے ہو گئے تھے۔ حسد کی آگ میں جل رہے تھے۔

ادھر شیطان ان کی خوب پیٹھ ٹھونک رہا تھا۔

وہ چاہتے تھے، جو کچھ محمدؐ کو ملا ہے انہیں بھی مل جائے۔ جو کچھ محمدؐ پر آتا ہے ان پر بھی آنے لگے اور شرف نبوت میں وہ آلِ مطلب سے پیچھے نہ رہیں۔

ولید بن مغیرہ تو پوری ڈھٹائی سے کہتا:

''کیا میرے ہوتے محمد پر وحی آسکتی ہے؟! قریش کا سردار تو میں ہوں۔ سب کی نظروں میں قابل احترام تو میں ہوں۔ کیا ابو مسعود...... ثقیف کا سردار بھی اس لائق نہ تھا کہ وہ نبی بنایا جاتا؟!

کتنی عجیب بات ہے ......! یہ لوگ نبوت کو خود ہی تقسیم کرنا چاہتے ہیں حالانکہ روزی تک تو اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔!

قریش کا ایک شیطان تھا نضر بن حارث۔ اس نے قسم کھائی، ہمیشہ آپؐ کے مقابلے میں ڈٹا رہے گا۔ لوگوں کو آپؐ کے خلاف اکساتا رہے گا اور ذرا بھی رواداری کو راہ نہ دے گا۔ یمن کا ایک مشہور شہر ہے حیرہ۔ نضر وہاں جا چکا تھا۔ وہاں اس نے شاہانِ فارس کے قصے پڑھے تھے۔ عابدوں کی عبادتوں کے احوال سنے تھے، علماء اور حکماء کی صحبتیں اٹھائی تھیں۔ یہ سائے کی طرح آپؐ کے پیچھے لگا رہتا۔ جہاں کہیں دیکھتا، آپؐ لوگوں کو اسلام کی دعوت دے رہے ہیں۔ کفر کے برے انجام سے ڈرا رہے ہیں۔ عبرت کے لیے پچھلی قوموں کے واقعات سنا رہے ہیں۔ اور اس طرح ان کے دلوں کو نرم کرنا چاہتے ہیں۔ جھٹ یہ بھی وہیں پہنچ جاتا۔ آپ وہاں سے چلے جاتے تو لوگوں سے کہتا:

''بھائیو! میں تو اس سے بھی اچھی باتیں بتا سکتا ہوں۔ لو، سنو، میں سناتا ہوں۔''

وہ انہیں ایران کے واقعات سناتا۔ وہاں کے بادشاہوں کے قصے سناتا۔ وہاں کے مذاہب و ادیان کے تذکرے کرتا اور نہ جانے کیسی کیسی دل چسپ اور

خیالی داستانیں سناتا پھر کہتا:

"محمد کا کلام میرے کلام سے اچھا کیسے ہوسکتا ہے؟ کیا میری ہی طرح وہ بھی پچھلوں کی داستانیں نہیں سناتا؟"

اس طرح لوگ الجھن میں پڑ جاتے۔ کون حق پر ہے؟! کون باطل پر؟! کون ہمارا خیر خواہ ہے؟! کون بدخواہ؟! یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا۔

نضر کی سرکشی پورے زور پر تھی۔ اسی زمانے میں ساتھیوں نے کہا: "ابو مُعیط کے بیٹے عقبہ کو ساتھ لے لو۔ مدینے جا کر یہودی عالموں سے ملو۔ ان سے محمد کی ساری باتیں بیان کرو اور پوچھو، اس سلسلے میں ان کا کیا خیال ہے؟ وہ لوگ اہلِ کتاب ہیں۔ نبیوں کا علم ان کے پاس ہے۔ وہ زیادہ بہتر بتا سکتے ہیں۔"

نَضر اور عقبہ یہودی عالموں کے پاس گئے۔ اپنے آنے کی غرض بتائی۔ ساری باتیں سن کر یہودیوں نے کہا:

"پچھلے زمانے میں کچھ جوان تھے۔ ان کی داستان بڑی عجیب وغریب ہے۔ ذرا محمد سے پوچھو، دیکھو ان کے بارے میں کچھ بتاتے ہیں؟ ایک اور آدمی گزرا ہے۔ اس نے زمین کا چپہ چپہ چھان مارا۔ محمد سے پوچھو، اس کے متعلق بھی کچھ جانتے ہیں؟ یہ بھی پوچھو وہ یہ قرآن لاتے کہاں سے ہیں؟! اگر یہ تینوں باتیں بتا دیں تو سمجھ لو وہ سچے نبی ہیں ورنہ وہ جھوٹے ہیں۔ پھر جو جی میں آئے کرو۔"

وہ دونوں لوٹ کر مکے آئے۔ قریش کو انتظار تھا ہی۔ انہیں دیکھتے ہی ہر ایک سراپا سوال بن گیا: کہو بھائیو! کیا رہا؟"

یہودیوں سے جو بات چیت ہوئی تھی، سب ان دونوں نے دہرا دی۔

کچھ لوگ محمدؐ کے پاس آئے۔ آپؐ سے یہ سوالات کیے۔ آپؐ وحی کا انتظار کرنے لگے۔

اللہ نے آپؐ کو بذریعہ وحی ساری باتیں بتادیں۔ جوانوں کا قصہ بھی بتایا جو سورۂ کہف میں تفصیل سے موجود ہے۔ جس نے مشرق ومغرب کو تاراج کیا، اور زمین کا چپہ چپہ چھان مارا، اس کے متعلق بھی بتایا کہ وہ ذوالقرنین تھے۔ ان کے ساتھ یہ یہ واقعہ پیش آیا۔ ان کا ذکر بھی سورۂ کہف میں موجود ہے۔ تیسرے سوال کے بارے میں فرمایا: ''انہیں بتادو۔ یہ وحی میرے رب کے حکم سے آتی ہے مگرتم لوگ انسانی کلام اور آسمانی کلام میں تمیز ہی نہیں کرپاتے اور شبہہ کرتے ہو کہ یہ انسانی کلام ہے۔ کوئی انسان اسے گڑھا کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تم علم سے محروم اور بصیرت سے کوسوں دور ہو۔''

ویسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (سورۂ اسراء: ۸۵)

(اور یہ لوگ سے روح (وحی) کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو یہ روح میرے رب کے حکم سے آتی ہے مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے)۔

پیارے نبیؐ تیز تیز قدموں سے مشرکوں کے پاس آئے۔ ان کے سوالات کے جواب بتائے کہ شاید وہ ایمان لے آئیں۔ آپؐ کو نبی مان لیں۔ لیکن یہاں تو دل سیاہ ہو چکے تھے۔ وہ ذرا بھی نرم نہ پڑے۔ نرم پڑنا تو در کنار، اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے۔ نضر بولا:

''بھائیو! رکو۔ محمد جیسی باتیں ابھی میں تمہیں سناتا ہوں۔''

ایک دوسرے نے کہا: ''اس قرآن کو سنو ہی نہیں۔ یہ تو سراسر بکواس ہے۔ جتنا ہو سکے، اس کا مذاق اڑاؤ۔ ہوسکتا ہے، اسی طرح محمد قابو میں آجائے۔''

ابوجہل بولا'': کیا محمد کی باتوں سے تم ڈرتے ہو؟ وہ کہتا ہے، آگ میں جلائے جاؤ گے اور اللہ کے انیس داروغہ ہیں جو جہنم پر مامور ہوں گے۔ وہ نکل

بھاگنے نہیں دیں گے، تو کیا یہ بھی کوئی ڈرنے کی بات ہے۔ کیا ہم میں کے سو بھی ایک کے لیے کافی نہیں ہوں گے؟!"

اُف!! خدا کی پناہ! یہ ڈھٹائی اور یہ سرکشی! حالانکہ خود ان کا خیال تھا، ایک ہی فرشتہ ساری دنیا کو تہ و بالا کرسکتا ہے۔

وما جعلنآ اصحب النار الا ملئكة وما جعلنا عدتهم الا فتنة للذين كفروا. (سورہ مدثر:۳۱)

(جہنم کے داروغہ نہیں بنائے مگر فرشتے، اور نہیں بنائی ان کی تعداد مگر آزمائش ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا)۔

☆-----☆-----☆

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

(۶)

کالی گھٹائیں

- ہجرت حبشہ
- مشرکین کی تلملاہٹ
- مشرکین کا وفد نجاشی کے دربار میں
- دربار میں مسلمانوں کی حاضری
- حضرت جعفر کی پر اثر تقریر
- نجاشی کا تاثر
- ایک شیطانی کانفرنس
- عمر — قتل رسولؐ کے ارادے سے
- فاطمہ اور سعید کا جوش ایمان
- عمر دربار رسالت میں
- عمرؓ کی ایمانی غیرت وحمیت
- مسلمانوں کا مکمل بائیکاٹ
- مسلمانوں کا غیر معمولی صبر واستقلال
- آل مطلب کی غیرت وحمیت
- عہد نامہ چاک ہوگیا
- ابوطالب بستر موت پر
- چچا اور بھتیجے کی آخری گفتگو
- بی بی خدیجہ جوار رحمت میں

(۱)

اللہ کے لیے گھر بار چھوڑ کر دوسری جگہ بس جانے کا نام ہجرت ہے۔ جب عرب کی سرزمین مسلمانوں کے لیے تنگ ہوگئی۔ وہاں رہنا ان کے لیے دوبھر ہوگیا۔ تو پیارے نبیؐ نے مخلص ساتھیوں سے فرمایا: ''خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔ اپنے لیے کوئی اور جگہ تلاش کرو۔ ہوسکتا ہے ظالموں سے نجات مل جائے اور تم آرام سے بسر کرسکو۔''

''اللہ کے رسول! آپ ہی بتائیں، ہم کہاں جائیں؟'' ساتھیوں نے عرض کیا؟

حضورؐ: جبشہ چلے جاؤ۔ وہاں کا بادشاہ انصاف پسند ہے۔ کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا۔ لوگ وہاں سکھ چین سے رہتے ہیں۔''

حبشہ افریقہ کا ایک مشہور ملک ہے۔ پہلے اس کا نام حبشہ تھا۔ اب اسے ایثوبیا (Ethiopia) کہتے ہیں یہ عرب سے بہت قریب ہے۔ دونوں کے درمیان بس ایک سمندر حائل ہے۔ اس سمندر کا نام ہے بحر احمر۔ وہاں کے بادشاہ کو نجاشی کہتے تھے۔ اس وقت جو نجاشی تھا وہ عیسائی مذہب کا پیرو تھا۔ نام اس کا اَصحمہ تھا۔

رجب کا مہینہ تھا۔ نبوت کا پانچواں سال تھا۔ اشارہ پاتے ہی بہت سے مسلمانوں نے حبشہ کا رخ کیا۔ دو، دو، چار، چار کر کے انھوں نے عرب کو خیر باد

کہا۔ حبشہ پہنچے تو اُصحمہ نجاشی نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اپنے یہاں بڑی عزت سے بسایا۔ ہر طرح کا آرام بہم پہنچایا۔

قریش کو خبر ہوئی تو بہت جز بز ہوئے جیسے تن بدن میں آگ لگ گئی!

ایسا کیوں تھا؟ مسلمانوں نے ان کا کیا بگاڑا تھا؟ بے چاروں نے اپنا گھر بار ہی تو چھوڑا تھا۔ ان کے جانے سے قریش کو سکون بھی تو مل گیا تھا!

بات یہ تھی کہ قریش ڈرتے تھے۔ وہ سوچتے تھے، کہیں باہر سے انہیں مدد مل گئی تو...... کیا بنے گا؟! تب تو ہم بے بس ہو جائیں گے اور ان کے لیے میدان بالکل صاف ہو جائے گا۔

پھر تو ان کی آواز ہر طرف گونج اُٹھے گی۔ جدھر دیکھو، اسلام کا ہی بول بالا ہوگا اور...... اور بتوں کے لیے قیامت آجائے گی۔

فوراً انہوں نے شاہ حبشہ کے پاس دو سفیر بھیجے۔ ایک اَبُورَبیعَہ کا بیٹا عبداللہ تھا، دوسرا عاص کا بیٹا عمرو۔ یہ لوگ گئے تاکہ بادشاہ کے کان بھریں اور مسلمانوں کو پکڑ کر پھر اپنے یہاں لے آئیں۔ بادشاہ کو لبھانے کے لیے قیمتی تحفے بھی لے گئے۔

حبشہ پہنچے تو پہلے درباری پادریوں سے ملے۔ دونوں کی اسکیم تھی، پہلے انہی کو ہموار کیا جائے، اس غرض سے انہیں بھی کچھ تحفے تحائف دیے۔

پھر وہ دونوں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بڑی نیاز مندی سے تحفے پیش کیے اور عرض کیا:

”بادشاہ سلامت! ہمارے یہاں سے کچھ مجرم بھاگے ہیں۔ انہوں نے حضور والا کے یہاں پناہ لی ہے۔ انہوں نے قومی دین سے بغاوت کی ہے۔ حضور والا کا دین بھی نہیں اپنایا ہے۔ ایک نیا ہی دین لیکر اٹھے ہیں۔ اس کو نہ ہم جانتے ہیں نہ حضور والا۔ گھر گھرانے والے ان سے عاجز آچکے ہیں۔ انہیں لینے

کے لیے انہوں نے ہمیں بھیجا ہے۔ وہ ان کی رگ رگ سے واقف ہیں۔ ان کے عزائم کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔"

پادریوں نے تائید کی۔ پرزور انداز میں بولے:

"جہاں پناہ! یہ لوگ سچ کہتے ہیں۔ واقعی کچھ مجرم یہاں گھس آئے ہیں۔ انہیں ضرور ان کے حوالے کر دیا جائے۔"

لیکن نجاشی نے انکار کیا: "نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا۔ جن لوگوں نے ہمارے یہاں پناہ لی ہے، ہمارے پاس رہنا پسند کیا ہے، انہیں اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع ملنا چاہیے ورنہ ناانصافی ہوگی۔ وہ لوگ ہیں کہاں؟ میں ان کی بھی باتیں سنوں گا۔ وہ جہاں کہیں بھی ہوں، حاضر کیے جائیں۔"

یہی چیز تھی جس سے سفیر سب سے زیادہ گھبرا رہے تھے۔

مسلمان حاضر کیے گئے، بادشاہ نے سوال کیا:

"سنا ہے تم لوگوں نے اپنا قومی دین چھوڑ دیا ہے۔ میرا دین بھی نہیں اپنایا ہے۔ اور جو دوسرے دین ہیں، ان سب سے بھی بیزار، ہو تو کیا کوئی نیا دین لے کر اٹھے ہو؟ آخر وہ کیسا دین ہے؟ معاملے کی وضاحت کرو۔"

ابوطالب کے بیٹے حضرت جعفرؓ موجود تھے۔ انہوں نے اپنی اور سب کی ترجمانی کی:

"اے بادشاہ! ہم لوگ جاہل تھے۔ بت پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ بدکاری کرتے تھے۔ پڑوسیوں کو ستاتے تھے۔ آپس میں جھگڑتے تھے۔ طاقتور کمزوروں کو چوستے تھے۔ اللہ نے ہم پر رحم کیا۔ اس نے ہم میں ایک رسول بھیجا اس رسول پر ایک کتاب بھی نازل کی۔ ہم اس رسول کے خاندان کو اچھی طرح جانتے تھے۔ اس کی سچائی اور پاکبازی سے واقف تھے۔ اس نے ہمیں سچے دین

کی دعوت دی۔اس نے کہا:

''ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔ بے جان مورتیوں کو پوجنا چھوڑ دیں۔ سچ بولیں۔ ایماندار بنیں۔ صلہ رحمی کریں۔ پڑوسیوں کو آرام پہنچائیں۔ ظلم سے باز آئیں۔ بدکاری چھوڑ دیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ شریف عورتوں پر تہمت نہ لگائیں۔نماز پڑھیں۔خیرات دیں۔''

ہم نے اس رسول کو سچا جانا۔اس پر ایمان لے آئے۔اللہ کی طرف سے اس نے جو کچھ بتایا، جان و دل سے تسلیم کرلیا۔

بس یہی وہ جرم ہے، جس پر قوم ناراض ہوگئی۔ہم کو بے دردی سے ستانے لگی کہ اس دین سے ہم پھر جائیں اور پھر غلط راہوں میں بھٹکتے پھریں۔ جب ہم تنگ آگئے۔وہاں سانس لینا دوبھر ہوگیا، تو ہم نے آپ کے ملک میں پناہ لی، کہ شاید یہاں چین نصیب ہوجائے۔ظلم وستم کا سایہ سر سے ٹل جائے۔''

نجاشی: ''اس پر جو کلام اترا ہے، میں بھی سننا چاہتا ہوں۔تمہارے پاس کچھ ہوتو سناؤ''

حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی آیتیں سنائیں۔نجاشی پر بہت اثر ہوا۔اس پر رقت طاری ہوگئی اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو ابل پڑے۔ وہ اتنا رویا کہ ڈاڑھی بھیگ گئی۔ جتنے پادری تھے، ان سب کا بھی دل پگھل کر رہ گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔روتے روتے ان کی بھی ڈاڑھیاں اور صحیفے تر ہوگئے۔ آیتیں سن کر نجاشی نے کہا:

''خدا کی قسم! یہ اور عیسیٰ کا کلام دونوں ایک ہی چشمے سے نکلی ہوئی دو نہریں ہیں۔یہ ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں۔''

اس نے قریش کے سفیروں سے کہا: ''واپس جاؤ۔ بخدا اب یہ لوگ تمہارے

ساتھ نہیں جائیں گے۔''

اس طرح اس کو مسلمانوں سے خاص ہمدردی ہوگئی۔ انہیں ظالم دشمنوں کے حوالے کرنا اس نے گوارا نہ کیا۔ اس نے قریش کے قیمتی تحفوں کو یہ کہتے ہوئے نفرت وحقارت سے ٹھکرا دیا: ''اگر تم لوگ مجھے ایک پہاڑ کے برابر بھی سونا دو، تب بھی ان لوگوں کو تم لوگوں کے حوالے نہیں کر سکتا!''

سفیروں نے اسے بہت ورغلایا، لیکن اس نے ان کی ایک نہ سنی۔ وہ دونوں اپنا سا منہ لیے واپس آئے۔ مسلمان حبشہ میں آرام واطمینان سے رہتے رہے۔

۲

''مسلمان زور پکڑتے جا رہے ہیں۔ اسلام کے لیے راہیں کھلتی جا رہی ہیں۔'' یہ سوچ کر مشرک تڑپ تڑپ اٹھتے۔

ایک دن وہ اکٹھا ہوئے۔ آپس میں ایک کانفرنس کی۔ مغیرہ کا بیٹا ولید صدر بنا۔ یہ بہت بوڑھا تھا۔ پوری قوم میں ہردلعزیز تھا۔ کانفرنس میں محمدؐ کی بات چھڑ گئی۔ ولید نے کہا:

''حج کے دن قریب آ گئے۔ باہر سے اب وفد آئیں گے۔ محمد کا تو چرچا ہے ہی۔ اس کے بارے میں تحقیق کریں گے۔ آپس میں ایک بات طے کر لو اور سب لوگ مل کر وہی بات کہو۔ دیکھو، ایک دوسرے کی الٹی مت کہنا ورنہ لوگ سمجھ جائیں گے، تم جھوٹے ہو۔ پھر سارا کھیل بگڑ جائے گا۔''

قریش: ''عبدِ شمس کے باپ! پھر ہمیں کوئی ایک بات بتا دیجیے۔ ہم سب وہی کہیں گے۔''

ولید: ''نہیں، پہلے تم بتاؤ۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟
قریش: ''ہم کہیں گے، محمد کاہن ہے۔''
ولید: ''نہیں، خدا کی قسم وہ کاہن نہیں ہے۔ ہم نے بہتیرے کاہن دیکھے ہیں۔ کاہنوں کے بہت کلام سنے ہیں۔ کاہنوں کے گیت اور ان کے کلام دوسرے ہی رنگ کے ہوتے ہیں۔''
قریش: ''تو ہم کہیں گے، وہ مجنوں ہے۔''
ولید: ''نہیں، وہ مجنوں نہیں ہے۔ ہم نے جنون کو خوب دیکھا پہچانا ہے۔ اس کے اندر ایک علامت بھی نہیں۔ مجنونوں کی سی کوئی کیفیت نہیں۔''
قریش: ''تو ہم کہیں گے، وہ شاعر ہے۔''
ولید: ''وہ شاعر بھی نہیں۔ ہم نے زمین شعر کی خوب خاک چھانی ہے۔ ساری بحروں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس کا کلام شعر نہیں ہو سکتا۔''
قریش: ''تو ہم کہیں گے، وہ جادوگر ہے۔''
ولید: ''وہ جادوگر بھی نہیں۔ ہم نے بہتیرے جادوگر دیکھے ہیں۔ جادو کے بیسیوں کرتب دیکھے ہیں۔ یہ جادوگروں کا ٹونا منتر نہیں۔''
قریش: (بڑی حیرانی کے ساتھ)
''پھر! ہم کیا کہیں عبد شمس کے باپ؟!''
ولید: ''خدا کی قسم اس کے کلام میں بلا کی مٹھاس ہے! وہ گویا ایک ایسا درخت ہے جس کی جڑیں بہت گہری اور مضبوط ہیں۔ شاخیں انتہائی میٹھے اور لذیذ پھلوں سے لدی ہیں! جہاں تم نے ان میں سے کوئی بات کہی، سارا پول کھل جائے گا۔ جو سنے گا، سمجھ جائے گا، یہ جھوٹا پروپیگنڈا ہے۔
سب سے لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ وہ جادوگر ہے۔ جادو اثر کلام لے کر آیا

ہے۔ اس سے وہ باپ بیٹے میں، بھائی بہن میں، بیوی شوہر میں اور خاندان، خاندان میں پھوٹ ڈال رہا ہے۔''

سب یہ رائے سن کر بہت خوش ہوئے۔ جلسہ برخاست ہو گیا۔ طے ہو گیا۔ حاجیوں کے قافلے آئیں گے تو سب یہی پروپیگنڈہ کریں گے۔

حج کا زمانہ آ گیا۔ حاجیوں کے قافلے بھی آ گئے۔ اب وہ ہر وقت تاک میں رہتے۔ جہاں موقع پاتے، ان کے کان بھرتے۔ جس کو دیکھو، زبان پر یہی الفاظ تھے:

''محمد جادوگر ہے۔ جادو اثر کلام لے کر آیا ہے۔''

قافلے لوٹ کر اپنے یہاں گئے۔ سب کو آپؐ کی خبر دی۔ اس طرح پورے عرب میں آپؐ کا چرچا ہو گیا۔ بہتوں کو حقیقت حال جاننے کا بھی شوق ہوا۔ اور وہ اسی دھن میں گھر سے نکل پڑے۔

آسمان کا تھوکا اپنے منہ پر آتا ہے۔ مشرکوں نے آپؐ کے خلاف سازش کی۔ وہ سازش خود ان کے سر آ پڑی۔ اسلام کو مٹانے کی کوشش کی۔ اس سے اسلام کی اور ترقی ہوئی!!

سارے عرب میں آپؐ کا شہرہ ہو گیا۔ اس کے اثرات بہت دور دور تک پہنچے۔ مشرکوں کو سب سے زیادہ ڈر اسی کا تھا۔ کہتے تو وہ یہ تھے کہ ہمیں آبائی دین عزیز ہے۔ جان لڑا کر اس کی حفاظت کریں گے۔ لیکن اصل بات کچھ اور تھی۔ دین سے زیادہ ان کو دنیا کی فکر تھی۔

عرب بالکل آزاد زندگی گزارتے آئے تھے۔ وہاں نہ کوئی اصول تھا نہ قانون۔ جو جی میں آتا تھا، کرتے تھے۔ ہر طرف بے حیائی اور بدکاری عام تھی۔ شراب نوشی اور جوئے بازی کا بازار گرم تھا۔ لوگ انجام سے آنکھیں بند کیے رنگ رلیوں میں مست تھے۔ پیارے نبی کی دعوت ان برائیوں کے خلاف ایک زبردست للکار تھی۔

پھر یہی نہیں، مکہ بتوں کا گڑھ تھا۔ لوگ دور دور سے زیارت کو آتے۔ قریش ہی ان بت خانوں کے مہنت تھے۔ ان آستانوں کے مجاور تھے۔ ان کو بھی نذرانے ملتے۔ مختلف چالوں سے یہ اچھی طرح لوٹتے بھی۔ اسلام کا پھیلنا اس کاروبار کے لیے ایک خطرہ تھا۔ بھلا اب وہ نچلے کب بیٹھ سکتے تھے۔

''نہیں...... اب ہم خاموش نہیں رہ سکتے۔ آج سے برداشت نہیں کر سکتے۔ اب ہمدردی کا کوئی سوال نہیں۔ چاہے محمد ہو یا اس کے ساتھی!''

کچھ مسلمان ایسے بھی تھے۔ جو مشرکوں کے غلام تھے۔ یہ ظالم انہیں بہت ہی بے دردی سے ستاتے۔ چاہتے کسی طرح یہ اسلام سے پھر جائیں۔ مسلمانوں سے یہ بے رحمیاں دیکھی نہ جاتیں۔ بے اختیار تڑپ تڑپ اٹھتے۔ جو لوگ کچھ مالدار ہوتے، ان مظلوموں کو خرید خرید کر آزاد کر دیتے۔

مشرکوں نے دیکھا، اس طرح تو مسلمانوں کی طاقت اور بڑھ رہی ہے۔ انہوں نے غلاموں کو بیچنا بند کر دیا۔ سوچا، خوب ناک میں دم کریں، خود ہی ساری مستی بھول جائیں گے۔

جو مسلمان پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ حبشہ نہیں جا سکے تھے۔ ان کو یہ ظالم پہلے سے زیادہ ستانے لگے۔

وہی لوگ کیا؟ خود آپؐ کو بھی اور زیادہ ستانے لگے۔ اور ظلم کی بھٹی میں تپانے لگے۔ حالانکہ ابوطالب کھل کر آپؐ کے ساتھ تھے۔ تمام اہلِ خاندان بھی آپؐ کے ہی طرفدار تھے۔

(۳)

پیارے نبیؐ نے دعا فرمائی تھی: ''خدایا! خطاب کے بیٹے عمرؓ یا ہشام کے بیٹے

عمرو کو ہدایت دے۔ ان دونوں میں جو بہتر ہو اس کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دے۔'' آپؐ کا خیال تھا، اس طرح اسلام کی مظلومی کافی حد تک دور ہو جائے گی۔

عمر کی اُٹھتی ہوئی جوانی تھی۔ وہ عزم وحوصلے کا پتلا تھا۔ طاقت بے پناہ تھی۔ کسی سے ڈرتا نہ تھا نہ کسی سے دبتا تھا۔ جو کرنے کا ارادہ کر لیتا، کر کے ہی دم لیتا۔ یہی وجہ ہے، وہ اسلام دشمنی میں بھی آگے آگے تھا۔ مسلمانوں کے لیے سنگ دلی اور بے رحمی کا نمونہ تھا۔ کوئی باندی اسلام لے آتی اور اس کے ہاتھ لگ جاتی تو بے تحاشا پیٹتا۔ مارتے مارتے جب تک تھک نہ جاتا، ہاتھ نہ روکتا۔ تھک کے چور ہو جاتا تو کہتا:

''میں نے تو تھک کر چھوڑ دیا ہے۔ ذرا دم لے لوں، پھر تیری کھال ادھیڑوں''

سخت مزاجی اور بے رحمی کا یہ عالم تھا لیکن ساتھ ہی سینے میں دردمند دل تھا۔ وہ رشتہ داروں کا بہت ہمدرد تھا۔ گھر والوں پر انتہائی مہربان تھا۔ اس کو خبر ہوئی، بہت سے مسلمان حبشہ ہجرت کر گئے تو دل کو سخت چوٹ لگی۔ اور جب یہ سنا کہ نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دے دی، مکے سے گئے ہوئے دونوں سفیر ناکام لوٹ آئے تو وہ سر پیٹ کے رہ گیا۔ آنکھوں میں خون اتر آیا اور کنپٹی کی رگیں غصے سے تھرائیں: ''محمد ہی بس کی گانٹھ ہے۔ اسی نے قریش میں پھوٹ ڈالی ہے۔ اسی نے خاندانوں میں خلیج کھودی ہے۔ اسی نے اپنوں کو باہم ٹکرایا ہے۔ ہاں، تو اب اس کا سر قلم کر کے ہی دم لوں گا!''

وہ کمر سے تلوار لگا کر گھر سے نکلا اور تیزی سے چل پڑا کہ آج آپؐ کا قصہ ہی پاک کر دے اور روز روز کی فکر اور بے چینی سے سب کو نجات مل جائے۔

راستے میں بنی عدی کے ایک آدمی سے ملاقات ہوگئی۔ یہ نعیم بن عبداللہ تھے۔ پہلے ہی اسلام لا چکے تھے۔ لیکن کسی کو خبر نہ تھی۔ وہ ظلم وستم کا جانکاہ منظر اپنی

آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اس لیے کھل کر سامنے نہیں آ رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا، عمر بہت جوش میں ہے۔ کمر سے تلوار بھی لٹک رہی ہے۔ پوچھا:

''خطّاب کے بیٹے! کدھر چل دیے؟!''

عمر: ''اسی بد دین کے پاس جو ہمارے دیوتاؤں کی توہین کر رہا ہے۔ جو قبیلوں کا سارا نظام درہم برہم کر رہا ہے۔''

نُعَیم عمر کا غصہ جانتے تھے۔ سوچا، کہیں سچ مچ آپؐ کی جان خطرے میں نہ پڑ جائے۔ کسی طرح عمر کا رخ بدلا جائے۔ فوراً ایک تدبیر ذہن میں آئی، بولے:

''عمر! کس دھوکے میں ہو؟ محمد کو قتل کرو گے تو عبد مناف تمہیں جیتا چھوڑ دیں گے؟! اور ذرا پہلے گھر کی تو خبر لے لو!!''

عمر: ''کیا کہا؟!...... میرے گھر میں کون؟!''

نُعَیم: بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو گئے ہیں۔ محمد کا دین قبول کر لیا ہے۔ پہلے ان سے تو نبٹ لو۔

عمر ہکّا بکّا رہ گیا۔ جیسے سارے بدن میں آگ لگ گئی۔ بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے تھے۔ اسی کے لیے جینے مرنے کا فیصلہ کر چکے تھے مگر عمر بے خبر تھا کیونکہ انہوں نے اب تک چھپایا تھا۔

عمر فوراً بہن کی طرف پلٹا۔ سینہ سلگ رہا تھا اور غصے سے رگیں پھول آئی تھیں۔

وہاں پہنچا تو اندر سے کچھ پڑھنے کی آواز آئی۔ وہ بے تحاشا دروازہ پیٹنے لگا۔ گھر کے لوگ گھبرا گئے۔ انہوں نے پوچھا: ''کون؟''

جواب ملا: ''میں ہوں، عمر۔ جلدی سے دروازہ کھولو!''

''عمر'' سننا تھا کہ لوگ چونک اُٹھے۔ خوف سے بدحواس ہو گئے۔ اِدھر اُدھر چھپنے لگے۔ عمر کی بہن کا نام تھا فاطمہؓ اور بہنوئی کا سعیدؓ۔ یہ دونوں خبابؓ سے

قرآن پڑھتے تھے۔ خبابؓ کو خود پیارے نبی نے متعین کیا تھا۔ جو آیتیں نازل ہوتیں، یہ پڑھ کر سناتے اور وہ دونوں یاد کر لیتے۔ اس وقت خبابؓ سورۂ طٰہٰ پڑھ رہے تھے۔ عمر کی آواز سنتے ہی اندر چھپ گئے۔ جس صحیفہ سے وہ پڑھ رہے تھے، فاطمہؓ نے اپنے پیچھے چھپا لیا۔ شوہر ہمت کر کے آگے بڑھے اور جا کر دروازہ کھولا۔

عمر ایک غضب ناک شیر کی طرح اندر آیا۔ عقابی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا، کہ ابھی جو آواز کانوں میں پڑی، وہ کہاں سے آئی لیکن بہن اور بہنوئی کے علاوہ سامنے کوئی نہ تھا۔ کڑک کر پوچھا:

''ابھی آواز کہاں سے آ رہی تھی؟! وہ کیسی آواز تھی؟!''

خوف سے تو برا حال تھا۔ سچ سچ بتانے کی ہمت نہ ہوئی۔ جھٹ بولے: ''یہاں تو کچھ بھی نہیں۔ کوئی بھی نہیں۔''

عمر زور سے گرجا: ''چھپاؤ نہیں۔ کیا سمجھتے ہو، تمہارے اسلام سے میں بے خبر ہوں؟''

یہ کہہ کر وہ بہنوئی کی طرف بڑھا۔ بے تحاشا انہیں پیٹنے لگا۔ فاطمہؓ سے یہ دیکھا نہ گیا۔ بڑھ کر شوہر کو بچانے لگیں۔ اب عمر نے بہن کو مارنا شروع کر دیا۔ اتنا مارا کہ سر پھٹ گیا۔ آگ کو جتنا ہی پیٹو، اوپر اٹھتی ہے۔ عمر کی مار سے جوش عقیدت کی آگ اور بھڑک اٹھی۔ فاطمہؓ اور ان کے شوہر چیخ اُٹھے:

''ہاں، ہم اسلام لے آئے ہیں۔ اسلام پر جینے اور مرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اب دنیا کی کوئی طاقت ہمیں ہٹا نہیں سکتی۔ ہاں، اب ہم مسلم ہیں۔ اسلام کی لذت سے سرشار ہیں۔ اس کے لیے سب کچھ جھیلنے کے لئے تیار ہیں۔ تمہارا جو جی چاہے، کر لو!!

یہ آواز...... بے انتہا عزم وسوز میں ڈوبی ہوئی آواز...... دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی آواز براہِ راست عمر کے دل سے ٹکرائی۔ اب عمر آگ سے پانی تھے۔ پتھر سے موم تھے۔ بے رحم ہاتھ چلتے چلتے رک گئے بہن کے سر سے خون کے فوارے جاری تھے۔ عمر کا دل یہ دردناک منظر دیکھ کر پسیج گیا۔ فوراً شرم سے سر جھک گیا۔ یکایک نظر اس صحیفہ پر پڑی جس سے خبابؓ پڑھ رہے تھے۔

''اچھا، یہی تم دونوں پڑھ رہے تھے۔ ذرا دینا میں بھی دیکھوں۔'' عمر کے لہجے میں اب بڑی نرمی آچکی تھی۔

بہن: ''مجھے ڈر ہے، تمہارے ہاتھ لگ گیا تو پھر ملے گا نہیں۔''

عمر: اطمینان رکھو۔ قسم کھا کر کہتا ہوں، ضرور واپس کر دوں گا۔''

فاطمہؓ نے وہ صحیفہ عمر کو دے دیا۔ دل میں یہ تمنا چٹکیاں لے رہی تھی، کاش یہ اسلام لے آئے۔

عمر نے صحیفہ کو ہاتھ میں لیا۔ غور سے دیکھا۔ پڑھتے ہی دل کانپ اُٹھا۔ اس کی عظمت وجلال کے احساس سے لرز اٹھا۔ بے اختیار زبان سے نکلا:

''کتنا اعلیٰ اور پاکیزہ کلام ہے یہ!!''

خبابؓ قریب ہی چھپے ہوئے تھے۔ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے۔ فوراً سامنے آگئے۔ بڑی ہی مسرت اور اطمینان کے لہجے میں فرمایا:

''عمر! رسول خدا نے دعا فرمائی تھی۔ '' خدایا! ہشام کے بیٹے ابوالحکم یا خطاب کے بیٹے عمر سے اسلام کی مدد فرما۔''

عمر! خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں، اللہ نے تمہارے لیے یہ دعا سن لی۔

عمر! اب اللہ سے جڑ جاؤ۔ اب اس کے در کو نہ چھوڑو۔''

عمر: ''اچھا خباب! بتاؤ، محمد کہاں ہیں؟ جاتا ہوں، اب میں مسلمان ہو جاؤں

گا۔اب مجھے روشنی مل گئی۔سچائی مجھ پر واضح ہوگئی۔اب تک میں بڑی بھول میں تھا۔آج میرا دل مطمئن ہوگیا محمد واقعی نبی ہیں۔وہ جو کلام لے کر آئے ہیں، وہ سچ مچ خدا کا کلام ہے۔''

خوشی سے خبابؓ کا دل کِھل اُٹھا۔بولے:''آپ کو وہ صفا پر ارقمؓ کے گھر میں ہیں۔''

اللہ، اللہ!......فاطمہؓ کی زندگی کا یہ کتنا پر مسرت لمحہ تھا!اور سعیدؓ کی خوشی کا کیا عالم تھا!آج فاطمہؓ کا بھائی اور سعیدؓ کا سالا اسلام کی گود میں تھا!!

عمر آئے تو مشرک تھے۔خون محمدؐ کے پیاسے تھے۔جا رہے تھے تو خدا کے......تنہا خدا کے غلام تھے اور محمد کے سچے جاں نثار تھے۔دوڑے جا رہے تھے کہ آپؐ کو اپنا آقا بنالیں۔مبارک قدموں میں اپنا سر ڈال دیں!!

عمر ارقمؓ کے گھر پہنچے تو کواڑ بند تھے۔کنڈی کھٹکھٹائی تو بلالؓ کی آواز آئی:''کون؟''......جواب ملا:خطّاب کا بیٹا عمر۔

اس وقت رسولِ خدا اپنے کچھ ساتھیوں میں تھے۔حمزہؓ، ابوبکرؓ، بلالؓ اور علیؓ سبھی موجود تھے۔بلالؓ آپؐ کے پاس آئے۔عرض کیا:

''اللہ کے رسول!دروازے پر خطاب کا بیٹا عمر ہے۔اگر کھول دیا تو ڈر ہے یہاں کوئی قیامت نہ کھڑی کر دے۔''

حضورؐ:اسے اندر آنے دو۔اگر نیت ٹھیک ہے تو کیا کہنا۔''

حمزہؓ:''اور اگر بری ہوئی تو اس کو مارنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔''

بلالؓ دروازہ کھولنے گئے۔حمزہؓ بھی ساتھ ہو لیے کہ عمر نے اگر حملہ کیا تو بلالؓ کی مدد کریں گے۔

دروازہ کھل گیا۔عمر اندر آگئے۔حمزہؓ اور بلالؓ جھپٹے اور باہوں میں انہیں جکڑ لیا۔

عمر پر نظر پڑی تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی:

''خدایا! عمر کے دل میں جو کھوٹ ہو، دور کر دے۔ اس کا سینہ نورِ ایمان سے جگمگا دے۔''

''حمزہ! عمر کا ہاتھ چھوڑ دو''۔

''بلال! تم بھی چھوڑ دو۔''

حمزہؓ اور بلالؓ الگ ہو گئے۔ عمر آگے بڑھے۔ حضور اقدس میں کھڑے ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا:

''عمر! کیا جب تک کوئی دردناک عذاب نہ آلے اپنی روش نہیں چھوڑو گے۔ کہو، کیا ارادہ ہے؟!''

عرض کیا: ''ایمان لانے آیا ہوں۔ اب میں مسلمان ہوں۔ آپ کا غلام ہوں۔ خدا کا پرستار ہوں۔ حق کا علمبردار ہوں۔''

یہ کہنا تھا کہ مسلمانوں نے زور کا نعرہ لگایا۔ اس زور کا نعرہ لگایا کہ گھر کی دیواریں ہل گئیں، اور مکے کی پہاڑیاں گونج اٹھیں:

اللہ اکبر......!! اللہ اکبر......اللہ اکبر!!

تھوڑی دیر کے لیے عجیب سماں بندھ گیا۔ پوری فضا پر اک رعب اور اک جلال چھا گیا۔

یہ ایک فقرہ تھا جو بے اختیار زبانوں سے نکل پڑا۔ یہ بتا رہا تھا، ان کو کتنی زیادہ خوشی ہے۔ روح کو کتنا سکون اور دل کو کتنا سرور ہے کیونکہ آج عمرؓ مسلمان تھے۔ آج عمرؓ ان کے ساتھ تھے۔ عمرؓ مسلمان ہوئے تو آپؐ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ان کے سینے پر دستِ مبارک پھیرا اور دُعا کی:

''خدایا! عمر کو ہدایت دے۔ خدایا! عمر کو ثابت قدم رکھ۔''

عمرؓ بھی اب مسلمانوں میں بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ عرض کیا:

''اللہ کے رسول! کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔ چاہے مریں، چاہے جییں؟!!''

فرمایا: ''کیوں نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم حق پر ہو، مرنے اور جینے سے کیا ہوتا ہے؟!''

عرض کیا: ''پھر چھپنا کیسا اے اللہ کے رسول؟!''

فرمایا: ''ہم تھوڑے ہیں دشمن بہت ہیں۔''

عرض کیا: ''خدا کی عبادت اور چھپ کر کی جائے، بخدا یہ نہ ہوگا۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ جن جن مجلسوں میں اب تک کفر کے گن گائے ہیں، اب وہاں وہاں جا کر اسلام کے نعرے لگاؤں گا۔''

آپؐ نے ساتھیوں کی دو صفیں بنائیں۔ ایک کے امیر حضرت عمرؓ تھے اور دوسری کے حضرت حمزہؓ۔ بہادر جوانوں کی دونوں صفیں کعبے کی طرف بڑھیں۔ وہاں پہنچ کر نماز ادا کی۔ پھر اس زور کا نعرہ لگایا کہ مکے کی پہاڑیاں دہل گئیں:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

آج ماہ اسلام کی تابانی کا پہلا دن تھا۔ آج پہلی بار اسلام پوری شان وشوکت سے نمودار تھا۔

اس دن قریش کو جتنا رنج وملال ہوا اور کبھی نہ ہوا تھا۔

مسلمانوں کو جتنی خوشی تھی، اس سے کہیں زیادہ خوشی حضرت عمرؓ کو تھی کہ آج دنیا کی سب سے بڑی دولت انہیں حاصل تھی۔

حضرت عمرؓ نے گھوم گھوم کر اسی رات اپنے اسلام کا اعلان کیا اور لوگوں کو بھی اسلام لانے کی دعوت دی۔ آج تک جو دلیری اور بیباکی اسلام سے روکنے میں صرف ہو رہی تھی، آج وہی دلیری وبے باکی اس کی تبلیغ میں نمایاں تھی۔

ابوجہل ان کا ماموں تھا۔ اس کے یہاں بھی گئے۔ ہاں، وہی ابوجہل جو اسلام کے نام سے ہی جلتا...... جو آپؐ کے لیے ہر آن آگ بگولہ رہتا۔ گھر کی

کنڈی کھٹکھٹائی تو وہ باہر آیا۔ بہت ہی پیار و محبت سے ملا:

''خوش آمدید بھانجے! کہو کیسے آئے؟!''

''بس یہ بتانے آیا ہوں کہ اب میں مسلم ہوں۔ میں اللہ واحد پر ایمان لے آیا۔ محمد کو نبی مان لیا اور ان کی باتوں کو تسلیم کر لیا۔'' عمرؓ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے ایمان کا اعلان کر دیا!

ابوجہل کے ذہن و دماغ پر جیسے بجلی گر گئی۔ اس نے زور سے دروازہ پیٹا اور کڑک کر بولا: ''خدا تجھے غارت کرے۔ تیرے دین کا جنازہ اُٹھے۔ تو اس وقت کیسی منحوس خبر لے کر آیا ہے!!

اب قریش عمرؓ پر پل پڑے۔ ان کو ستانے اور تنگ کرنے لگے۔ عمرؓ بھی تلوار سے ان کا مقابلہ کرتے رہے۔ کافروں میں ہوتے ہوئے بھی ڈر نام کو نہ تھا۔ بار بار شیر کی طرح گرجتے اور پوری بے باکی سے کہتے:

''سن لو، میں گواہی دیتا ہوں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے سچے رسول ہیں۔ کوئی بھی ہلا تو سر قلم کر دوں گا۔''

اسی موقع پر پیارے نبیؐ نے حضرت عمرؓ کو فاروق کا خطاب دیا کہ اللہ نے ان کے ذریعہ حق اور باطل میں فرق کیا۔

یہ نبوت کا چھٹا سال تھا۔ حضرت حمزہؓ کو مسلمان ہوئے ابھی تین ہی دن ہوئے تھے کہ حضرت عمرؓ بھی اسلام لے آئے۔

(۴)

اب دن بہ دن مسلمانوں کا زور بڑھ رہا تھا۔ لوگ رفتہ رفتہ اسلام کی طرف

کھنچ رہے تھے۔ تو کیا قریش ہاتھ پاؤں مار کر بیٹھ رہے؟ نہیں، وہ برابر اس دھن میں رہے کہ کسی طرح مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دیں۔ جاں نثاروں کو حضورؐ سے بدگمان کر دیں۔

اسی غرض سے وہ ایک روز سر جوڑ کر بیٹھے اور سوچنے لگے، کیا تدبیر کی جائے، محمدؐ کے عقیدت مندوں کا بادل چھٹ جائے۔ سارے جاں نثار گرد کی طرح اُڑ جائیں اور وہ بے بس ہو کر رہ جائے۔

بہت دیر ہو گئی۔ وہ سوچتے رہے۔ غور کرتے رہے۔ آخر میں رائے ہوئی، محمد کا بائیکاٹ کیا جائے، مکمل بائیکاٹ۔ آپؐ سے اور آپؐ کے ساتھیوں سے کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔ نہ کوئی شادی بیاہ کرے نہ خرید و فروخت کرے، نہ کھانے پینے کا کوئی سامان دے اور نہ کسی طرح کا لین دین کرے۔

اس رائے کی سب نے تائید کی۔ بات اور پکی کرنے کے لیے ایک تحریری معاہدہ بھی ہوا۔ جس میں انہی ناپاک عزائم کا تذکرہ تھا۔ معاہدہ کعبے میں لٹکا دیا گیا کہ ہر ایک اس کا احترام کرے۔ نہ کوئی اس کی خلاف ورزی کرے نہ اسے ہاتھ لگانے کی جرأت کرے۔

پھر قریش کے کچھ سردار آلِ مطلب کے پاس گئے۔ اور انہیں دھمکی دی:

"دو شکلیں ہیں، یا تو محمد کو ہمارے حوالے کر دو۔ ہم اسے قتل کر دیں۔ اس طرح تمہیں بھی آرام مل جائے گا۔ ہمیں بھی چین نصیب ہو جائے گا۔ تمہیں بہت سا خون بہا بھی دیں گے۔ اگر اس پر راضی ہو جاؤ تو کیا کہنا ورنہ ہم تمہارا بائیکاٹ کریں گے۔ نہ تم سے خرید و فروخت کریں گے نہ اور کوئی لین دین۔ نتیجہ کیا ہو گا؟ تڑپ تڑپ کر مر جاؤ گے۔ کہو، کیا خیال ہے؟"

آلِ مطلب یہ سوچنے کو بھی تیار نہ تھے کہ آپؐ کو بے رحم ہاتھوں میں دے دیا

جائے اور وہ اپنے دل کے ارمان پورے کریں۔ آپؐ ان کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھے۔ آپؐ ان کو جان سے بھی زیادہ عزیز تھے۔ انہوں نے قریش کی دھمکیوں کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔ صاف صاف کہہ دیا:

''ہر بات گوارا ہے، محمد کو چھوڑنا گوارا نہیں۔''

مشرکین نے کہا: ''تو ٹھیک ہے۔ آج سے ہم تمہارے دشمن تم ہمارے دشمن! اور اب ہم تمہارا محاصرہ کریں گے۔''

قریش نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ بھوکوں مارنے کی مہم شروع کر دی۔ بنی ہاشم آلِ مطلّب کے رشتے دار تھے۔ اس لیے وہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ صرف ابولہب نے بے وفائی کی۔ اس نے پورے خاندان کی مخالفت کی اور قریش کی طرفداری کی، کیونکہ یہ خاندان سے بے زار تھا۔ ان کو مصیبت میں دیکھ کر پھولا نہ سماتا تھا۔ پھر یہی وہ بدبخت تھا جس نے قریش کو بائیکاٹ کا مشورہ دیا تھا۔ آل مطلّب سے لین دین نہ کرنے پر اُبھارا تھا۔

محرّم کا مہینہ تھا۔ نبوت کا ساتواں سال تھا۔ ابوطالب پورے خاندان کے ساتھ ایک درّہ میں نظر بند ہو گئے۔ یہی درّہ شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ لوگ دن رات یہیں پڑے رہتے۔ نہ کسی سے کچھ تعلق نہ کوئی لین دین۔ ایک جیل خانہ تھا۔ جس میں وہ مستقل بند رہتے۔ صرف محترم مہینوں میں باہر آتے جبکہ عرب کی ساری جنگیں رک جاتیں۔ لڑائی جھگڑے بند ہو جاتے۔ ہر طرح کے خطرے جاتے رہتے۔ ہر آدمی بالکل آزاد اور بے خطر ہوتا۔

انہی مہینوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی باہر آ جاتے اور پھر دعوت کا کام شروع کر دیتے۔

حاجی انہی دنوں میں مکے آتے۔ تجارت کرنے والے مکے کے قریب ہی

بازار لگاتے اور تجارت کے سامان سجاتے۔ آپؐ ان کے پاس جاتے۔ اُن کو اسلام کی دعوت دیتے۔ بہت ہی درد اور محبت سے فرماتے:

''میرے پیارے بھائیو! خدا کا دین قبول کرلو۔ وہ بہت خوش ہوگا۔ تم پر مہربان ہوگا اور اچھا بدلہ دے گا لیکن اگر کفر و شرک سے چمٹے رہے اور اس دین کو ٹھکرا دیا تو وہ ناراض ہوگا بہت سخت عذاب دے گا۔''

جو لوگ حبشہ میں تھے، انہیں اطلاع ملی، عمر، مسلمان ہو گئے ہیں، اس طرح اسلام کے قدم جم گئے ہیں۔ اس کی مظلومی اور بے کسی ختم ہوگئی ہے۔ مسلمان اب بے جھجک قریش کو اسلام کی دعوت دے رہے ہیں۔ انہیں ان کی گمرہی پر متنبّہ کر رہے ہیں۔ مکے کا کونہ کونہ اب نورِ اسلام سے جگمگا رہا ہے۔ نہ صرف مکہ بلکہ بیرونِ مکہ بھی اس کا ڈنکا بج رہا ہے۔ یہ سن کر وہ خوشی سے بے تاب ہو گئے۔ اتنے خوش ہوئے کہ حبشہ کو خیر باد کہہ دیا اور پھر مکے کا رخ کیا۔

قریب پہنچے تو معلوم ہوا، مسلمان تو نظر بند ہیں۔ قریش کا ان پر پہرہ ہے۔ بڑی تنگی اور مصیبت کا سامنا ہے۔ ایسے میں وہ مکے کیا جاتے اُلٹے پاؤں حبشہ لوٹ گئے۔

درّہ میں پیارے نبیؐ اور مخلص ساتھی پڑے رہے۔ ایک مہینہ نہیں، دو مہینے نہیں، سال چھ مہینے بھی نہیں، مسلسل تین سال پڑے رہے۔ بلائیں امنڈ امنڈ کر آتی رہیں۔ اور سب سہتے رہے۔

جب پانی سر سے اونچا ہوگیا تو آپؐ نے ان ساتھیوں کو بھی ہجرت کی اجازت دے دی۔ مخلص ساتھیوں نے حبشہ کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر اطمینان کا سانس لیا۔ اب مکے میں بس گنے چنے مسلمان رہ گئے۔

جو مسلمان رہ گئے، ان پر ایک عرصے تک دشمنوں کا پہرہ رہا جس کی وجہ سے

ایک ایک لمحہ ان کے لیے عذاب بن گیا۔ لیکن واہ ری غیرت و ہمت! سب کچھ ایک طرف۔ آل مطلب کا جوش وجذبہ ایک طرف۔ بھوک اور فاقے کی سختیاں سہتے رہے مگر آپؐ پر ذرا بھی آنچ نہ آنے دی۔ جی جان سے آپ کی حفاظت کی۔

چچا ابوطالب کی شفقت ومحبت تو قابل دید تھی۔ وہ آپؐ کے پیچھے بالکل دیوانے رہتے جیسے ایک شفیق ماں لختِ جگر کے پیچھے۔ ایک لمحے کے لیے بھی آپؐ سے غافل نہ ہوتے۔ ہمیشہ کلیجے سے لگا کے رکھتے۔ سوتے بھی تو ساتھ سلاتے۔ کبھی کسی مجبوری سے ساتھ چھوڑنا ہی پڑتا تو اپنی جگہ کسی بیٹے کو کر دیتے کہ رات میں جاگ کر آپ کی حفاظت کرے۔

کتنا کٹھن مرحلہ تھا یہ!! سارا ماحول دشمن، دوست عزیز سب سے اَن بَن۔ پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں۔ [1] لوگوں سے کوئی لین دین نہیں۔ گویا ہر وقت موت منہ کھولے کھڑی ہو۔ ایسے میں اللہ نے مدد کی۔ بے کسوں کے لیے انتظام کیا۔ کچھ دلوں کو ان کے لیے نرم کر دیا۔ مسلمانوں کی بے بسی دیکھ کر انہیں ترس آنے لگا۔ وہ چھپ چھپا کر ان کے پاس آتے۔ کچھ کھانے پینے کا سامان دے جاتے۔

انہی لوگوں میں ایک حزام کے بیٹے حکیم تھے۔ بی بی خدیجہؓ ان کی پھوپھی تھیں۔ یہ اپنی پھوپھی کو روٹی سالن دے جاتے۔ حضرت خدیجہؓ خود کھاتیں، اوروں کو کھلاتیں۔

عمر کے بیٹے ہشام بھی ان مسلمانوں کے بڑے ہمدرد تھے۔ اونٹ پہ بہت سا

---

[1] یہ زمانہ اتنا سخت تھا کہ خدا کی پناہ! پتے کھا کھا کر دن گزارے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص مشہور صحابی ہیں۔ وہ بھی اس وقت مسلمان تھے اور اس آزمائش سے دوچار تھے۔ ان کا بیان ہے، ایک بار رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آ گیا۔ میں نے اس کو پانی سے دھویا۔ پھر آگ میں بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا!

کھانا کپڑا لا دیتے۔ رات ہو جاتی تو ان مظلوموں کے پاس آتے۔ اونٹ کو گھاٹی کے باہر ہی بٹھا دیتے۔ اور سارا سامان اندر پہنچا دیتے۔

ہشام برابر ایسا ہی کرتے رہے۔ کچھ دنوں میں قریش کو پتہ چل گیا۔ اب وہ ان کو بھی ستانے لگے لیکن وہ اپنی ہمدردیوں سے باز نہ آئے۔

ہشام نے ایک کام اور کیا۔ وہ ابواُمیّہ کے بیٹے زُہَیر کے پاس گئے۔ یہ عاتکہ کا بیٹا اور عبدالمطلب کا نواسہ تھا۔ ہشام نے کہا:

''زُہیر! تم تو خوب عیش کرو۔ عمدہ سے عمدہ کھانے کھاؤ، اچھے سے اچھے کپڑے پہنو، اور تمہارے ماموں اس طرح رسوائی اور بے کسی کے ساتھ اپنے دن پورے کریں۔ تمہاری غیرت نے یہ کیسے گوارا کرلیا؟!

خدا کی قسم اگر یہ لوگ ابوالحکم (ابو جہل) کے ماموں ہوتے اور تم ایسا کرنے کو کہتے تو وہ ہرگز نہ تیار ہوتا۔''

زُہَیر: اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑے گا! میں تنِ تنہا کرہی کیا سکتا ہوں؟! خدا کی قسم کوئی ساتھ دینے والا ہوتا تو میں اس وحشیانہ معاہدے کو توڑ دیتا۔''

ہِشام: ''کوئی اور مل جائے تو؟!''

زُہیر: وہ کون؟''

''ہشام: میں تمہارا ساتھ دوں گا۔''

زُہیر: ''اچھا ایک اور آدمی تلاش کرو، کوئی اور مل جائے تو اچھا رہے گا۔''

دونوں جوان یہ ظالمانہ معاہدہ توڑنے کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ وہ معاہدہ جو سارے قریش کا معاہدہ تھا اور اب وہ کسی تیسرے کو ڈھونڈنے لگے۔ اللہ نے مدد کی۔ نہ صرف ایک بلکہ تین تین بہادر ان کے ساتھ ہو گئے۔ یہ تینوں قریش کے معزز سردار تھے۔ ایک عدی کے بیٹے مُطعِم تھے۔ دوسرے ہشام کے بیٹے

ابوالبُختری، تیسرے اَسْود کے بیٹے زَمْعہ۔

صبح ہوئی تو ہشام، مُطعِم، ابوالبختری اور زَمْعہ گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ کعبے کے قریب ہی قریش جلسہ جمائے بیٹھے تھے۔ یہ چاروں سردار بھی وہیں جا کر بیٹھ گئے۔ زُہَیر آگئے۔ کعبے کا طواف کیا۔ پھر آ کر بولے:

''مکے والو! ہم تو مزے سے کھاتے پیتے ہیں اور بنی ہاشم ایک ایک نوالے کو ترس رہے ہیں۔ نہ کسی سے لین دین کر سکتے ہیں نہ خرید و فروخت۔ کیا یہ مناسب ہے؟! کیا یہ کوئی انسانیت ہے؟ کیا مروّت اور شرافت کا تقاضا یہی ہے؟! خدا کی قسم میں بیٹھ نہیں سکتا جب تک اس ناپاک معاہدے کی دھجّیاں نہ اُڑ جائیں۔''

یہ سنتے ہی ابو جہل تن کر اٹھا اور کڑک کر بولا: ''تو نے غلط کہا۔ خدا کی قسم یہ ہرگز نہ ہوگا!''

اسی دم زہیر کے سب ساتھی ایک ساتھ بول اُٹھے: ''ہاں، بالکل ٹھیک ہے۔ یہ ہوگا، ضرور ہوگا، ہو کر رہے گا۔''

ابو جہل سمجھ گیا، یہ کوئی سوچی سمجھی اسکیم ہے۔ اس میں بولنا بے کار ہے۔ وہ کلیجہ مسوس کر رہ گیا۔

مُطعِم عہد نامہ پھاڑنے کے لیے آگے بڑھا، دیکھا تو اس کو دیمک چاٹ گئی تھی۔ صرف ایک لفظ باقی تھا جو عہد نامے کے شروع میں تھا۔ وہ لفظ تھا: **باسمك اللهم**: ''اے اللہ! تیرے نام سے۔''

عہد نامہ چاک ہو گیا تو پیارے نبیؐ اور مخلص ساتھی درّے سے باہر آگئے اور پوری سرگرمی سے پھر دعوت کا کام کرنے لگے۔

یہ نبوت کا دسواں سال تھا، جب پیارے نبیؐ اور آپ کے جاں نثار ساتھیوں

کو اس بند غم اور اس قید ستم سے رہائی ملی۔

۵

سر سے نظر بندی کی بلا تو ٹل گئی لیکن جو بلائیں ابھی گھات میں تھیں، اس سے بھی زیادہ سخت اور جاں گسل تھیں۔ ابھی کچھ ہی ماہ گزر رہے تھے کہ ابو طالب بیمار پڑ گئے۔ بعض روایتوں کے مطابق ٦ ماہ بعد بیمار پڑے اور کچھ دوسری روایتوں کے مطابق لگ بھگ نو ماہ بعد۔ حالت بہت نازک ہوگئی۔ قریش کو موت کا گمان ہوا، سمجھ گئے، اب چل چلاؤ کے دن ہیں۔ انہوں نے طے کیا ابو طالب کے پاس چلیں اور کہیں، زندگی ہی میں ہمارے اور محمدؐ کے درمیان کوئی فیصلہ کر دیں کیونکہ موت کے بعد اس پر ہاتھ ڈالیں گے تو اہل عرب عار دلائیں گے۔ کہیں گے، زندگی میں تو ہمت نہ ہوئی، اب چچا مر گیا تو یہ شیر بن گئے!

ابو طالب بستر موت پر پڑے تھے۔ زندگی کے بچے ہوئے سانس پورے کر رہے تھے۔ اسی وقت قریش کے کچھ سردار پہنچے۔ بولے:

"ابو طالب! ہمارے دل میں آپ کا کیا مقام ہے، اس سے آپ بے خبر نہیں۔ ہماری تمنا ہے بھتیجے کے بارے آپ انصاف کریں۔ اس سے کہہ دیں، نہ وہ ہمارے دین کو کچھ کہے نہ ہم اس کے دین کو۔"

ابو طالب نے پیارے نبی کو بلوایا۔ آپؐ کے سامنے قریش کی بات رکھی۔ آپؐ نے فرمایا:

"آپ لوگ صرف ایک فقرہ کہہ دیں اور بس۔ میں اور کچھ نہیں چاہتا۔"

قریش": کون سا فقرہ کہلوانا چاہتے ہو بھتیجے؟! ایک کیا، ہم دس فقرے کہہ دیں۔"

حضورؐ: ''آپ لوگ بس لا الـہ الا اللہ کہہ دیں۔ اس کے علاوہ میں کچھ نہیں چاہتا۔''

یہ سنتے ہی وہ غصہ سے تلملا اُٹھے۔ پھر وہ ایک لمحہ نہیں ٹھہرے۔ فوراً یہ کہتے ہوئے چل دیے:

''یہ شخص تمہاری کوئی بات ماننے کا نہیں۔ اب اس کے ساتھ جو کچھ کرو، سب روا ہے۔ کسی کو اب ملامت کا حق نہ ہوگا۔''

قریش کے اس رویہ سے ابو طالب کو سخت تکلیف ہوئی فرمایا:

''جانِ عمؐ! تم نے کوئی غلط بات تو کہی نہیں، پھر یہ لوگ کیوں اس قدر اکھڑ گئے؟''

چچا ابو طالب کے اس جملے سے حضورؐ کی کچھ امید بندھی۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

چچا جان! قریش نے تو میری بات ٹھکرا دی، مگر آپ تو نہ ٹھکرائیے! آپ ہی یہ کلمہ پڑھ لیجے کہ قیامت کے دن میں آپ کے حق میں گواہی دے سکوں۔ میرے مہربان چچا! لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے۔''

چچا: ''اہلِ عرب طعنے دیں گے، ابو طالب موت سے ڈر گیا۔ بھتیجے! اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو میں تمہاری بات مان لیتا۔ میں باپ دادا کے ہی مذہب پر مروں گا۔''

پیارے نبی کو چچا سے بے پناہ محبت تھی۔ آپؐ کے دل میں ان کی بڑی چاہ تھی۔ جہاں آپؐ ان کے لیے دنیا کی کامیابی چاہتے تھے، وہیں آخرت کی سرخروئی کے بھی متمنی تھے۔ وہ اسلام نہیں لائے تو آپؐ تڑپ کر رہ گئے۔ دل کو بہت سخت چوٹ لگی اور پھر حسرت و غم میں گھلنے لگے۔ یہ حال ہوا تو خدا کی طرف سے وحی ہوئی:

انك لا تهدى من احببت ولكن الله يهدى من يشآء (قصص:۵۶)

(تم جس کو چاہو، ہدایت نہیں دے سکتے، اللہ ہی جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔)

اس طرح ابو طالب مر گئے۔ ہاں، وہی ابو طالب جو آپؐ کے سہارا اور مددگار تھے۔ جو آپؐ کے مونس اور غم گسار تھے اور آپؐ؟ آپؐ قریش کی بے رحمیوں کا نشانہ بننے کے لیے تنہا رہ گئے!!

اس سانحہ کو ابھی کچھ ہی دن ہوئے تھے، ایک روایت کے مطابق ۳ دن اور ایک دوسری روایت کے مطابق ۳۵ دن، کہ ایک دوسرا سانحہ آپؐ کا جگر چیر گیا۔ وہ سانحہ کیا تھا؟ بی بی خدیجہؓ کی وفات۔ آہ! بی بی خدیجہ بھی آپ کو داغ مفارقت دے گئیں۔

وہ خدیجہ، جو آپؐ کی وفادار بیوی تھیں۔ آپؐ کے دکھ درد کی شریک تھیں۔

وہ خدیجہؓ، جو آپؐ کے لیے پیار و محبت کا دریا تھیں۔ شفقت و دل سوزی کا مجسمہ تھیں۔

وہ خدیجہؓ، جنہوں نے سدا آپؐ کی شخصیت کو سینے سے لگائے رکھا۔ عشق وعقیدت کی آنکھوں میں بٹھائے رکھا۔

وہ خدیجہؓ، جنہوں نے پہلے دن سے آپؐ کا ساتھ دیا۔ مایوسی میں ڈھارس بندھائی۔ اداسی میں سکون پہنچایا اور پھر اسی حال میں جان دے دی۔

وہ خدیجہؓ، جو سب سے پہلے آپؐ پر اور آپؐ کے رب پر ایمان لائیں۔

وہ خدیجہؓ، جن کو رب نے ...... ہاں، خود رب نے سلام کہلایا اور جنت میں موتیوں کے محل کا مژدہ سنایا۔

ابو طالب اور خدیجہؓ کی موت کیا تھی؟ ایک سہارا تھا جو ٹوٹ گیا۔ ایک قلعہ تھا جو ڈھے گیا۔

لیکن اب نورِ اسلام مکے سے باہر پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ اب ناممکن تھا

مشرکوں کی پھونکوں سے یہ چراغ گل ہو جاتا۔ چاہے وہ کم ہوں یا زیادہ۔ کمزور ہوں یا زورآور۔ یہ اللہ کا فیصلہ تھا چاہے کافر کتنے ہی جز بز ہوں۔ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون.

حضرت خدیجہؓ کی وفات ماہِ رمضان میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ۶۵ برس تھی۔ مقام حجون میں دفن ہوئیں۔ پیارے نبیؐ خود ان کی قبر میں اُترے۔

یہ ۱۰ سنہ نبوی کا زمانہ تھا، جو اسلام کا سخت ترین زمانہ تھا۔ اس زمانے میں پیارے نبیؐ بہت رنجیدہ اور بے قرار رہتے۔ فرماتے، یہ عام الحزن ہے، یعنی غم کا سال۔

☆☆☆

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

(۷)

نازک مرحلے

- رحمت عالم ظلم وستم کے نرغے میں
- عائشہؓ اور سودہؓ رسول پاک کے نکاح میں
- طائف کا سفر
- اہل طائف کا شرمناک سلوک
- رسول پاکؐ کی پرسوز فریاد
- جنوں کی ایک جماعت اسلام کے دامن میں
- قریش کی سازش
- مُطعِم کے امان میں
- فرش سے عرش تک
- ابوجہل کی شرانگیزی
- معراج کے اثرات
- ابوبکرؓ کو صدیق کا خطاب
- سفر معراج کی ایک جھلک

①

کافروں نے بہت کوشش کی، محمدؐ اللہ کا پیغام پہنچانا چھوڑ دیں۔ اسلام کی دعوت دینا بند کر دیں۔ لیکن ذرا بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اسلام کا چراغ گل کرنے کی مسلسل کوشش اور پھر مسلسل ناکامی! دشمنوں کے لیے یہ ایک المناک سانحہ تھا۔ عقل حیران تھی، کیا کریں؟ آپؐ کے مقابلے میں کون سی چال چلیں......!!

لیکن ...... افسوس، ابوطالب جا چکے تھے۔ ہاں، وہی ابوطالب جو آپؐ کا سہارا اور مددگار تھے۔ بلاؤں کے طوفان میں ایک محکم دیوار تھے۔ اور جو پورے قبیلے کا شیرازہ تھے۔ سارے خاندان کا گلدستہ تھے۔ کہ انہی کی بدولت لوگ آپؐ کے ساتھ تھے۔ آپؐ کے گرد جمع تھے۔

اب میدان خالی تھا، راستہ ہموار تھا۔ دل کا بخار نکالنے کے لیے موقع ساز گار تھا۔ اب نرمی اور رحم دلی کا کیا سوال تھا۔ اب تو ظلم وستم کے تیز جھونکے تھے۔ اب آپ کو ستانے میں ہر ایک شیر تھا۔ اس میں جو جتنا ہی زیادہ آگے تھا، اس کو اتنا ہی زیادہ فخر تھا۔

انتہا یہ کہ ایک روز آپؐ کعبے کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک بدبخت کو شرارت سوجھی۔ آپؐ پر بکری کی اوجھ لا کر ڈال دی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس بدتمیزی کا کیا جواب تھا؟ کیا اس ظالم کو برا بھلا کہا؟ کیا اسے

کوئی بددعا دی؟ نہیں، بس اتنا فرمایا:

''آلِ مناف! پڑوسی کے ساتھ کیسا سلوک ہے یہ؟!!''

ایک دفعہ آپؐ کہیں جا رہے تھے۔ کسی بدبخت نے سر مبارک پر خاک ڈال دی۔ آپؐ اسی حال میں گھر آئے، بیٹی فاطمہؓ نے یہ دیکھا تو دوڑ کر پانی لائیں اور سر کو دھونے لگیں۔ وہ پانی گرا رہی تھیں اور اس میں گرم گرم آنسو ملا رہی تھیں۔ باپ کی مظلومی ان کا جگر چیر رہی تھی۔ قریش کی بدسلوکی دل کو تڑپا رہی تھی اور...... اور آپؐ انہیں تسلی دے رہے تھے:

''بیٹی! روؤ نہیں۔ خدا تمہارے باپ کی مدد کرے گا۔''

اور ابولہب؟ ابوطالب کی وفات ہوئی تو وہ کچھ دنوں خاموش رہا۔ پھر پہلے سے بھی زیادہ بے دردی سے ستانے لگا۔ اس نے اور اس کی بیوی نے تو اتنا تنگ کیا کہ خدا کی پناہ! ناک میں دم کر دیا۔

اور ابوجہل؟ وہ تو رات دن گھات میں رہتا۔ کبھی اوباشوں کو پیچھے لگا دیتا اور وہ خوب ستاتے۔ کبھی غنڈوں کو اشارہ کر دیتا اور وہ اپنی بدتمیزیوں کا مظاہرہ کرتے۔ کبھی کچھ کمینوں کو لے کر بیٹھ جاتا۔ جب آپؐ نماز پڑھنے آتے یا طواف کا ارادہ کرتے تو وہ بدبخت آپ کو مارنا چاہتے۔ آپؐ کے قتل کی اسکیم بناتے۔ حضرت ابوبکرؓ انہیں روکتے۔ ان کی حرکتوں پر بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتے۔ بہت ہی حسرت کے ساتھ کہتے:

''کیا کسی کو محض اس بات پر قتل کرو گے کہ وہ کہتا ہے، میرا رب اللہ ہے!! حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے واضح نشانیاں لے کر آیا ہے؟!''

نتیجہ ظاہر تھا۔ ابوبکرؓ بھی ان کی اذیتوں سے نہ بچ پاتے۔ سب چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے اور بے تحاشا مارتے کہ آئندہ ہونٹ ہلانے کی جرأت نہ کریں

اور وہ اپنی ناپاک حرکتیں آزادی سے جاری رکھ سکیں مگر ابوبکرؓ ماننے والے کب تھے۔ وہ جانتے بوجھتے اپنی جان خطرے میں ڈال دیتے! ان کو اپنی جان سے زیادہ آپؐ کی جان پیاری تھی۔ پھر ماننے کا سوال بھی کیا تھا؟ دوست کے لیے ہر چوٹ ان کے لیے آرامِ جاں تھی۔ ان کی روح کے لیے راحت کا سامان تھی۔

اور آپؐ کا کیا حال تھا؟ بہت ہی درد و حسرت کے ساتھ فرماتے:

''خدا کی قسم! جب تک ابوطالب زندہ رہے، قریش مجھ پر ہاتھ نہ ڈال سکے!''

۲

''رسولِ خدا اذیتوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ زبانوں کے تیر آپ کے جگر میں پیوست ہو رہے ہیں۔'' یہ سوچ کر مخلص ساتھیوں کا دم گھٹنے لگتا کیونکہ اس طرح آپؐ دو دو تلخیوں سے دوچار تھے۔ چچا ابوطالب اور پیاری خدیجہؓ کا صدمہ پھر قریش کی بدسلوکی کا ملال!

لیکن اکثر مسلمان تو حبشہ میں تھے۔ مکے میں تو بہت تھوڑے لوگ تھے۔ بس گنتی کے چند۔ اور مقابلے میں دشمنوں کا ایک سمندر تھا۔ ٹھاٹھیں مارتا سمندر۔ ایسے میں وہ بے چارے کر ہی کیا سکتے تھے؟ اس سیلابِ مظالم کو روک ہی کیسے سکتے تھے؟ وہ تو بالکل بے بس تھے۔ ان کے لیے تو بس ایک ہی شکل تھی، صبر کریں اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے جہاں تک ہو سکے آپؐ کا بچاؤ کرتے رہیں۔

اور مسلمان عورتیں؟ وہ بھی آپؐ پر بلاؤں کی یہ یلغار دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوتیں اور کلیجہ مسوس کے رہ جاتیں۔ ایک دن حضرت خولہؓ خدمت اقدس میں

حاضر ہوئیں۔ یہ حکیم کی بیٹی اور عثمانؓ بن مظعون کی بیوی تھیں۔ بولیں:

''کیوں نہیں آپ دوبارہ اپنا گھر بسا لیتے کہ کوئی آپ کے غموں کو بانٹ سکے، آپ کے دل کا بوجھ ہلکا کر سکے؟ کوئی خدیجہ جیسی نہ سہی۔ لیکن کچھ تو غم غلط ہوگا۔ کچھ تو دل کو سکون ہوگا۔

پیارے نبیؐ: حکیم کی بیٹی! کس کی طرف اشارہ ہے؟

خولہؓ: کنواری بھی مل سکتی ہے اور بیوہ بھی۔

پیارے نبیؐ: کنواری کون؟

خولہؓ: آپ پر سب سے زیادہ حق ابوبکر کی بیٹی کا ہے۔

پیارے نبیؐ: اور بیوہ کون؟''

خولہؓ: زمعہ کی بیٹی سودہ۔ وہ آپ پر ایمان لائی ہیں۔ تمام باتیں خوشی خوشی تسلیم کی ہیں۔ مہاجرین حبشہ میں وہ اور ان کے شوہر سکران بن عمرو بھی تھے۔ وہاں سے دونوں واپس آ رہے تھے۔ راستے ہی میں ان کے شوہر اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اس وقت وہ آپؐ کے گھر میں آ جائیں تو ان کی بڑی دل جوئی ہو جائے گی۔ اور آپؐ کی بھی طبیعت بہلے گی!

پیارے نبیؐ: ''اللہ تعالیٰ تمہیں خوش رکھے۔ تمہارا مشورہ بہت مناسب ہے۔

خولہؓ سودہؓ کے پاس گئیں۔ بولیں:

''اللہ! اللہ!! تمہاری قسمت!! کتنی برکتوں کا تم پہ سایہ ہے!!''

سودہؓ: (بڑی بے تابی سے)

آپ کیا کہہ رہی ہیں بہن!؟ میں کچھ سمجھ نہیں سکی۔

خولہؓ: سودہ! اپنی قسمت پر ناز کرو۔ تمہاری خزاں رسیدہ زندگی کے لیے بہاروں کا پیام لائی ہوں۔ تمہارا اجڑا ہوا گھر اب پھر سے بسے گا۔ اور اس طور

سے بسے گا کہ اچھی اچھی قسمت والیاں تم پر رشک کریں گی۔ اللہ کے رسول کو میں نے تیار کرلیا ہے!

سودہؓ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا وہ کچھ جھجکتی اور شرماتی ہوئی بولیں:

سبحان اللہ!! ذرا جایئے والد سے تذکرہ کیجیے۔ دیکھیے، وہ کیا کہتے ہیں۔

خولہؓ سودہؓ کے والد کے پاس گئیں۔ انہیں یہ مبارک خبر سنائی۔ بے اختیار ان کی زبان سے نکلا: اس جوڑے کا کیا کہنا!! خولہ! تمہارے منہ میں گھی شکر! تم کتنی اچھی خبر لائی ہو!!

پھر خولہؓ امّ رُوْمان کے یہاں گئیں۔ یہ عائشہؓ کی والدہ اور ابوبکرؓ کی بیوی تھیں۔ انہیں خولہؓ نے مبارک باد دی:

''زہے نصیب! یہ برکتوں اور رحمتوں کی بارش؟! رسولِ خدا عائشہ سے اپنا نشیمن آباد کرنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں!

امّ رومان: واہ وا!! کتنی مبارک تقریب ہوگی یہ!! ذرا ٹھہرو، ابوبکر بھی آجائیں۔

کچھ ہی دیر میں ابوبکرؓ بھی آگئے۔ یہ خبر سن کر وہ گلاب کی طرح کِھل اٹھے! انہوں نے خوشی خوشی اس برکت کا خیر مقدم کیا۔ اپنے رب کا شکر ادا کیا۔ اور خولہ کو ڈھیروں دعائیں دیں!

اس طرح حضرت خولہؓ نے آپؐ کی شادی سودہؓ اور عائشہؓ سے کرادی۔ شادی ہوجانے سے ساتھیوں کا تعلق آپؐ سے اور زیادہ استوار ہوگیا۔

دونوں نکاح ہوگئے۔ سودہؓ رخصت ہوکر آپؐ کے گھر چلی آئیں۔ اس وقت ان کی عمر ۵۰ سال سے اوپر تھی۔ عائشہؓ ابھی چھوٹی تھیں، وہ چند سال بعد رخصت ہوئیں۔

۳

مشرکوں کی زیادتیاں پورے شباب پر تھیں کیونکہ ابوطالب کی وفات ہوئی تو قریش نے عہد کیا تھا، محمدؐ کو اس وقت تک ستاتے رہیں گے جب تک وہ اپنی دعوت سے باز نہ آجائیں یا ہماری تلواریں ان کے خون سے سیراب نہ ہوجائیں۔ ساتھیوں کا بھی ناک میں دم کیے رہیں گے۔ جب تک وہ اسلام سے بیزار نہ ہوجائیں اور پھر آبائی دین کی طرف پلٹ نہ آئیں۔

نبوت کا دسواں سال تھا۔ شوال کا مہینہ تھا۔ پیارے نبیؐ جب ان کی سختیوں سے تنگ آگئے، صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو طائف کو روانہ ہوئے۔ طائف مکے سے تقریباً ۶۰ میل کی دوری پر ہے۔ اس وقت آپؐ انتہائی بے چین تھے اور پھر اس بے چینی میں تنہائی!! مت پوچھو، دل پہ کیا بیتی ہوگی! وہاں آپؐ کیوں گئے تھے؟ صرف اس لیے کہ شاید وہاں والے حق کا ساتھ دیں اور آپؐ ہر طرف حق کی شمعیں روشن کرسکیں۔

لیکن وہاں پہنچے تو معاملہ برعکس تھا۔ مدد کرنا تو درکنار، ان لوگوں نے اپنے یہاں ٹھہرانا بھی گوارا نہ کیا۔ نہایت ہٹ دھرمی سے نبوت کا انکار کردیا۔ آپؐ کی دعوت کو جھٹلا دیا۔ اور بڑی بے شرمی سے آپؐ کی طرف سے رخ پھیرلیا۔

ان کو بھی قریش کی طرح دین اسلام سے خطرہ تھا۔ طائف کی آب وہوا بہت اچھی تھی۔ وہاں کی سرزمین بالکل باغِ ارم تھی۔ انگور اور دوسرے پھلوں کی پیداوار بے انتہا تھی۔ اس لیے اشرافِ قریش گرمیاں وہیں گزارتے۔ عرب کا مشہور بت ''لات'' بھی وہیں تھا۔ کعبے کی طرح وہ بھی زیارت گاہِ عام وخاص تھا۔ ان

خصوصیات کی وجہ سے طائف بھی عرب کا بہت خاص اور متبرک شہر تھا۔ ان کو ڈر تھا، اگر آپؐ کو امان دے دی تو سارا قریش دشمن ہو جائے گا پھر طائف کی یہ حیثیت اور خصوصیت خاک میں مل جائے گی۔

آپؐ چاہتے تھے، اہلِ مکہ کو طائف کا ماجرا معلوم نہ ہو۔ اندیشہ تھا اگر وہ لوگ جان گئے تو اور زیادہ مذاق اڑائیں گے اور ظلم وستم میں پہلے سے بے باک ہو جائیں گے۔ وہاں سے رخصت ہونے لگے تو قبیلۂ ثقیف کے ایک سردار سے فرمایا:

''تم لوگوں نے میری بات تو نہیں مانی لیکن کم از کم میرے معاملے کو پوشیدہ رکھنا۔''

لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے۔ پھر یہی نہیں۔ طائف کے غنڈوں اور اوباشوں کو اُبھار دیا۔ ان اوباشوں نے پائے مبارک پر اس طرح پتھر برسائے کہ آپؐ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں......!! جب آپؐ زخموں سے نڈھال ہو جاتے۔ پتھر کھاتے کھاتے بے دم ہو جاتے تو بیٹھ جاتے۔ ظالموں کو اب بھی ترس نہ آتا۔ وہ ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیتے۔ جب آپؐ چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے۔ ساتھ ہی گالیاں دیتے، تالیاں بجاتے۔ اُف...... دنیائے انسانیت کا کتنا عجیب اور المناک منظر تھا یہ!!

وہ ابرِ لطف جس کے سائے کو گلشن ترستے تھے
یہاں طائف میں اس کے جسم پر پتھر برستے تھے

اے محمد! پیغمبری میں آپؐ نے جو جو پریشانیاں اُٹھائیں، دعوت کی راہ میں جو جو سختیاں جھیلیں، ان کے بدلے میں اللہ آپ کا ہو گیا!!!

آپؐ چلتے رہے۔ چلتے رہے یہاں تک کہ بستی کے کنارے پہنچ گئے۔ وہاں

ایک بہت بڑا باغ تھا۔اس میں انگور کی بہت سی بیلیں تھیں ۔جگہ جگہ خوشنما خوشے لٹک رہے تھے۔آپؐ اسی باغ میں داخل ہو گئے ۔اس طرح کہیں جا کر آپ کی جان چھوٹی !!

نگاہیں بے اختیار آسمان کی طرف اُٹھ گئیں ۔آپؐ مولیٰ سے گڑگڑانے لگے۔اپنی بے بسی کی فریاد کرنے لگے کہ اس کی رحمت کو جوش آئے اور آپؐ کو اپنے دامن میں لے لے۔زبانِ مبارک پر یہ الفاظ لرز رہے تھے:

اللهم اليك اشكو ضعف قوتی وقلة حيلتی وهوانی علی الناس

''خدایا! میں اپنی بے بسی، بے چارگی اور لوگوں میں بے وقعتی کی فریاد تجھی سے کرتا ہوں۔

یآ ارحم الراحمین: انت رب المستضعفین، وانت ربی!

اے رحمت کے بادشاہ! تو کمزوروں کا رب ہے۔تو ہی میرا بھی رب ہے!

الی من تکلنی : الیٰ بعید یتجهمنی ، او الیٰ عدو ملکته امری؟!

تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟......کیا کسی بیگانے کے؟!......جو مجھے دیکھ کر تیوری چڑھائے......یا کسی دشمن کے؟! جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا ہو۔

ان لم یکن بك علی غضب فلا ابالی.

خدایا! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو پھر مجھے کوئی پروانہیں۔

ولکن عافیتك اوسع لی!

لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ آرام دہ ہے!

اعوذ بنور وجهك الذی اشرقت له الظلمت وصلح علیه امر الدنیا والاخرة.

میں پناہ چاہتا ہوں تیرے چہرے کے نور سے، جس سے ساری تاریکیاں کافور ہو گئیں...... اور جس پر دونوں جہاں کا نظام قائم ہے۔

من ان تنزل بی غضبك او تحل علی سخطك.

میں پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ مجھ پر تیرا عتاب ہو...... یا تو مجھ سے روٹھ جائے۔

لك العتبیٰ حتی ترضیٰ!

جب تک تو خوش نہ ہو جائے، تجھے منائے جانا ناگزیر ہے۔

ولا حول ولا قوۃ الا بك

ساری طاقتیں اور ساری تدبیریں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔"

یہ باغ جس میں آ کر آپؐ ٹھہرے تھے، یہ دو آدمیوں کا تھا۔ وہ دونوں سگے بھائی تھے۔ ایک کا نام عُتبہَ تھا دوسرے کا شیبہ۔ یہ رَبیعہ کے بیٹے تھے۔ دونوں نے اپنی آنکھوں سے سارا ماجرا دیکھا تھا۔ وہ دردناک منظر ان کی نگاہوں میں تھا جب قوم کے غنڈے آپؐ پر پتھراؤ کر رہے تھے۔ اور آپ خون میں نہائے ہوئے...... بڑی بے کسی اور بے قراری کے عالم میں آگے بڑھ رہے تھے۔ دونوں کو بڑا ترس آیا۔ آپؐ کی مظلومی پر ان کا دل بھر آیا۔ فوراً عیسائی غلام کو آواز دی:

"عدّاس! باغ سے انگور کا خوشہ توڑ و اور ایک پلیٹ میں لے جا کر اس آدمی کو دو۔ کہو اسے کھالے۔"

عدّاس نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ انگور لے کر آپؐ کے پاس آیا۔ سامنے رکھتے ہوئے بولا: "اسے کھائیے۔" آپؐ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہتے ہوئے ہاتھ بڑھایا اور کھانے لگے۔ عداس ہکّا بکّا سا ہو گیا۔ حیران ہو کر بولا:

"خدا کی قسم! یہاں تو کبھی کسی زبان سے اس طرح کا فقرہ سنا نہیں!"

حضورؐ: ''تم کون ہو؟ کہاں کے رہنے والے ہو؟ اور کس مذہب کے پیرو ہو؟

عدّ اس: ''میں نینوا کا رہنے والا ہوں، عیسائی مذہب کا پیرو ہوں، نام میرا عداس ہے۔''

حضورؐ: ''یونس بن متی کی بستی کے؟ وہ تو بہت اونچے انسان تھے۔''

یہ سن کر عدّ اس کی حیرانی اور بڑھی۔ ''آپ کیسے جان گئے، یونس بن مَتی کیا تھے؟!!'' اس نے بڑی بے تابی سے سوال کیا۔

حضورؐ: ''یونس میرے بھائی تھے۔ وہ نبی تھے، میں بھی نبی ہوں۔''

عداؔس سے رہا نہ گیا۔ فوراً جھک کر آپؐ کے ہاتھ پیر چومے اور سرِ مبارک کا بوسہ لیا۔

عتبہ اور شیبہ یہ سب دیکھ رہے تھے۔ سخت حیران تھے ماجرا کیا ہے؟ عداس لوٹ کر گیا تو بولے:

''میاں عداس اس آدمی کے ہاتھ پیر کیوں چوم رہے تھے؟!!''

عداس: ''میرے آقا! روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔ اس نے ایک ایسی بات بتائی جس کو بس نبی ہی بتا سکتا ہے!''

عتبہ وشیبہ: ''میاں عداس! اس کی باتوں میں آ کر کہیں اپنا دین مت چھوڑ بیٹھنا۔ تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔''

پیارے نبیؐ ثقیف کی بھلائی سے مایوس ہو گئے۔ ان سے مدد ملنے کی کوئی امید نہ رہی۔ اب آپؐ نے طائف کو خیر باد کہا اور صحرا میں تیز تیز قدم بڑھانے لگے۔ اب آپؐ کا رخ مکے کی طرف تھا۔ وہی مکہ جس کو قوم سے عاجز آ کر آپؐ نے الوداع کہا تھا اور اس آرزو میں نکلے تھے کہ اس کے علاوہ کوئی اور پناہ گاہ مل جائے۔ کہیں اور سے مدد مل جائے کہ یہاں کی مظلومی اور بے کسی کا بدل بن سکے

لیکن آپؐ کی یہ آرزو بر نہ آئی۔

طائف اور مکے کے درمیان ایک مقام ہے نخلہ۔ یہ مکے سے ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر ہے۔ چلتے چلتے جب آپؐ تھک گئے تو وہیں ٹھہر گئے۔ جب رات کافی گزر گئی، ہر طرف سناٹا چھا گیا تو اس پرسکون تنہائی میں آپ نماز کے لیے کھڑے ہوگئے! بڑی شیریں اور پرسوز آواز سے قرآن پڑھنے لگے۔ اتفاق سے جنوں کی ایک جماعت کا گزر ہوا۔ قرآن پڑھنے کی آواز ان کے کانوں میں پڑی۔ انہیں یہ کلام بہت عجیب معلوم ہوا۔ ٹھہر کر سننے لگے۔ خدا کی توفیق شامل حال ہوئی۔ ان کو ہدایت نصیب ہوگئی۔ وہ لوٹ کر اپنی قوم میں آئے۔ بولے:

إنا سمعنا قرآنا عجبا يهدى الى الرشد فامنا به ولن نشرك بربنا احدا (سورۂ جن:۱-۲)

(ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ وہ سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ تو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا ساجھی نہ ٹھہرائیں گے۔)

آپؐ رات کے سناٹے میں قرآن پڑھ رہے تھے اور جنوں کا یہ گروہ بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا اور اثر لے رہا تھا۔ بالآخر وہ ایمان لے آیا اور اپنی قوم کو جا کے ہوشیار بھی کیا۔ لیکن آپؐ بالکل بے خبر رہے، یہاں تک کہ اللہ نے خود آپؐ کو خبر دی:

وإذ صرفنآ إليك نفرا من الجن يستمعون القرآن فلما حضروه قالوآ انصتوا فلما قضى ولوا إلىٰ قومهم منذرين (سورہ احقاف:۲۹)

(اور یاد کرو جب ہم نے کچھ جنوں کا رخ تمہاری طرف پھیر دیا کہ وہ قرآن سن لیں۔ تو جب وہ اس کے پاس پہنچے تو آپس میں کہنے لگے، چپکے رہو اور

کان لگا کر سنو پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ اپنی قوم کو ہوشیار کرنے کے لیے لوٹے۔)

قریش کو طائف کا سارا حال معلوم ہو گیا تھا، انہیں خبر ہو گئی تھی کہ آپؐ کو وہاں بری طرح ناکامی ہوئی۔ قبیلۂ ثقیف کے اوباشوں نے خوب خوب آپؐ کو تکلیفیں پہنچائیں۔ اس پر وہ بہت خوش تھے۔ اور آپؐ کا مذاق اڑا رہے تھے۔ انہوں نے باہم قسمیں کھائیں: اگر محمد پھر لوٹ کر مکے آیا تو جب تک اسے مار نہ لیں گے، چین سے نہ بیٹھیں گے۔ ان کا خیال تھا، طائف کی ناکامی آپؐ کے حوصلے پست کر دے گی۔ سارے جوش اور جذبے کو سرد کر دے گی۔ پھر آپؐ پر قابو پانا آسان ہو گا اور موت کے گھاٹ اتارنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہو گا۔

قریش کی یہ سازشیں تھیں لیکن آپؐ بالکل بے خبر تھے۔ آپؐ نخلہ سے مکے کے لیے روانہ ہو گئے۔ حراء نامی ایک مقام پر پہنچے تو قریش کے کچھ لوگ مل گئے۔ ان سے معلوم ہوا، قریش کے کیا ارادے ہیں؟ کیسے کیسے منصوبے ہیں؟ آپؐ نے انہی میں سے ایک سے فرمایا:

''کیا میرا ایک پیغام پہنچا سکتے ہو؟''

وہ آدمی: ''جی ہاں، ضرور۔''

حضورؐ: ''شُریق کے بیٹے اَخنس کے پاس جاؤ ان سے کہو، محمد نے پوچھا ہے ''کیا آپ مجھے پناہ دے سکتے ہیں کہ میں رب کا پیغام پہنچا سکوں؟''

وہ آدمی جا کر اخنس سے ملا۔ اس کو آپؐ کا پیغام سنایا۔ اخنس نے کہا'': میں تو قریش کا حلیف ہوں۔ ان سے میرا معاہدہ ہے۔ ان کے خلاف میں کیسے پناہ دے سکتا ہوں؟''

وہ آدمی لوٹ کر آپؐ کے پاس آیا۔ اس وقت آپؐ حراء میں ہی تھے۔ اخنس

سے جو بات ہوئی تھی، اس نے آپؐ سے دہرا دی۔

حضورؐ: ’’کیا دوبارہ زحمت کرو گے؟‘‘

وہ آدمی: ’’جی ہاں۔ بڑی خوشی سے۔‘‘

حضور: ’’عمرو کے بیٹے سہیل کے پاس جاؤ۔ ان سے کہو’’ کیا محمد کو امان دے سکتے ہو کہ وہ آزادی سے رب کا پیغام پہنچا سکے؟‘‘

وہ پیغام لے کر سہیل کے پاس پہنچا تو اس نے جواب دیا:

’’قبیلۂ عامر بن لؤی آلِ کعب کے خلاف امان نہیں دے سکتا۔‘‘

وہ آدمی لوٹ کر حراء آیا۔ سہیل نے جو کچھ کہا تھا، آپؐ کو بتا دیا۔

حضورؐ: ’’اچھا، ایک بار اور زحمت اٹھاؤ گے؟‘‘

وہ آدمی: ’’جی ہاں۔ بے تکلف آپ فرمائیں۔

حضورؐ: ’’اس بار عدیّ کے بیٹے مُطعِم کے پاس جاؤ ان سے یہی درخواست کرو۔‘‘

وہ مُطعِم کے پاس گیا۔ پوچھا: ’’کیا آپ محمد کو امان دیں گے؟‘‘

مُطعِم [1]: ’’ہاں، وہ آئیں۔ ضرور آئیں۔ خوشی سے آئیں۔‘‘

صبح ہوئی تو مُطعِم خود تیار ہوا۔ بیٹوں اور بھتیجوں کو تیار کیا کہ مکّے میں داخل ہوتے وقت کوئی چھیڑ چھاڑ کرے تو آپؐ کی حمایت کر سکے۔ سب نے جنگی لباس پہن لیے۔ کمر سے تلواریں لٹکا لیں۔ ہاتھوں میں برچھیاں لے لیں اور کعبے کی طرف بڑھے۔ قریش وہاں پہلے سے موجود تھے۔ ابوجہل بھی موجود تھا۔

دیکھتے ہی بولا: ’’امان دی ہے یا ایمان لے آئے؟‘‘

مطعم: ’’امان دی ہے۔‘‘

---

[1] مطعم نے غزوۂ بدر سے پہلے وفات پائی۔ اس وقت تک وہ اسلام نہیں لایا تھا۔

ابو جہل: ''جس کو تم نے امان دی۔ اسے ہم نے بھی امان دی۔''

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں داخل ہوئے۔ چونکہ مطعم امان دے چکا تھا، کوئی کچھ نہ بولا۔

آپؐ طواف کی غرض سے سیدھے کعبہ گئے۔ قریش وہاں جلسہ جمائے بیٹھے تھے۔ ان میں کچھ ہاشمی بھی موجود تھے۔ ابو جہل نے آپؐ کو دیکھا تو ان پر یہ فقرہ چست کیا:

''آلِ مناف! تمہارا نبی ہے یہ!''

ربیعہ کا بیٹا عتبہ بھی موجود تھا۔ یہ بھی ہاشمی تھا اور ابھی تک قریش کے ہی مذہب پر تھا۔ جھٹ بولا:

''اگر ہم میں کوئی بنی ہو جائے یا کسی کو بادشاہت مل جائے تو اس میں جلنے کی کیا بات ہے؟!''

آپؐ نے یہ باتیں سنیں تو قریب آئے۔ فرمایا:

''تعجب ہے عتبہ! خدا اور رسول کے لیے تو غیرت نہ آئی، پر اپنے لیے آ گئی!!''

پھر ابو جہل سے فرمایا:

''سن لو، ابو جہل! وہ وقت آ رہا ہے، ہاں، بہت تیزی سے آ رہا ہے جب ساری ہنسی غائب ہو جائے گی اور تم خون کے آنسو روؤ گے!''

پھر اوروں سے مخاطب ہوئے فرمایا:

''قریش کے سردارو! تم بھی سن لو۔ کان کھول کر سن لو۔ وہ دن دور نہیں، جب چار و ناچار بہت ہولناک انجام سے دوچار ہو گے!''

ان باتوں سے قریش کتنا تلملائے ہوں گے؟ اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں لیکن مُطعِم آپؐ کو پناہ دے چکا تھا۔ سب خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

اب قریش سے آپؐ کی توجہ ہٹ گئی کہ ان پر حجت تمام ہو چکی تھی۔ اب آپؐ نے دوسرے قبیلوں کا رخ کیا۔ ان کے گھروں پر گئے۔ ان کی چوپالوں میں گئے۔ ان کی بستیوں اور بازاروں میں گئے۔ جا جا کر انہیں اللہ کی طرف بلایا۔ اپنے نبی ہونے کا یقین دلایا۔ ایمان لانے اور پیروی کرنے پر اکسایا۔ مدد کرنے اور ساتھ دینے پر ابھارا تا کہ آپؐ اللہ کا پیغام پہنچا سکیں۔ گمراہ انسانوں کو سیدھی راہ پر لگا سکیں۔

(۴)

پیارے نبیؐ کی ایک چچیری بہن تھیں ہندؓ۔ یہ ابو طالب کی بیٹی تھیں۔ لوگوں میں امِّ ہانی کے نام سے مشہور تھیں۔ نبوت کا دسواں سال تھا۔ رجب کا مہینہ تھا۔ ایک رات آپؐ انہی کے گھر سوئے۔ طلوعِ فجر سے کچھ پہلے آنکھ کھل گئی۔ اسی وقت اُٹھ گئے ساتھ ہی وہ بھی اٹھ گئیں۔ آپؐ نے وضو کیا۔ نماز ادا کی۔ پھر ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ فرمایا:

''امِّ ہانی! عشاء کی نماز میں نے یہیں پڑھی تھی تمہارے ساتھ۔ تم نے تو دیکھا ہی تھا۔ پھر میں بیت المقدس گیا۔ وہاں نماز پڑھی۔ پھر اس وقت کی نماز تمہارے ساتھ پڑھی۔''

امّ ہانیؓ یہ سن کر حیرت کی تصویر بن گئیں۔ عشاء کی نماز آپؐ نے ہمارے گھر پڑھی۔ پھر درمیان شب بیت المقدس میں پڑھی! پھر اس وقت کی ہمارے ساتھ پڑھی۔ آخر یہ کیوں کر ہوا!!

امّ ہانیؓ سخت حیران تھیں۔ وہ آپؐ کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔ بولیں: ''ذرا

تفصیل سے بتایئے، میرے پیارے بھائی! کیا ہوا؟ اور کیسے ہوا؟''

فرمایا: ''امّ ہانی! میں سو رہا تھا۔ یکا یک محسوس ہوا جیسے کوئی مجھے جگا رہا ہے۔ میری آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو حضرت جبریل علیہ السلام تھے۔ وہ چھت پھاڑ کر میرے پاس آ گئے تھے۔ اور یہ بالکل پہلا اتفاق تھا۔ اس سے پہلے تو وہ کبھی اس طرح آئے نہیں تھے۔ وہ جب کبھی آتے تو سامنے سے آتے۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا۔ مجھے لیے ہوئے کعبے کی حطیم کے پاس آئے اور وہاں لٹا دیا۔ پھر میرا سینہ چاک کیا۔ سونے کی ایک پلیٹ ساتھ تھی۔ وہ پلیٹ ایمان وحکمت سے لبریز تھی۔ اسے میرے سینے میں انڈیل دیا۔ پھر سینہ بند کر دیا۔ اس کے بعد ایک سفید جانور آیا۔ وہ جانور خچر سے ذرا چھوٹا اور گدھے سے کچھ بڑا تھا۔ اس پر ہم دونوں سوار ہو گئے۔ چشم زدن میں بیت المقدس پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر میں نے نماز پڑھی۔ میرے پیچھے سارے نبیوں نے نماز پڑھی۔''

امّ ہانیؓ بڑے غور سے یہ عجیب وغریب واقعہ سنتی رہیں۔ وہ بالکل حیرت کی تصویر بن گئی تھیں۔ پہلے تو انہیں آپؐ کی عظمت کا احساس ہوا۔ پھر خطرے کا خیال ہوا۔ بولیں:

''میرے بھائی! یہ کسی اور سے بیان نہ کیجیے گا ورنہ جو ایمان لائے ہیں وہ بھی کانوں پر ہاتھ دھر لیں گے۔''

فرمایا: ''نہیں، نہیں میں تو سب سے بیان کروں گا۔ قریش سے بھی بیان کروں گا۔''

امّ ہانیؓ: ''میرے بھائی! قسم دے کر کہتی ہوں، قریش سے بالکل نہ کہیے۔ وہ فوراً جھٹلا دیں گے۔ الٹا نقصان پہنچائیں گے۔''

پیارے نبیؐ: ''نہیں امّ ہانی! اس قدر ڈرنے کی کیا بات ہے؟ اللہ کی مدد

ہمارے لیے کافی ہے!

پھر آپؐ اٹھ کر قریش کی مجلسوں میں جانے لگے۔ امّ ہانی سے اور کچھ تو بن نہ پڑا۔ اپنی ایک لونڈی کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا کہ جا کر دیکھے اور جو کچھ ہو آ کر اطلاع دے۔

کعبے کے پاس قریش کے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ جا کر آپؐ بھی ان کے پاس بیٹھ گئے کہ جو کچھ دیکھا تھا، ان سے بیان کریں۔ لیکن پھر سوچا تو کچھ تردد ہوا:

یہ واقعہ بیان کروں گا تو اس کا انجام کیا ہوگا؟

کیا لوگ میری باتیں مان لیں گے؟! یا مجھے جھٹلا دیں گے؟!

اور کیا پورا واقعہ سنا دوں؟! کیا ان سے کہوں، میں رات بیت المقدس گیا تھا؟! کیا یہ بھی بتا دوں کہ وہاں سے پھر آسمانی بادشاہت کی سیر کرنے گیا تھا؟! یا صرف اتنا ہی بتاؤں جتنا امِّ ہانی کو بتایا ہے۔

بہت دیر ہوگئی آپؐ یوں ہی بیٹھے سوچتے رہے۔ آپؐ پر دو قسم کی کیفیات طاری تھیں:

ایک طرف آپ بہت خوش تھے۔ چہرۂ مبارک خوشی سے دمک رہا تھا کہ میرے رب نے مجھے کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا ہے۔ کتنی عزت افزائی کی ہے!! ایک ہی رات میں خانۂ کعبہ سے بیت المقدس کی سیر کرائی۔ پھر وہاں سے بلند آسمانوں کی معراج بھی! دوسری طرف اندیشوں کا ایک طوفان تھا جو اُمڈا آ رہا تھا۔ رہ رہ کر خیال آتا:

قریش کو جب یہ سناؤں گا تو وہ میرا مذاق اڑائیں گے۔ مجھے جھوٹا سمجھیں گے حالانکہ میں تو چاہتا ہوں، پروردگار کی جس عظمت کا خود مشاہدہ کیا ہے، ان سے بھی بیان کروں۔ خدا کی جن نشانیوں کو میری آنکھوں نے دیکھا ہے

ان سے ان کو بھی آگاہ کروں۔

اس خیال سے آپؐ کے اندر بڑی بے چینی تھی۔ آپؐ سر جھکائے چپ چاپ بیٹھے رہے حالانکہ کعبے میں آپؐ اس طرح کبھی نہ بیٹھتے تھے۔

اوروں نے بھی دیکھا، آپؐ عادت کے خلاف چپ چپ سے بیٹھے ہیں۔ ان میں ابوجہل بھی تھا، عدی کا بیٹا مطعم بھی تھا۔ ابوجہل نے آپؐ کو افکار وخیالات میں غرق دیکھا، تو اٹھ کر قریب آیا۔ بولا:

''محمد! کیا ہوا؟! آج کوئی نئی بات تو نہیں؟!''

آپؐ کو اپنی بات کہنے کا موقع مل گیا۔ فرمایا:

''ہاں، آج رات مجھے سیر کرائی گئی ہے۔''

ابوجہل: ''کہاں کی سیر کر آئے بھتیجے؟!''

پیارے نبیؐ: ''آج رات مجھے بیت المقدس کی سیر کرائی گئی ہے۔''

ابوجہل کی ہنسی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ قریب تھا وہ زور کا قہقہہ لگاتا لیکن ضبط سے کام لیا۔ کیونکہ یہ بات ایک کامیاب ہتھیار بن سکتی تھی، آپ کا مذاق اڑانے کے لیے، آپؐ کی باتوں کو مشکوک ٹھہرانے کے لیے، اور آپؐ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کے لیے۔

اس نے آپؐ کا اور حوصلہ بڑھایا۔ بولا: ''اچھا اور لوگوں کو بھی بلا لوں تو کیا ان سے بھی ایسے ہی بیان کر دو گے؟!''

فرمایا: ''کیوں نہیں؟ جو باتیں آپ سے بیان کر دیں، دوسروں سے انہیں چھپانا کیا؟

ابوجہل نے زور سے آواز لگائی: ''اے آلِ کعب بن لوئیؓ!''

آناً فاناً سارے لوگ اکٹھا ہو گئے: ''ابولحکم! کیا بات ہے؟'' ابوالحکم! کیا بات

ہے؟ ابوجہل نے آپؐ کو اشارہ کیا:

''جو بھی سنایا ہے، ذرا ان لوگوں کو بھی سنا دو۔''

حضورؐ: ''آج رات بُراق نامی ایک جانور آیا۔ اس پر بیٹھ کر میں نے بیت المقدس کی سیر کی، وہاں پہنچا تو نبیوں کی جماعت آئی۔ ان میں ابراہیمؑ بھی تھے۔ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بھی تھے۔ میں نے ان سب کی امامت کی۔''

یہ سن کر اکثر لوگ بے قابو ہو گئے اور ایک زور کا قہقہہ بلند ہوا۔ ابوجہل بولا: (تمسخر کے انداز میں)

''اچھا تو، سارے نبی زندہ کر کے تمہارے پاس لائے گئے تھے؟! ذرا ان کا حلیہ تو بیان کرو!!''

فرمایا: ''عیسیٰؑ نہ تو پستہ قد ہیں نہ زیادہ لانبے۔ سینہ چوڑا ہے۔ جسم سے خون ٹپکا پڑتا ہے۔ سر کے بال سرخی مائل ہیں۔ موسیٰؑ کا جسم بھاری بھرکم اور سانولا ہے اور قد لانبا ہے اور خدا کی قسم ابراہیمؑ سب سے زیادہ مجھ سے مشابہ ہیں۔ صورت میں بھی سیرت میں بھی۔''

سب نے دانتوں تلے انگلیاں داب لیں! محمد یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، کیا یہ سچ ہے؟ حقیقت ہے؟ یا جھوٹ اور من گھڑت ہے؟!

کچھ دلوں پر تو آپؐ کی عظمت اور بڑائی کا سکہ بیٹھ گیا۔ کچھ لوگوں کی عقلیں حیران اور ذہن پریشان ہو گئے۔ کچھ لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے۔ کچھ لوگ آپؐ کو جھٹلانے اور مذاق اڑانے میں لگ گئے اور کچھ لوگ آپؐ کے عزیز دوست ابوبکرؓ کے گھر پہنچے کہ ان کو بھی یہ عجیب خبر سنا دیں! انہوں نے کہا:

''ابوبکر! اپنے جناب کی باتیں سنیں؟ کہتے ہیں، آج رات مجھے بیت المقدس کی سیر کرائی گئی!''

ابو بکرؓ: ''کیا آپؐ نے فرمایا ہے؟''

مشرکین: ''ہاں جی، تمہارے جناب یہ کہہ رہے ہیں۔ ہم اپنے کانوں سے سن کے آرہے ہیں!

ابو بکرؓ: ''اگر آپ نے یہ فرمایا ہے تو یقیناً سچ فرمایا ہے۔''

مشرکین: ''یہ بھی کوئی یقین میں آنے کی بات ہے؟! وہ رات میں بیت المقدس گئے اور صبح سے پہلے ہی مکے لوٹ آئے؟!''

ابو بکرؓ: ''بے شک۔ یہی کیا؟ مجھے تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں پر یقین ہے۔ وہ کہتے ہیں، رات ہو یا دن، کوئی بھی وقت ہو، آسمان سے میرے پاس ذرا سی دیر میں وحی آجاتی ہے اور مجھے اس میں کوئی شبہہ نہیں ہوتا۔ تم تو بیت المقدس تک ہی آنے جانے پر حیران ہو۔ بتاؤ، یہ کتنی عجیب بات ہے کہ منٹوں اور سکنڈوں میں آسمان سے وحی آجاتی ہے۔؟!''

پھر ابو بکرؓ پیارے نبیؐ کے پاس آئے۔ اس وقت آپؐ کعبے میں تھے اور مشرکین آپؐ سے کہہ رہے تھے:

''محمد! اب تک تو ہمیں کچھ شبہہ ہی تھا لیکن آج یقین ہو گیا، تم واقعی جھوٹے ہو، اپنے جی سے گھڑ گھڑ کر ہر بات کہتے ہو۔ ہم لوگ تو اونٹوں پر جاتے ہیں تو ایک مہینہ پہنچنے میں لگتا ہے اور ایک مہینہ واپسی میں اور تم کہتے ہو، ایک ہی رات میں بیت المقدس گئے بھی، واپس بھی آگئے؟! لات وعزّٰی کی قسم! ہم کبھی نہیں مان سکتے۔ یہ بالکل جھوٹ ہے، سراسر جھوٹ۔''

ابو بکرؓ: ''محمد جھوٹ نہیں بولتے۔ آپ جو کچھ فرمارہے ہیں، بالکل سچ فرما رہے ہیں۔''

مطعم: ''محمد! ذرا بیت المقدس کا نقشہ تو بیان کرنا۔''

ابوبکرؓ سمجھ گئے مطعم آپؐ کو زچ کرنا چاہتا ہے۔ان کی خواہش ہوئی۔آپؐ بیان کردیں تاکہ آپؐ کا سچا ہونا ثابت ہو جائے۔عرض کیا:

''اللہ کے رسول! بیان کر دیجیے۔میں تو وہاں جا چکا ہوں۔''

آپؐ بے تکلف وہاں کا نقشہ بیان کرنے لگے حالانکہ اس سے پہلے آپؐ کبھی وہاں نہیں گئے تھے۔وہاں جتنے نشانات تھے، جتنی علامتیں تھیں، سب آپؐ نے بیان کر دیں۔آپؐ بیان کر رہے تھے اور سب چپ چاپ حیرت کی تصویر بنے سن رہے تھے۔

لیکن ابھی بات ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ ان کی ہٹ دھرمی جاگ اٹھی۔شک کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولے:

''کسی نے تم کو یہ سب کچھ سکھا بتا دیا ہے۔کوئی اور روشن دلیل لاؤ۔''

آپؐ راستے میں جن جن چیزوں سے گزرے تھے۔ان کو بیان کرنے لگے۔فرمایا:''فلاں فلاں قافلوں سے میری ملاقات ہوئی۔فلاں فلاں بستیوں سے میرا گزر ہوا۔فلاں فلاں اونٹنیاں میں نے دیکھیں۔اتنے قافلے عنقریب ہی پہنچنے والے ہیں۔اور اتنے قافلے ابھی کچھ فاصلے پر ہیں۔پھر ان قافلوں کے ساتھ یہ یہ سامان ہیں۔ان کے جانور ایسے ایسے ہیں۔

مشرکین:''تمھاری باتوں پر ایسے کیسے یقین آجائے گا؟ ذرا ٹھہرو، قافلوں کو آلینے دو۔ان سے بھی پوچھ لیں، وہ اس رات کہاں تھے؟ اور جو جو علامتیں تم بتا رہے ہو، ذرا اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیں۔

ابوبکرؓ بول اٹھے:''اللہ کے رسول! آپ نے سچ فرمایا۔مجھے یقین ہے آپ نے بالکل سچ فرمایا۔''

آپؐ نے سر جھکا لیا۔کچھ دیر یوں ہی رہے۔پھر سر مبارک اوپر اٹھایا۔ابوبکرؓ

کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: ابوبکر! مبارک ہو! اللہ نے تم کو ''صِدّیق'' کا لقب دیا ہے۔

مجلس برخاست ہوگئی۔ لوگ اِدھر اُدھر پھیل گئے لیکن اب جہاں دیکھیے، یہی چرچا تھا۔ جدھر دیکھیے، اسی کا تذکرہ تھا۔ جہاں دو آدمی ملتے، اس طرح کی باتیں کرتے:

''کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟ کیا عقل یہ باور کرتی ہے؟ کیا اتنی دیر میں اتنی دور کی سیر ممکن ہے؟ کیا خبر محمد نے جھوٹ کا پل باندھا ہو؟!''

چند دن بھی نہ گزرے تھے کہ وہ قافلے آپہنچے۔ دیکھا گیا، تو سامان وہی تھے، جو آپؐ نے بتائے تھے۔ جانور بھی بالکل ویسے ہی تھے۔

تو کیا مشرکوں نے اب آپؐ کے سامنے سر جھکا دیا؟ آپؐ کو اللہ کا نبی تسلیم کرلیا؟ نہیں ان کی ہٹ دھرمی کو اور جوش آیا۔ بولے:

''مغیرہ کے بیٹے ولید نے کہا تھا، محمد جادوگر ہے۔ اس نے کوئی غلط تھوڑی کہا تھا۔ دیکھو، ان باتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ واقعی کتنی سچی بات کہی تھی اس نے!''

یہ تو تھا مشرکوں کا حال۔ مسلمانوں کے لیے بھی یہ واقعہ کچھ کم اہم نہ تھا۔ یہ ایک فیصلہ کن موڑ تھا۔ جس نے کھرے، کھوٹے کو الگ کر دیا۔ معلوم ہو گیا، کس کا ایمان مضبوط ہے اور کون ابھی ایمان سے دور ہے۔ جس کا ایمان مضبوط تھا، اس واقعہ سے اس کا ایمان اور زیادہ چمک اٹھا۔ اس میں اور زیادہ مضبوطی اور تازگی آگئی مگر جن کے دل بیمار تھے جن کے ایمان بے جان تھے وہ طرح طرح کے شکوک میں مبتلا ہوگئے۔ وہ اوہام کے بھنور میں گھر گئے۔ بالآخر دین سے پھر گئے۔

پیارے نبیؐ مخلص ساتھیوں میں بیٹھے۔ اللہ نے جن بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا تھا، ان کا تذکرہ کرنے لگے۔ بیت المقدس سے آسمان پر جانے کا حال

سنایا۔ وہاں قدرت کے جو جلوے دیکھے، ان کو بیان فرمایا۔ آپؐ نے بتایا، اس طرح حضرت جبریلؑ مجھے پہلے آسمان پر لے گئے۔ وہاں تمام انسانوں کے باپ حضرت آدمؑ ملے۔ حال یہ تھا کہ جب دائیں طرف دیکھتے تو خوشی سے کھل اٹھتے اور بائیں طرف دیکھتے تو مارے غم کے آنکھوں میں آنسو بھر لاتے کیونکہ دائیں طرف نیک اولاد کے اعمال تھے بائیں طرف بری اولاد کے۔ حضرت آدمؑ نے آپؐ کو دیکھا تو فرمایا:

''خوش آمدید اے نیک نبی! مرحبا، صد مرحبا اے نیک فرزند!''

''جبریل! یہ کون ہیں؟!'' پیارے نبیؐ نے سوال کیا۔

''یہ آدم ہیں۔ سارے انسانوں کے باپ''۔ حضرت جبریلؑ نے تعارف کرایا۔

پھر آپؐ کو دوسرے آسمان پر لے گئے۔ پھر تیسرے آسمان پر۔ اسی طرح آگے بڑھتے گئے۔ جس جس نبی کے پاس سے آپ گزرتے، یہ دل نواز فقرے آپ کا استقبال کرتے:

خوش آمدید اے نیک نبی! مرحبا صد مرحبا اے نیک بھائی! یہاں تک کہ آپؐ ساتویں آسمان پر پہنچ گئے۔ وہاں حضرت ابراہیمؑ ملے۔ دیکھتے ہی بولے:

''خوش آمدید اے نیک نبی! مرحبا صد مرحبا اے نیک فرزند!''

پھر آگے بڑھے، اور آگے، اور آگے۔ راہ میں جمال کے بھی جلوے دیکھے اور جلال کے بھی۔ ہزاروں فرشتے نظر آئے، جو سجدہ و تسبیح میں مصروف تھے۔ بڑھتے بڑھتے آپؐ عرشِ الٰہی کے قریب پہنچ گئے۔ وہاں آپؐ پر اور ساری امت پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ واپس ہوئے تو حضرت موسیٰؑ کے یہاں سے گزر ہوا۔

''کہیے، کیا فرض ہوا اُمّت پر!'' انہوں نے دیکھتے ہی سوال کیا۔

حضورؐ: ''دن اور رات میں پچاس نمازیں۔''

موسیٰؑ : ''لوٹ کر جائیے اور رب سے کمی کی درخواست کیجیے۔''

آپؐ گئے اور کمی کی درخواست کی۔ اللہ نے آدھی نمازیں کم کر دیں۔ واپسی میں پھر حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا:

''پھر جائیے اور کمی کی درخواست کیجیے۔ اتنی نمازیں امت سے نہیں ہو سکیں گی۔''

آپؐ پھر لوٹ کر گئے اور کمی کی درخواست کی۔ اللہ نے درخواست قبول کی اور کچھ نمازیں پھر کم کر دیں۔ موسیٰؑ کو معلوم ہوا تو فرمایا:

''اتنی نمازیں بھی زیادہ ہیں۔ ایک بار اور جائیے اور کمی کی درخواست کیجیے۔''

آپؐ پھر تشریف لے گئے۔ اللہ نے اس بار پانچ نمازیں کر دیں۔ فرمایا:

''یہ پانچ نمازیں ہیں۔ لیکن ثواب ان کا پچاس کا ہے۔ میرے فیصلے بدلا نہیں کرتے۔''

پوری رات گزر گئی اور مخلص ساتھی بیٹھے رہے۔ آپؐ نے آسمان پر جو جو مناظر دیکھے تھے، خدا کی قدرت کے جو جو جلوے نظر آئے تھے، پوری دلچسپی سے بیان فرمارہے تھے۔ ساتھی مزے لے لے کر سن رہے تھے۔ آپؐ نے جنت میں جو کچھ دیکھا تھا، وہ بھی بیان فرمایا۔ نیک ساتھیوں کو مژدہ بھی سنایا: ''جنت میں یہ یہ نعمتیں ہیں، جو تمہارے انتظار میں ہیں۔''

لیکن جو دین سے پھر گئے، وہ؟ ان کے بارے میں خود خدا نے فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ۔ (سورہ اسراء:٦٠)

(اور جو مشاہدہ ہم نے تمہیں کرایا ہے اسے تو بس ایک آزمائش بنا دیا ہے اِن لوگوں کے لیے۔)

..............☆☆☆..............

محمد عربی ﷺ

(۸)

اور — "کارواں" بنتا گیا

- واقعہ معراج اور کمزور مسلمان
- رسول خدا کی قافلوں سے ملاقات
- چند سعید روحیں اسلام کے اجالے میں
- عیسائیوں کا ایک وفد اور اس کا تأثر
- قبائل میں آپ کا دورہ
- اوس وخزرج کی خانہ جنگی
- اسلام کی کرنیں قبیلۂ خزرج میں
- بیعت عقبۂ اولی
- مدینے میں ماہ اسلام کی تابانی
- چچا عباس کی تقریر
- اہل مدینہ کا جوش وولولہ
- بیعت عقبہ ثانیہ
- مشرکین کی بوکھلاہٹ
- مدینے میں نئی زندگی کی صبح

(۱)

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَاالَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَۃٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ.

(نیک برتاؤ سے ٹال دیا کرو۔اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ تم میں اور جس شخص میں عداوت تھی، یکایک وہ ایسا ہو جائے گا جیسے کوئی جگری دوست۔)

ظلمتوں کے طوفان میں کیا کرنا چاہیے؟ دشمنوں سے کیسا برتاؤ ہونا چاہیے؟ بیزار دلوں میں اسلام کو کیسے بسانا چاہیے؟ یہ آیت ان ہی سوالات کا جواب ہے۔ خدائے دانا نے فرمایا:

''اے نبی! ایسے نازک وقت میں آپ کو بہت ہی ہوشیاری اور حکمت سے کام کرنا ہے۔ دشمنوں سے بات کیجیے تو بہت ہی میٹھے انداز میں۔ اعتراضات کے جواب دیجیے تو بہت ہی سنجیدہ لہجے میں۔ کچھ سمجھائیے تو انتہائی پیار ومحبت کے پیرائے میں اور اگر وہ ظلم وستم کے پہاڑ توڑیں تو صبر کیجیے۔ جو صبر کرتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا ہے۔''

معراج کا حیرتناک واقعہ پیش آیا تو جو لوگ عقل کے کورے تھے۔ دل ان کے بے نور تھے۔ اور بصیرت سے وہ یکسر محروم تھے۔ وہ اللہ کی حکمت کو سمجھ نہ سکے۔ وہ شیطان کے پھندے میں آ کر دین سے پھر گئے۔ اس سے مسلمانوں کو

سخت دھچکا لگا۔ البتہ مشرکوں کے ہاتھ مضبوط ہو گئے اور دماغ آسمان پر جا پہنچے۔

انہوں نے آپؐ کے خلاف کھلا ہوا اعلان جنگ کر دیا۔ طے کر لیا، کسی کے ساتھ ذرا بھی رعایت نہیں کریں گے۔ مسلمانوں سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے۔ گھیر گھیر کر ستاتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ گھبرا کر محمدؐ کا ساتھ چھوڑ دیں۔ ان کی دعوت اور تعلیمات سے بیزار ہو جائیں۔

پیارے نبیؐ ساری اذیتیں جھیلتے رہے اور ان کے لیے سراپا خیر و رحمت بنے رہے۔ عرب میں تین بہت مشہور بازار تھے۔ بازار عُکاظ، بازار مجنہ، بازار ذِی المجاز۔ حاجی ہر سال مکے جانے سے پہلے ان بازاروں میں جاتے۔ آپؐ بھی وہاں تشریف لے جاتے۔ ان سے ملاقاتیں کرتے۔ منیٰ اور عقبہ جاتے ہوئے حاجیوں کے قافلے جس جگہ ٹھہرتے، آپؐ وہاں جا کر ان سے ملتے۔ ان کو دین کی دعوت دیتے۔ قرآن کی آیتیں سناتے۔ ان آیتوں میں شرک کے انجام بد کے ڈراوے ہوتے۔ ایمان کے حسن انجام کے وعدے ہوتے۔ پھر آپؐ ان سے ایمان لانے اور حق کا ساتھ دینے کے لیے کہتے۔ آپؐ کی خواہش تھی، قریش کی بدسلوکیوں سے نجات مل جائے تاکہ آزاد ہو کر دین کی دعوت دے سکیں رب کا بھیجا ہوا پیغام پہنچا سکیں۔

لیکن آپؐ اسی طرح دعوت دیتے رہیں۔ لوگوں کو دین کی طرف بلاتے رہیں، یہ قریش کو کب گوارا تھا؟ جاں نثاروں کی تعداد بڑھے، مددگاروں میں اضافہ ہو، یہ انہیں کب برداشت تھا؟ چنانچہ آپؐ کہیں جاتے تو ابولہب یا دوسرے غنڈے پیچھے ہو لیتے، اور کسی کو دعوت دیتے تو یہ فوراً تردید کرتے، ہونٹ چباتے ہوئے کہتے:

''بھائیو! یہ تو جھوٹا ہے۔ جادوگر ہے۔ خود بھی گمراہ ہے، دوسروں کو بھی گمراہ

کرتا ہے۔ دیکھو، اس کی باتوں میں نہ آنا۔ اس کی ایک نہ سننا۔''

چنانچہ قافلے والوں نے کانوں پر ہاتھ دھر لیے۔ برا بھلا کہا اور چہرے پھیر لیے۔ سیکڑوں انسانوں میں تھوڑے ہی لوگ ایسے تھے جنہوں نے آپؐ کی باتیں سنیں اور تسلیم کیں۔

انہی خوش نصیبوں میں ایک طفیل دوسی تھے۔ یہ بہت اونچے گھرانے کے شاعر تھے۔ عقل وخرد سے بہرہ ور تھے۔ حج کی غرض سے مکے آئے تو قریش نے کان بھر دیئے اور آپؐ سے دور رہنے کی تاکید کی۔ ان کو قریش کی باتوں پر یقین آ گیا۔ طواف کرنے چلے تو کانوں میں روئی ٹھونس لی مبادا آپؐ کی کوئی بات کان میں پڑ جائے! وہ کعبے کے پاس آئے تو آپؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ طواف کے دوران پاس سے گزر ہوتا تو کانوں میں قرآن کی کچھ نہ کچھ بھنک پڑ ہی جاتی۔ غور کیا تو وہ آیتیں بہت بھلی لگیں۔ دل میں سوچا:

''اُف، میری نادانی !! میں تو ایک نام ور شاعر ہوں۔ عقل و ہوش سے مالا مال ہوں۔ خوب و ناخوب میں خوب تمیز کر سکتا ہوں۔ پھر اس کی باتیں نہ سننے کے کیا معنیٰ، اچھی ہوئیں تو بہتر ہے ورنہ ٹھکرا دوں گا؟!!''

آپؐ گھر آنے لگے تو وہ بھی ساتھ ہو لیے۔ انہوں نے آپؐ کو اپنی پوری کہانی سنائی۔ پھر آپؐ نے قرآن سنایا۔ قرآن سننا تھا کہ دل پگھل گیا۔ ایک عجیب قسم کی ٹھنڈک اور راحت محسوس ہوئی۔ آپ نے انہیں اسلام لانے کی دعوت دی۔ انہوں نے بڑی جواں مردی دکھائی۔ فوراً دعوت پر لبیک کہا اور عرض کیا:

''اللہ کے رسول! قبیلے کا دل میرے ہاتھ میں ہے۔ ہر ایک مجھ پر جان دیتا ہے۔ کوئی بات کہوں تو اس کی تعمیل کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتا ہے۔ جاتا ہوں، ان کو بھی اسلام کی دعوت دوں گا۔''

وہ لوٹ کر آئے۔ گھر والوں کو اسلام کی دعوت دی۔ سب کو ان کی عقل و فہم پر اطمینان تھا۔ فوراً وہ تیار ہو گئے اور اسلام لے آئے۔ بعد میں پوری قوم مسلمان ہو گئی۔

سارے عرب میں آپؐ کا چرچا ہو گیا۔ عیسائیوں کو معلوم ہوا تو تحقیق کے لیے ایک وفد بھیجا۔ آپؐ نے انہیں قرآن کی چند آیتیں سنائیں۔ سنتے ہی ان کے دل دہل گئے اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اب ایک لمحے کی بھی تاخیر گوارا نہ تھی۔ فوراً وہ ایمان لے آئے۔ جو کچھ آپؐ نے کہا، اس کو تسلیم کیا اور مسلمان ہو کر واپس ہوئے۔

راستے میں ابو جہل اور کچھ قریشی مل گئے۔ دیکھتے ہی غرّائے:

''اللہ تمہیں غارت کرے۔ قوم نے تو بھیجا تھا کہ حقیقت کا پتہ چلاؤ۔ صحیح بات کا سراغ لگاؤ لیکن تمہارا یہ حال؟! تمہاری مثال تو ایسی ہے جیسے بے پیندے کے بدھنے! بیٹھے نہیں کہ اس کے جادو میں آ گئے۔ ارے، اپنا دین کھو بیٹھے؟!!''

وفد نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی، سب سنی ان سنی کر دی۔ ایمان کی دولت پا کر ان کا دل خوشی سے معمور تھا۔ وہ بے تابانہ بڑھے چلے جا رہے تھے کہ قوم کو نئے دین کی خوش خبری سنائیں۔

آپؐ کی خبر سن کر جو لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے۔ پھر اس سے مالا مال ہوئے۔ ان میں صامتِ کے بیٹے سُوَیدؓ بھی ہیں۔ یہ مدینے کے بہت معزز لوگوں میں تھے۔ شاعری میں ماہر تھے۔ بہادری میں طاق تھے۔ خاندانی اعتبار سے اونچا درجہ رکھتے تھے۔ اس لیے قوم کے لوگ ان کو ''کامل'' کہتے۔ یہ حج کی غرض سے مکے آئے۔ آپؐ کو خبر ہوئی تو ان کے پاس تشریف لائے۔ ان کے سامنے اسلام کی تعلیمات رکھیں اور خدا پرستی کی دعوت دی۔ سُوَید نے کہا: ''شاید جو میرے پاس ہے وہی آپ کے پاس بھی ہے؟!''

پیارے نبیؐ: ''کیا ہے آپ کے پاس؟''

سُوَید: ''حکیم لقمان کی حکمتیں۔''

پیارے نبیؐ: ''کیا ہیں وہ حکمتیں؟ کچھ ہمیں بھی سنائیے۔''

سُوَید کو جتنی حکمتیں معلوم تھیں، سب سنا دیں۔ آپؐ غور سے سنتے رہے۔ پھر فرمایا: ''یہ تو بہت اچھی ہیں لیکن جو میرے پاس ہے وہ ان سے بھی بہتر ہے۔ بہت بہتر ہے! میرے پاس قرآن ہے۔ خدا کی آخری کتاب۔ وہ سراپا نور و ہدایت ہے۔''

آپؐ نے ان کو قرآن سنایا اور نئے دین کی دعوت دی۔ سُوَید بہت متاثر ہوئے۔ بولے: ''یہ تو بہت عمدہ ہے!''

پھر سوید مدینہ لوٹ آئے۔ جو کچھ سنا تھا ذہن میں محفوظ تھا۔ اسے بار بار سوچتے رہے۔ بعد میں قتل ہوئے تو مسلمان تھے ہوا۔ یہ کہ مدینے میں یہود بھی آباد تھے۔ یہ لگانے بجھانے اور چالیں چلنے میں ماہر تھے۔ ان کی چالوں سے اَوس و خزرج باہم ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ ان میں بہت زوروں کی خانہ جنگی ہوئی۔ سویدؓ اسی میں کام آ گئے۔

مدینے سے آ کر جو لوگ اسلام لائے ان میں اَیاسؓ بھی ہیں۔ یہ مُعاذ کے بیٹے تھے۔ ابھی بہت کم سن تھے۔ اوس و خزرج میں جنگ تو چل ہی رہی تھی۔ ہر ایک کی کوشش تھی، عرب کے جتنے قبیلے مل سکیں، ان کو اپنا حلیف بنا لے۔ اس طرح فریق مخالف پر غالب آ جائے۔ اوس کے کچھ لوگ آئے کہ قریش کو اپنا حلیف بنائیں۔ انہی میں ایاس بھی تھے۔

آپؐ کو خبر ہوئی تو ان لوگوں کے پاس آئے انہیں اسلام لانے کی دعوت دی۔ قرآن کی کچھ آیتیں سنائیں۔ آیتیں سن کر ایاس نے کہا:

''میری قوم! خدا کی قسم! جس کام کے لیے آپ لوگ آئے ہیں یہ اس سے

بھی بہتر ہے!!''

لیکن ان کو تو جنگ کی دھن تھی اور رات و دن اسی کی فکر۔ قافلے کا سردار اَبُوالحَیُس تھا۔ اس نے زمین سے کنکریاں اٹھائیں اور ان کے منہ پر ماریں۔ پھر بڑی لاپروائی سے بولا:

''چپ بھی رہ! اس کام کے لیے ہم تھوڑی آئے ہیں۔''

لیکن ایاس[۱] اسی وقت اسلام لے آئے۔ پھر کچھ ہی دن گزرے کہ اَوس و خزرج میں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔

بہت سے قبیلوں میں آپؐ خود گئے۔ انہیں اسلام لانے کی دعوت دی، بڑی دل سوزی سے حق کا ساتھ دینے اور دین کی مدد کرنے کی درخواست کی۔ لیکن کانوں پر جوں نہ رینگی۔ ہر ایک نے سنی ان سنی کر دی۔

کسی نے تو سوچا، ہمارا شہر ہر ایک کو عزیز ہے اگر محمدؐ کا ساتھ دیا تو اندیشہ ہے لوگوں کو ناگوار ہوگا پھر یہاں آنا دل پر بار ہوگا۔ قبیلہ ثقیف کے لیے یہی رکاوٹ تھی۔ طائف کی آب و ہوا بہت خوش گوار تھی۔ ہر ایک کو پسند آتی۔ گرمیاں آتیں تو وہاں رئیسوں کی چہل پہل ہوتی۔ ثقیف کو خطرہ تھا اگر محمدؐ کا ساتھ دیا تو وہ طائف کا ''طواف'' کرنا چھوڑ دیں گے۔ عرب کا مشہور بُت ''لات'' بھی وہیں تھا جو عام و خاص کی زیارت گاہ تھا۔ ایمان لانے سے اس کی رونق ختم ہو جانے کا خطرہ تھا۔

کچھ قبیلے ایسے بھی تھے، جنہیں سرداری کی ہوس تھی۔ قبیلہ بنو عامر کا یہی حال تھا۔ انہوں نے آپؐ سے کہا:

---

[۱] ایاسؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ لوگوں نے دیکھا، آخری وقت ان کی زبان پر تکبیر جاری تھی۔

''ہم ایمان تو لے آئیں گے لیکن آپ کے بعد حکومت ہم کریں گے۔''

آپؐ نے فرمایا: ''حکومت اور سرداری اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہتا ہے، اس سے نوازتا ہے۔''

انہوں نے سنا تو یہ کہتے ہوئے گردنیں ہلا دیں: ''ہم تو آپ کے لیے گردنیں کٹوائیں ۔ پھر غلبہ نصیب ہو جائے تو سرداری دوسرے لوگ کریں۔ جائیے آپ کی ہمیں ضرورت نہیں۔''

کندہ، کلب، بنو حنیفہ، بنو مضر عرب کے مشہور قبیلے تھے۔ یہ اور نہ جانے کتنے قبیلے تھے۔ سب نے کانوں پر ہاتھ دھر لیے۔ کسی نے بھی آپؐ کی مدد نہ کی۔ وہ کہتے، آدمی کا حال گھر والے ہی بہتر جانتے ہیں۔ اگر اس میں خیر ہوتا تو گھر والے کیوں نہ ساتھ دیتے؟

غرض ہر جگہ ناکامی ہوئی۔ کسی نے بھی آپؐ کی حمایت نہ کی۔ بہتوں نے تو بڑی بے دردی کا سلوک کیا۔ سختی سے انکار کر دیا۔ اگر کچھ قبیلے انسانیت سے پیش بھی آتے اور شرافت سے باتیں سننے کے لیے تیار ہوتے تو ابولہب آ پہنچتا۔ ان کو آپؐ کے خلاف بھڑکاتا اور کہتا:

''یہ چاہتا ہے، تم لات و عزّیٰ کو چھوڑ کر اس کی خرافات میں پھنس جاؤ۔ تو دیکھو، اس کی باتیں نہ ماننا۔ اس کے فریب میں کبھی نہ آنا۔''

ابولہب کی باتیں سن کر وہ لوگ بدک جاتے پھر ان کے بھی تیور بگڑ جاتے۔

۲

اوس و خزرج مدینے کے دو مشہور قبیلے تھے۔ ان میں ایک زمانہ سے اَن بَن

تھی۔ آپ ؐ نبی ہوئے تو یہ اَن بَن پورے شباب پر تھی اور پہلے سے زیادہ اونچے پیمانے پر۔ آپس میں تو یہ اَن بَن تھی ہی، پڑوسی یہودیوں سے بھی ہوگئی۔ اسی لیے ان میں ہمیشہ جنگ رہتی۔ کبھی اوس وخزرج میں، کبھی اوس اور یہود میں، کبھی خزرج اور یہود میں۔ کبھی اوس وخزرج اور یہود میں۔ اس طرح مدینے میں کسی نہ کسی رنگ میں جنگ جاری ہی رہتی۔ ایک کی آگ بجھنے نہ پاتی کہ دوسری جنگ بھڑک اٹھتی۔

یہودی بڑے مکّار اور چالوں کے بادشاہ تھے۔ سوچا، اوس وخزرج دونوں ایک ہوکر لڑتے ہیں۔ اس میں تو ہمارے لیے بڑا خطرہ ہے۔ سارے آدمی کٹے جارہے ہیں۔ ساری دولت ڈوبتی جارہی ہے۔ مدینے کے ہم سردار تھے۔ اب یہ سرداری بھی دم توڑ رہی ہے۔ کوئی ایسی چال چلنی چاہیے کہ دونوں کے دل پھٹ جائیں۔ وہ ایک دوسرے سے کٹ جائیں اور جڑنے کا نام نہ لیں۔ وہ آپس ہی میں لڑتے رہیں ہماری طرف مڑ کر نہ دیکھیں۔

چنانچہ یہی ہوا۔ دونوں ایک دوسرے کے نام سے جلنے لگے۔ ہر ایک کا ارمان تھا، دوسرے کو مٹا کر چھوڑے۔ ذرا ذرا سی بات پر جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے اور پھر بجھتے بجھتے ماہ وسال بیت جاتے۔ نتیجہ کیا ہوا؟ رشتۂ اخوت پارہ پارہ ہوگیا اور پھر ان کے اعضاء تھک کر چور ہوگئے۔ بے پناہ دولت تباہ ہوگئی اور نہ جانے کتنے انسان ضائع ہوگئے۔ پھر بھی وہ نہ مانے اور خون کی ہولی کھیلتے رہے۔

اس وقت یہودیوں کی پالیسی بھی کتنی گہری تھی! وہ ہارے ہوئے کی مخالفت کرتے۔ جیتے ہوئے کی پیٹھ ٹھونکتے تاکہ ایک کے مقابلے میں دوسرا بالکل ہی کمزور ہوجائے اس طرح ان کی قوت وشوکت بڑھے۔ ساتھ ہی وہ دونوں پر اپنی سرداری قائم رکھنے کی کوشش کرتے۔ خود تو اونچے اونچے کام چن لیتے۔ تجارتی

منڈیوں پر قبضہ کر لیتے اور ان کے لیے چھوٹے چھوٹے کام چھوڑ دیتے۔

یہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے تھے۔ کتاب و شریعت کے حامل تھے اور اوس و خزرج بت پرست تھے۔ ان کو اس پر بھی بڑا ناز تھا۔ یہ اپنی بڑائی جتانے کے لیے انہیں عار دلاتے۔ ان کے سامنے انجام کی نہایت بھیانک تصویر کھینچتے۔ پیارے نبیؐ کے سلسلے میں اپنی کتابوں کی پیشین گوئیاں سناتے۔ کہتے:

''ایک نبی آنے والا ہے۔ اس کا وقت بس قریب ہے۔ وہ آ جائے تب دیکھنا، کس طرح تمہارے چھکے چھڑاتے ہیں۔ ہم اس کے ساتھ ہو جائیں گے پھر عادِ اِرَم کی یاد تازہ کریں گے۔''

عرصے تک مدینے والوں کا یہی حال رہا۔ اس وقت بھی یہی حالات تھے جب قبیلہ اَوْس کا وفد قریش کو اپنا حلیف بنانے آیا تھا۔ اسی موقع پر آپؐ کی اس سے ملاقات ہوئی تھی اور آپؐ نے اسلام کی دعوت دی تھی۔ اَیاسؓ بِن مَعاذ نے اُسی دَم لبّیک کہا تھا۔ بقیہ لوگوں نے ماننے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ اس وقت وہ جنگ کی دھن میں تھے اور اسی کے نشے میں چور۔

قبیلہ اَوْس نے اس وقت تو آپؐ کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ بڑے روکھے پن سے انکار کر دیا لیکن گھر لوٹے تو دل پر کافی اثر تھا ذہن میں بار بار وہ باتیں گونج رہی تھیں۔

پھر...... اوس و خزرج میں جنگ کے تیز اور ہولناک شعلے بھڑک اٹھے۔ قریب تھا، پوری آبادی ان کی لپیٹ میں آ جاتی اور سب کے سب بھسم ہو جاتے۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا کہ یہودی قبیلہ اَوْس سے مل گئے۔ اس طرح ان کی فتح ہو گئی اور جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔

اب دونوں نے اپنی اپنی حالت پر نظر ڈالی۔ جنگ کے اثرات کا جائزہ لیا۔

انجام سامنے آیا تو دونوں کے اوسان جاتے رہے۔ یہ دیکھ کر ان کے ہوش اڑ گئے کہ اس میں بے شمار جانیں ہلاک ہوگئیں۔ بے پناہ مال تباہ ہوگیا۔ ساری قوت برباد ہوگئی۔ اور جاہ وشوکت کا محل زمین پر آ رہا۔ انہوں نے محسوس کیا، اب تو ہم یہودیوں کے غلام ہیں۔ جو ہارے ہیں وہ بھی۔ جو جیتے ہیں وہ بھی۔

یہی وہ ہولناک جنگیں ہیں، جو جنگ بُعاث کے نام سے مشہور ہیں۔ جن کی تباہیوں اور بربادیوں کے قصے اب تک دنیا کو یاد ہیں۔

جنگ کا خوفناک انجام دیکھ کر دونوں قبیلے لرز گئے۔ دونوں نے مل کر عزم کیا۔ "اب ہم آپس میں میل محبت سے رہیں گے۔ وقت پڑا ایک دوسرے کے دست وبازو بنیں گے۔"

ان میں صلح ہوگئی۔ دونوں نے طے کیا، اوس وخزرج کا سردار ایک ہی ہو۔ اس کے لیے ان کی نظریں عبداللہ بن اُبیّ پر پڑیں۔ یہ قبیلہ خزرج کا آدمی تھا۔ دانائی اور ہوشیاری میں مشہور تھا۔ حسن تدبیر میں اس کا چرچا تھا۔ اثر ورسوخ میں بھی سب سے آگے تھا۔ چنانچہ سب نے تائید کی اور بات طے ہوگئی۔ جشن تاج پوشی کے لیے تاریخ بھی پڑ گئی۔ لیکن اچانک حالات کا رخ بدلا۔ یہ کام ہوتے ہوتے رہ گیا۔ غیب سے عزت وسربلندی کے لیے کچھ اور ہی سامان ہو رہا تھا۔ جو ان کے لیے زیادہ بہتر بھی تھا، اور اس تدبیر سے زیادہ کارگر بھی۔

۳

نبوت کا دسواں سال تھا۔ جنگِ بُعاث کے بعد محترم مہینے آئے تو قبیلہ خزرج کے چھ آدمی حج کے ارادے سے نکلے۔ ساتھ میں قبیلہ بَنُو نجّار کے بھی دو آدمی

تھے۔ یہ رشتے میں عبدالمطلب کے ماموں تھے۔ وہی عبدالمطلب جو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے۔ یہ لوگ مکے جارہے تھے۔

عقبہ نامی ایک مقام پر پہنچے تو آپؐ سے ملاقات ہوگئی۔ آپؐ نے پوچھا:

''آپ لوگ کون ہیں؟ کس قبیلے سے ہیں؟ کہاں سے آرہے ہیں؟''

''ہم قبیلۂ خزرج کے ہیں۔ مدینہ سے آرہے ہیں۔''

''یہودیوں کے پڑوسی ہیں؟ یہود بھی تو وہیں رہتے ہیں؟''

''ہاں۔ یہود ہمارے پڑوسی ہیں۔ ہم وہیں رہتے ہیں۔''

''کیا آپ لوگ کچھ دیر ہمارے ساتھ بیٹھنا پسند کریں گے؟

''جی ہاں، ضرور۔ یہ آپ کی مہربانی ہوگی۔ ہماری خوش قسمتی ہوگی۔''

وہ آپؐ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپؐ نے انہیں دین کی دعوت دی۔ اسلام کی باتیں بتائیں۔ کچھ قرآن پڑھ کر سنایا اور بتایا، میں اللہ کا رسول ہوں۔ آپؐ کی باتیں سن کر وہ بہت حیران ہوئے۔ دل پہ بڑا اثر ہوا۔ آپس میں بولے:

''خدا کی قسم! یہ وہی نبی تو ہیں، جن کی یہود دھمکی دے رہے تھے۔ خدا کی قسم! اب وہ ایمان لانے میں ہم سے بازی نہ لے جائیں۔''

اسی وقت وہ ایمان لے آئے۔ جو کچھ آپؐ نے فرمایا، کانوں نے سنا۔ اور دل نے محفوظ کرلیا۔ انہوں نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! ہماری قوم میں جتنی برائی اور دشمنی ہے، کسی بھی قوم میں نہیں۔ ہوسکتا ہے اللہ آپ کی برکت سے دلوں کو جوڑ دے اور سب آپ کے گرد اکٹھا ہوجائیں آپ سے زیادہ ہر دلعزیز تو کوئی اور ہو نہیں سکتا۔''

اسلام لاکر ان لوگوں نے خوشی خوشی حج کیا۔ پھر قوم کی طرف پلٹے کہ ان کو نئے نبی کی خوش خبری سنا دیں۔ اسی نبی کی، جس کی آمد کی یہود دھمکیاں دے

رہے تھے۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا، اَوس پہلے سے ہی یہ مژدہ سن چکے ہیں۔ یہ بھی دیکھا کہ نہ جانے کتنی روحیں نئے دین کے لیے بے تاب ہیں اور نہ جانے کتنے دل اسے قبول کرنے کے لیے سراپا انتظار ہیں۔

دوسرے سال حج کے دن آئے تو اوس وخزرج کے بارہ آدمی مدینے سے چلے۔ عقبہ میں آپؐ سے ملاقات ہوئی۔ وہیں پر ان لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور عہد کیا: اب شرک نہیں کریں گے۔ چوری سے دور رہیں گے۔ اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ کسی پہ بہتان نہیں لگائیں گے۔

آپؐ نے فرمایا: ''اگر اس عہد کو نباہا تو اللہ جنت دے گا۔ اور ان میں سے کوئی برائی سرزد ہوگئی تو مولیٰ کی مرضی پر ہوگا۔ چاہے گا تو معاف کرے گا۔ چاہے گا تو عذاب دے گا۔''

یہی بیعت ''بیعتِ عقبہ اُولیٰ'' کے نام سے مشہور ہوئی یہ نبوت کے گیارہویں سال ہوئی۔

پھر وہ لوگ مدینہ لوٹے تو آپؐ نے مُصعبؓ بن عمیر کو بھی ساتھ کر دیا کہ اہلِ مدینہ کو قرآن پڑھائیں۔ اسلام کی باتیں بتائیں، دین کے احکام سکھائیں۔

مدینے میں اسلام بہت تیزی سے پھیلا۔ لوگ پہلے سے ہی حق کے پیاسے تھے اور مدت سے اس کے لیے بے چین۔ اسلام کو پا کر ان کی پیاس بجھی اور دل کی بے چینی دور ہوئی۔

حضرت مصعبؓ پورے جوش اور ولولے سے ان کو علم دین سکھا رہے تھے کچھ لوگ اندھی غیرت اور حمیت سے سرشار ہوتے، اور اسلام کی طرف دیکھنا بھی عار سمجھتے، لیکن دین کی برکتیں دیکھتے اور قرآن کی چند آیتیں سنتے تو پتھر سے موم ہو جاتے۔ خود بھی اسلام میں آجاتے۔ اوروں کو بھی اس کی دعوت دیتے۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ مدینے والوں کو اسلام سکھاتے رہے۔ نمازیں پڑھاتے رہے یہاں تک کہ گھر گھر دین کا چراغ روشن ہو گیا۔ گلی گلی اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔ بس کچھ ہی بدنصیب تھے جو شرک پر اَڑے رہے اور آبائی دین چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

اللہ اہلِ مدینہ کا بھلا کرے!! ایک ہی سال میں وہاں اتنے مسلمان ہوئے کہ مکےّ میں برسوں میں نہ ہوئے!!

انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا جھنڈا لہرایا۔ ہر طرف آپ ﷺ کا بول بالا کیا۔ ٹھیک اُس وقت جبکہ آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو مٹا دینے کے درپے تھی!! اس لیے کوئی حیرت کی بات نہیں، اگر مسلمانوں کے دل اہلِ مدینہ کی محبت سے لبریز ہو گئے۔ ان سے ملنے کے لیے بے تاب ہو گئے اور ان تک پہنچنے کے لیے اس طرح تڑپنے لگے جیسے پنجرے میں پرندہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سلسلے میں کافی فکرمند تھے کیونکہ اب ایسے جانباز مل گئے تھے جو آپ ﷺ کا ساتھ دینے کے لیے تیار تھے! ایسے مددگار مل گئے تھے، جو آپ ﷺ کی حمایت کے لیے سراپا انتظار تھے! اور ایسے انصار مل گئے تھے، جو آپ ﷺ پہ نثار ہونے کے لیے بے قرار تھے!!

پھر لگاتار ایسی خبریں آ رہی تھیں، جو آپ ﷺ کے لیے انتہائی مسرت بخش تھیں۔ جو ایک نہایت حسین اور تابناک مستقبل کا پتہ دے رہی تھیں۔

مدینے والوں نے دل و جان سے آپ ﷺ کی باتیں قبول کی تھیں۔ انہوں نے عزم کیا، آپ ﷺ کی مدد کریں گے۔ جان پر کھیل کر آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے۔ ان کی شدید خواہش ہوئی، کاش آپ ﷺ کی حمایت کا شرف حاصل ہو جائے۔ کاش آپ ﷺ کا سایہ ہم کو نصیب ہو جائے۔ ایک روز وہ آپس میں بولے:

''رسول خدا مکّے میں پریشان ہیں۔ مدد کے لیے پکارتے ہیں لیکن کوئی سنتا نہیں۔ آخر یہ شرمناک منظر ہم کب تک دیکھتے رہیں گے؟!''

انہوں نے طے کیا، اب کے حج کے دن آئیں تو مکّے جائیں گے۔ رسولؐ خدا کو مدینے بلائیں گے، اور آپؐ سے ہر طرح کی حفاظت اور مدد کا عہد کریں گے۔

حضرت مصعبؓ مکّے لوٹ کر آئے۔ تو ان سے آپؐ کو بڑی اچھی خبریں موصول ہوئیں۔ جو جو باتیں آپؐ جاننی چاہتے تھے، وہ ساری باتیں بھی معلوم ہوگئیں۔ محترم مہینے آئے تو مدینے سے بہت بڑا قافلہ حج کے لیے روانہ ہوا۔ قافلے میں مسلمان بھی تھے اور غیر مسلم بھی۔ مسلمانوں کی تو نیت تھی، آپؐ سے ملیں گے، وفاداری اور جاں نثاری کا عہد کریں گے۔ مگر یہ ایک راز تھا جس سے مشرک ساتھی بالکل بے خبر تھے۔

نبوت کا بارہواں سال تھا۔ صحن کعبہ میں ان لوگوں کی آپؐ سے ملاقات ہوئی وہیں عہد و بیعت کے لیے مناسب جگہ تجویز ہوئی۔

رات کا تہائی حصہ گزر گیا۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ سارے ہنگامے خاموش ہو گئے۔ قریش نیند کے نشے میں مست ہو گئے۔ تمام بیرونی حاجی بھی محوِ خواب ہو گئے۔ اس وقت مدینے کے مسلمان چپکے سے اٹھے۔ ان میں تہتر مرد تھے اور دو عورتیں۔ یہ لوگ چھپ چھپا کر وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔ مکے سے کچھ فاصلے پر عقبہ پہنچ گئے۔ وہاں ٹیلوں چٹانوں کی آڑ میں دبک گئے اور آپؐ کا انتظار کرنے لگے۔

کچھ دیر میں آپؐ بھی آ گئے۔ ساتھ میں چچا عبّاس بھی تھے۔ یہ آپؐ کے خاص راز دار تھے۔ ان کی خواہش ہوئی، اس اہم موقع پر موجود رہیں۔ مدینے

والوں کے کیا ارادے ہیں؟ کیا عزائم اور حوصلے ہیں؟ اس کا خوب اندازہ کر لیں۔ انہی نے کارروائی کا آغاز کیا۔ بولے:

''اے گروہِ خزرج! محمد کا ہم میں جو مقام ہے اس سے تم سب واقف ہو۔ انہیں ہم نے دشمنوں سے بچایا ہے۔ ہمیشہ ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا ہے۔ سن لو، یہ وطن میں بالکل محفوظ ہیں۔ دشمنوں سے انہیں کوئی خطرہ نہیں۔ مگر یہ تمہارے یہاں جانے کے لیے بے تاب ہیں۔ تمہارے پاس رہنے کے آرزومند ہیں۔ تمہیں اگر اپنے وعدوں کو وفا کرنے کا حوصلہ ہو۔ انہیں دشمنوں سے بچانے کا ولولہ ہو تو ٹھیک ہے، خوشی سے لے جاؤ۔ لیکن کوئی پریشانی ہوئی تو ہم ذمہ دار نہیں ہوں گے اور اگر بے وفائی کا خیال ہے تو انہیں ابھی سے چھوڑ دو۔ یہ یہاں عزت سے ہیں۔ سارے اندیشوں سے محفوظ ہیں''۔

چچا عباسؓ تقریر سے فارغ ہوئے تو اہلِ مدینہ بولے: ''آپ کی باتیں ہم نے سن لیں۔ اللہ کے رسول! اب آپ کچھ فرمائیں۔ جس بات پر چاہیں، ہم سے قسمیں لے لیں''۔

آپؐ نے قرآن پاک کی چند آیتیں پڑھیں۔ پھر فرمایا: ''جس طرح تم لوگ اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو، کیا میری بھی حفاظت کرو گے؟ میں بس اتنا ہی اطمینان چاہتا ہوں''۔

اہلِ مدینہ میں ایک شخص تھے بَراءؓ۔ یہ مَعرُور کے بیٹے تھے۔ قوم کے بہت بڑے سرداروں میں تھے۔ سارے لوگ ان کی عزت کرتے۔ بے تکلف انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور یہ کہتے ہوئے دستِ مبارک پر بیعت کی:

ہاں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہم ہر طرح سے آپ کی حفاظت کریں گے۔ اللہ کے رسول! ہم سے آپ بیعت لے

لیں۔ بخدا ہم تو لڑائی کے شہسوار ہیں۔ آپ جب چاہیں، جنگ کے لیے تیار ہیں۔ جنگ سے بھاگنا تو ہمارے لیے عار ہے کہ یہی باپ دادا کا شعار ہے۔

براءؓ نے ابھی بات ختم بھی نہ کی تھی کہ تیہان کے بیٹے اَبُو الہَیْثمؓ بول اٹھے۔ یہ بھی مدینے کے معزز لوگوں میں تھے۔ عرض کیا:

"اللہ کے رسول! ہمارے یہود سے تعلقات ہیں۔ اس بیعت کے بعد یہ سارے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا تو نہ ہو کہ اللہ آپ کو فتح عطا فرمائے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں لوٹ آئیں"۔

آپؐ بے اختیار مسکرا پڑے۔ پھر فرمایا:

"نہیں، تمہارا خون میرا خون ہے۔ تمہاری آبرو میری آبرو ہے۔ تمہاری امان میری امان ہے۔ تم میرے اور میں تمہارا ہوں۔ جس کو تم معاف کرو گے، اس کو میں معاف کروں گا۔ جس سے تمہاری جنگ ہوگی، اس سے میری جنگ ہوگی۔ جس سے تمہاری صلح ہوگی، اس سے میری صلح ہوگی"۔

لوگ بیعت کے لیے بڑھنا ہی چاہتے تھے کہ ایک صاحب بول اٹھے۔ یہ تھے عُبادہ کے بیٹے عباسؓ۔ انہوں نے کہا:

"اَوس و خزرج کے بھائیو: تمہیں خبر بھی ہے، یہ کس بات پر بیعت کرنے جا رہے ہو؟! (ایک ساتھ بہت سی آوازیں، ہاں، خوب ہے) سن لو، ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا ساری دنیا سے جنگ مول لینا ہے۔ تو اگر یہ خیال ہے کہ مال و دولت کو خطرہ ہوا، یا قوم کے سردار مارے گئے، تو ساتھ چھوڑ دو گے تو بھائی ابھی سے چھوڑ دو، بعد میں چھوڑو گے تو نہ دنیا کے رہو گے نہ آخرت کے۔ اور اگر مالی نقصان اٹھانے کا حوصلہ ہے، سرداروں کی ہلاکت پر صبر کی ہمت ہے، تب ضرور لے چلو۔ دنیا و آخرت دونوں میں بامراد رہو گے"۔

(ایک ساتھ بہت سی آوازیں) ہاں: مالی نقصان ہمیں گوارا ہے۔ سرداروں کا قتل ہونا بھی گوارا ہے پر رسولِ خدا کو چھوڑنا گوارا نہیں۔ اللہ کے رسول! ہم اپنے عہد پر قائم رہیں تو ہمارا کیا اجر ہوگا؟

ارشاد ہوا: ''جنت ملے گی، جنت''۔

''تو اپنا ہاتھ لائیے''۔ جوش و جذبے سے سرشار آوازیں ایک ساتھ گونجیں۔

آپؐ نے ہاتھ بڑھا دیا۔ اور سب نے باری باری بیعت کرلی۔

یہی بیعت ہے جو ''بیعتِ عَقبہ ثانیہ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

یکایک ایک زور کی چیخ بلند ہوئی۔ اور خاموشی کو چیرتی ہوئی ساری فضا میں پھیل گئی:

''قریش کے لوگو! یہ اوس خزرج تم سے جنگ کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ دیکھو، یہ محمد سے جاں نثاری کی قسمیں کھا رہے ہیں''۔

یہ آواز کیا تھی؟ دراصل ایک خطرے کی گھنٹی تھی۔ لیکن یہ بھی اہل مدینہ کے عزم و حوصلے کو نہ ہلا سکی۔ فکر و تشویش تو درکنار، عُبادہ کے بیٹے عباسؓ کو اور جوش آ گیا۔ بولے:

''اللہ کے رسول! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اجازت ہو تو کل ہم اہلِ منیٰ پر چڑھائی کر دیں''۔

فرمایا: ''ہمیں اس کا حکم نہیں۔ تم سب اپنے اپنے خیموں میں چلے جاؤ''۔

مسلمان فوراً اپنی اپنی خواب گاہوں پر پہنچ گئے اور آنکھیں بند کر کے سو رہے۔

صبح ہوئی تو قریش نے اہلِ مدینہ کے خیموں کا رُخ کیا۔ وہاں پہنچ کر انہیں سخت سست کہا۔ آنکھیں لال پیلی کرتے ہوئے بولے:

''مدینہ والو! خدا گواہ ہے، ہر قبیلے سے جنگ کرنا ہمیں گوارا ہے پر تم سے گوارا نہیں۔ پھر تم یہ کیا منصوبے بنا رہے ہو؟ محمد کو اپنے یہاں کیوں لے جانا چاہتے ہو؟! کیوں ہمارے مقابلے میں تلواریں تولنا چاہتے ہو؟!''

مدینے کے مشرکوں کو تو رات کی کارروائی معلوم نہ تھی۔ سردارانِ قریش کی باتیں سن کر بہت چکرائے۔ بڑی بڑی قسمیں کھانے لگے، محمد سے ہم سے تو کوئی بھی بات چیت نہیں ہوئی۔

مسلمان اس بارے میں کچھ نہ بولے۔ البتہ کوشش کرتے رہے کسی طرح بات کا رخ بدل جائے۔ کوئی اور گفتگو چھڑ جائے۔

قریش نے یہ صورت دیکھی تو سخت حیران ہوئے کہ ماجرا کیا ہے؟ وہ لوٹ تو آئے لیکن ذہن پریشان تھے۔ بار بار سوچتے: کیا سچ مچ رات کو ایسا واقعہ ہوا؟ کیا خبر دینے والے نے ہم کو صحیح خبر دی؟ اور مدینہ والے جھوٹ بول رہے ہیں؟ یا یہ خبر غلط ہے اور مدینہ والے سچے ہیں؟!!

اب انہیں صحیح صورتِ حال جاننے کی دھن تھی اور بس۔ انہوں نے معاملے کی چھان بین شروع کر دی اور اس میں اپنی ساری قوت اور ذہانت لگا دی۔

ادھر اہلِ مدینہ نے جھٹ رختِ سفر باندھا اور اپنے وطن کا رُخ کیا کہ کہیں قریش کو پتہ چل گیا تو جان چھڑانی دشوار ہوگی۔

۴

انصار کا اندازہ صحیح نکلا۔ قریش بہت جلد ساری باتیں جان گئے۔ رات میں جو کچھ ہوا تھا، سب کی خبر پا گئے۔ اب جیسے ان کے ہوش اُڑ گئے۔ غصے سے وہ

بوکھلا گئے۔ فوراً انصار کا پیچھا کیا کہ وہ ہاتھ سے جانے نہ پائیں۔

لیکن نا کامی ہوئی۔ انصار کسی طرح ہاتھ نہ آئے۔ البتہ ایک انصاری گھر گئے۔ یہ تھے عُبادہ کے بیٹے سعدؓ۔ اب کیا تھا۔ ظالموں نے خوب خوب دل کی بھڑاس نکالی۔ ان کی مشکیں باندھ دیں اور مارتے پیٹتے، بالوں کے بل گھسیٹتے مکے لائے۔ وہاں پہنچ کر انہیں مسلسل ستاتے رہے۔

مکّے میں ہی دو آدمی تھے، جبیر اور حارِث۔ یہ دونوں سوداگر تھے۔ برابر شام جایا کرتے۔ راستے میں مدینے سے گزرتے تو سعدؓ ہی ان کو پناہ دیتے اور ان کا مالِ تجارت لٹنے سے بچاتے۔ اس احسان کے بدلے میں ان دونوں نے سعدؓ کو پناہ دے دی۔ اس طرح کہیں جا کر ان بے چارے کی جان چھوٹی۔

قریش نے جلسے پر جلسے کیے۔ گھنٹوں سر جوڑ کر بیٹھتے رہے اور باہم مشورے کرتے رہے محمدؐ کے سلسلے میں کیا کیا جائے؟ کس طرح اسے نا کام کیا جائے؟!!

اب تک محمد ہمارے درمیان تنہا تھا لیکن ہم اس کا بال بیکا نہ کر سکے۔ اُلٹا ہم کو نقصان ہی پہنچا۔ اب کیا ہوگا، اب تو اوس و خزرج بھی اس کے ساتھ ہیں؟!!

کیا محمد ہم پر غالب آ جائے گا؟! اس کا دین مدینے میں تو پھیل گیا، کیا اور قبیلوں میں بھی پھیل جائے گا؟! اور اس طرح وہ ہم کو فنا کر دے گا، ہمارے محبوب شہر کو ویران کر دے گا، ہمارے سارے بتوں کو مسمار کر دے گا جبکہ ہم انہی کے لیے برسوں لڑتے رہے؟!

قریش کے جلسے ہوتے رہے۔ نشست و برخاست ہوتی رہی لیکن...... بے فائدہ۔ یہ مسئلہ ان کو ستاتا رہا لیکن حل...... نا معلوم تھا!!

اور مدینے کے مسلمان؟ ان کا کیا حال تھا؟ اب ان کا عالم ہی کچھ اور تھا۔ مکے کی بیعت ان کے لیے اِک نئی زندگی کا آغاز تھی۔ اب سینوں میں سکون و اطمینان کی ٹھنڈک تھی اور دلوں میں یقین کی کیفیت۔ اب اُن کی روحانیت بڑھ رہی تھی اور عزم میں پختگی آ رہی تھی۔ اب وہ اسلام کے پرجوش مجاہد تھے۔ جہاں ہوتے، اسلام کے نعرے لگاتے جس سے ملتے، اسی کے گن گاتے۔

پھران کی دینی غیرت کواور جوش آیا۔ اخلاص ویقین میں اور برکت ہوئی۔ گھر گھرانے کے جو لوگ اب تک شرک پر تھے، ان کے بتوں پر دست درازی شروع کر دی۔ موقع پا کر ان کو توڑ پھوڑ دیتے یا رات میں لوگ سو جاتے تو انہیں غلاظت میں ڈال آتے۔ صبح ہوتی، مشرک مورتیوں کی یہ گت دیکھتے تو تلملا کر رہ جاتے اور ان کو دھو دھا کر پھر وہیں رکھ دیتے۔ مسلمان موقع پا کر پھر یہی کرتے۔ یہی تماشہ ہوتا رہتا بالآخر مشرکوں کو ہوش آ جاتا۔ وہ سوچتے: جن کو ہم نے دیوتا بنایا ہے وہ کتنے بے بس اور حقیر ہیں۔ اپنے نفع نقصان پر بھی تو قادر نہیں! چنانچہ کچھ عقلوں پر سے پردے ہٹ جاتے وہ توبہ کر کے دین اسلام میں آ جاتے۔

اس طرح مدینے کی فضا بالکل تیار ہوگئی کہ

پیارے نبیؐ وہاں جائیں تو سر آنکھوں پر بٹھائے جائیں۔

پاک ساتھی وہاں جائیں تو ہاتھوں ہاتھ لیے جائیں۔

اور پھر؟ وہاں اک نئے دَور کا آغاز ہو سکے۔

خدا کا حکم آ گیا۔ آپؐ نے سب کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ فرمایا:

''تم لوگ ہوشیاری کے ساتھ مدینے چلے جاؤ ایک، ایک، دو، دو کر کے

جاؤ۔ قافلوں کی شکل میں نہ نکلو کہ خواہ مخواہ قریش کی نظریں اٹھیں اور وہ تمہارا پیچھا کریں۔"

اس طرح بہت سے مسلمان کوچ کر گئے اور قریش بے خبر رہے لیکن یہ بات چھپنے والی کب تھی؟ آخر کار وہ بھی جان گئے اور ساری صورت حال بھانپ گئے۔ اس سے ان کا غصہ اور بڑھا۔ سینہ جوشِ انتقام سے کھولنے لگا۔ وہ ہاتھ دھو کر مسلمانوں کے پیچھے پڑ گئے۔ دن رات گھات میں رہنے لگے کہ کوئی مکے سے باہر نہ جا سکے اور ہجرت کی ساری اسکیم فیل ہو جائے۔

حضرت عمرؓ نے ہجرت کی، تب بھی یہی حالات تھے۔ ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ ایک رَبیعہ کے بیٹے عیّاشؓ۔ دوسرے عاص کے بیٹے ہشامؓ۔ تینوں نے طے کیا، جس کو جب موقع ملے، مکے سے باہر نکل جائے۔ پھر ایک جگہ سب اکٹھا ہو جائیں۔ اگر کوئی نہ آئے تو سمجھ لیں، قریش کی گھات میں آ گیا۔ پھر بقیہ دونوں سفر کو آگے بڑھائیں۔

متعینہ جگہ پر عمرؓ اور عیّاشؓ پہنچ گئے۔ ہشامؓ نہ آئے۔ دونوں سمجھ گئے، ہشامؓ مشرکوں کے پنجے میں آ گئے۔ چنانچہ وہ مدینے کے لیے روانہ ہو گئے۔

ادھر ہشامؓ کی جان پر بن آئی۔ مشرکوں نے خوب خوب دل کا بخار نکالا۔ اتنا اتنا ستایا کہ دین پر قائم رہنا دشوار ہو گیا۔

قریش کا یہی انداز رہا۔ دن رات کا یہی برتاؤ رہا۔ بدقسمتی سے جو بھی اُن کے ہاتھ لگ گیا، بیدردی سے پیس کر رکھ دیا۔ بالآخر تڑپ تڑپ کر اُس نے دَم توڑ دیا۔ اس طرح کتنی ہی عورتیں بیوہ ہو گئیں کتنے ہی بچے یتیم ہو گئے۔

لیکن اس پر بھی انہیں چین نہ آیا۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سخت فکر مند تھے۔ خود سوچتے اور جس سے ملتے، یہی سوال کرتے:

''محمد نے ساتھیوں کو تو مدینے بھیج دیا لیکن...... کیا وہ خود بھی...... جائے گا؟!
کہیں ایسا تو نہیں، وہ خود یہیں رہے اور ساتھی مدینے میں۔ حبشہ کی ہجرت میں تو یہی ہوا تھا؟!''

قریش کے ذہن و دماغ پر یہ سوالات چھائے ہوئے تھے۔ وہ بڑی بے چینی سے باہم چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ لیکن ہوگا کیا؟ اس سے بے خبر تھے۔

تو کیا قریش باہم چہ میگوئیاں ہی کر کے رہ گئے؟ نہیں، ایسا نہ تھا۔ وہ برابر فکر مند رہے۔ مسلسل سوچتے رہے۔ محمدؐ کے مقابلے میں کون سی انوکھی چال چلی جائے؟ کون سی تیر بہدف تدبیر کی جائے؟ کہیں ایسا نہ ہو، ساتھیوں کی طرح وہ بھی ہاتھ سے نکل جائے۔ پھر تو بڑی آفت ہوگی سارا مدینہ تو اس کا جاں نثار ہے ہی، مکے کے سب مسلمان بھی وہیں ہیں۔ ان سب کو لے کر وہ ہم پر چڑھائی کر دے گا۔

مسلمانوں پر قریش کی بڑی سخت نگرانی تھی۔ ہر آن سخت پہرہ تھا۔ لیکن یہ ساری کوششیں اکارت گئیں۔ کڑی نگرانی کے باوجود مکہ خالی ہوگیا۔ سارے مسلمان ایک ایک کر کے مدینہ چلے گئے۔ حمزہؓ۔ عثمانؓ۔ زُبیرؓ بن عوام سبھی چلے گئے۔ جو جاتا، کسی کو مال و جائداد کا ذمہ دار بنا جاتا۔ عزیزوں سے گھر بار کی رکھوالی کے لیے کہہ جاتا۔

اب پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف علیؓ اور ابو بکر صدیقؓ رہ گئے اور مکہ میں بس وہ مسلمان رہ گئے، جو بد قسمتی سے دھر لیے گئے تھے۔ اور بڑی بے کسی کے ساتھ مظلومی کے دن کاٹ رہے تھے۔

آخر میں حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ہجرت کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے فرمایا:

''جلدی نہ کرو۔ ممکن ہے ہم دونوں کا سفر ایک ساتھ ہو!
حضرت ابو بکرؓ سمجھ گئے، آپؐ کی بھی ہجرت قریب ہے۔ بس حکمِ الٰہی کا انتظار ہے۔ خوشی خوشی گھر آئے اور سفر کی تیاریوں میں لگ گئے۔

☆-----☆-----☆

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

(۹)

الوداع!! اے وطن!

- رسول پاک کو ہجرت کا حکم
- ایک سازشی کانفرنس
- خون اطہر میں ہاتھ رنگنے کی ناپاک اسکیم
- گھر کا محاصرہ
- امین قریش کی بے مثال امانت داری
- غار ثور میں قیام
- قریش کی بوکھلاہٹ
- آپ کو پالینے کی ناکام کوشش
- مدینے کے لیے روانگی
- قریش کی مایوسی اور ملال
- سُراقہ کی آنکھیں کھل گئیں
- حضرت علی کی بے تابی شوق
- قبا میں قیام
- مدینے میں انتظار کا عالم
- مدینے کی گلیوں نے کبھی ایسا نظارہ نہ دیکھا
- انصار و مہاجرین میں بھائی چارہ
- یہودیوں کا جوڑ توڑ

①

ہجرت کا حکم آ گیا۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے پیارے نبیؐ کو ایک دعا بھی سکھائی۔ بہت ہی پیاری اور شیریں دُعا:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا . (سورہ اسراء:۸۰)

(اور دُعا کرو، پروردگار! مجھ کو جہاں بھی تو لے جا، عزت کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال، عزت کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا۔)

مسلمان مظالم سہتے سہتے تنگ آ چکے تھے۔ صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ حالات کا یہ رنگ دیکھا تو پیارے نبیؐ نے مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی، تا کہ دن رات کے عذاب سے چھٹکارا مل جائے۔ دین و ایمان کو جو ہر آن خطرہ لاحق ہے، وہ خطرہ بھی ٹل جائے۔

مسلمانوں نے چوری چھپے مدینہ کا رُخ کیا۔ البتہ کچھ لوگ قریش کی گھات میں آ گئے وہ ہجرت کا موقع نہ پا سکے۔ قریش نے انہیں گرفتار کر لیا۔ پھر بڑی

بے رحمی سے ستایا، خوب خوب ظلم کی بھٹی میں تپایا، تاکہ وہ تاب نہ لا کر دین سے بیزار ہو جائیں۔ ایمان سے ان کا دل کھٹا ہو جائے، اور بھولے سے بھی آپؐ کا نام نہ لیں۔

لیکن خود پیارے نبیؐ جو ظالموں کا اصل نشانہ تھے، اپنے لیے حکم خدا کا انتظار کر رہے تھے۔ آپؐ کی خواہش تھی، آقا کی اجازت ہو تو مکہ کو خیر باد کہیں اور مخلص ساتھیوں سے جا ملیں۔ ان ساتھیوں سے جنہوں نے اللہ کے لیے اپنا وطن چھوڑا تھا۔ ان ساتھیوں سے، جنہوں نے انصار کے شوق ملاقات میں نہ مال کی پروا کی نہ اولاد کی!

وہ انصار کون تھے؟ وہی خوش نصیب جنہوں نے آپؐ کی مدد کی تھی، آپؐ کو حفاظت کی خدمات پیش کی تھیں اور جنہوں نے دست مبارک میں ہاتھ دے کر راہِ خدا میں سرفروشی کا عہد کیا تھا!

اللہ مہاجروں کا بھلا کرے۔ انہوں نے صرف خدا کے لیے کن کن نعمتوں سے ہاتھ دھویا۔ کیسی کیسی چیزوں پر صبر کر لیا!! انصار کا بھی بھلا کرے کہ انہوں نے دینی بھائیوں کو اپنے یہاں بلایا۔ اپنے گھروں میں ٹھہرایا۔ صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے!!

ہجرت کا حکم آ گیا۔ آپؐ نے مدینہ جانے کا ارادہ کر لیا۔ اس وقت قریش کی بھی سازش مکمل تھی۔ سارا خاکہ تیار تھا۔

بات کیا تھی؟ مسلمانوں کی ہجرت کا بڑا اچھا اثر پڑا۔ دعوت کے لیے ایک وسیع میدان ہاتھ آ گیا۔ لوگ اسلام کی برکتیں دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ بہت تیزی سے اس کی طرف بڑھنے لگے۔ ہر طرف اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ مسلمانوں کا زور بڑھنے لگا۔

قریش نے یہ دیکھا تو بہت گھبرائے۔ انہیں محسوس ہوا اب شامت سر پر منڈلا رہی ہے۔ طرح طرح کے خطرے سر اٹھا رہے ہیں۔ قریش و انصار میں نہایت زور دار جنگ کے بھی آثار نمایاں تھے۔ اس سے ان کے اور ہوش اڑ گئے۔ سوچا اس طرح تو ہمارا شام جانا بھی بند ہو جائے گا۔ تجارت بالکل ٹھپ ہو جائے گی اور ہم دانے دانے کو ترس جائیں گے۔

وہ دَارُ النَّد وَہ میں جمع ہوئے کہ یہی ان کا ''مشاورت گھر'' تھا۔ یہاں سب لوگ سر جوڑ کر بیٹھے۔ کوئی ایسی تدبیر سوچنے لگے، جس سے اسلام کا سیل رَواں رُک جائے اور چمنستانِ دین میں خاک اُڑنے لگے۔ لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں:

ایک نے کہا: محمد کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ اور کسی مکان میں بند کر دیں!

ایک دوسرے نے کہا: ''خدا کی قسم! اگر محمد کو قید کیا تو ہر طرف چرچا ہو جائے گا۔ پھر تو بہت برا ہوگا۔ مسلمان فوراً چڑھائی کر دیں گے اور جب تک اسے ہم سے چھین نہیں لیں گے، دم نہیں لیں گے۔''

تیسرا بولا: ''محمد کا یہاں رہنا اچھا نہیں۔ کہیں دور دراز علاقے میں چھوڑ آیا جائے۔ پھر وہ جہاں چاہے، جائے اور جس جگہ چاہے، رہے۔''

چوتھا بولا: ''یہ تو بڑی بودی رائے ہے۔ دیکھتے نہیں، وہ کیسی میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے۔ کتنے سلیقے کی گفتگو کرتا ہے۔ منٹوں میں دل موہ لیتا ہے۔ ایسا کرنے میں تو خطرہ ہی خطرہ ہے۔ یا تو وہ کسی دوسرے قبیلے میں پہنچ جائے گا، اور اپنی جادو بیانی سے انہیں ہمنوا بنا لے گا، ورنہ مدینے پہنچ جائے گا اور وہاں پہنچنا تو اور زیادہ خطرناک ہوگا۔ جاتے ہی وہ ساتھیوں کو ساتھ لے گا اور ہم کو پیس کر رکھ دے گا۔''

''پھر آخر ہم کیا کریں؟'' سب ایک ساتھ بول اٹھے۔ آوازوں سے گھبراہٹ اور مایوسی ٹپک رہی تھی۔

''ایک شکل ہے، جو اب تک کسی نے نہیں سوچی۔'' یکا یک ابوجہل کی پھنکار سنائی دی!

''ارے، وہ کیا ابوالحکم؟!'' سب ابوجہل کی پھنکار پر چونک پڑے، جیسے انہیں امید کی کوئی کرن نظر آ گئی!

ابوجہل: ''میری رائے ہے ہر قبیلے سے ایک پہلوان اور شیر دل جوان چنیں۔ پھر ہر ایک کے ہاتھ میں تیز تلوار دیں اور سب ایک ساتھ محمد پر ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح اس کا کام تمام ہو جائے گا اور ہم کو ہمیشہ کے لیے آرام مل جائے گا۔ خاص بات یہ ہے کہ اس طرح خون تمام قبیلوں میں بٹ جائے گا۔ اور بنی ہاشم تمام قبیلوں کا مقابلہ تو کر نہیں سکیں گے۔ مجبوراً خوں بہا (یعنی سو اونٹ) پر راضی ہو جائیں گے۔''

''خوب، بہت خوب ابوالحکم! سچ مچ رائے تو یہ ہوئی!! سب خوشی سے اچھل پڑے۔ سب نے ابوجہل کو مبارک باد دی:

مجلس برخاست ہو گئی۔ ہر ایک خوشی سے ناچ رہا تھا گویا محمدؐ دنیا سے چلے گئے۔ ان کی دعوت کا نام و نشان مٹ گیا۔ ان کی یاد بھی ذہنوں سے محو ہو گئی۔ ان کی دعوت سے دنیا نا آشنا ہو گئی اور اس پر گردشِ زمانہ کی کئی تہیں پڑ گئیں۔ لوگ گئے اور ان جوانوں کا انتخاب کرنے لگے جو محمدؐ کا کام تمام کریں گے۔ ان تلواروں کا انتظام کرنے لگے، جنہیں جسم اطہر پر چلائیں گے۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ. (سورہ انفال: ۳۰)

(اور وہ وقت یاد کرو جب کافر تمہارے بارے میں چالیں چل رہے تھے کہ تمہیں قید کر دیں یا تمہیں قتل کر دیں یا تمہیں جلا وطن کر دیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے عمدہ چال چلنے والا ہے۔)

مشرکوں نے قتل کی اسکیم بنالی۔ اس کے لیے ہر ایک نے کمر کس لی کہ اب تو خون سارے قبیلوں میں بٹ رہا تھا۔ ہر قبیلے کا اس میں حصہ لینا ضروری تھا اور چونکہ سارے قبیلے شریک ہو رہے تھے، آلِ ہاشم بدلہ بھی نہیں لے سکتے تھے۔ ادھر ـ

خدا کا نور خندہ زن تھا باطل کی لیاقت پر!

اللہ کا فیصلہ تھا، آپؐ پر ذرا بھی آنچ نہ آئے۔ چنانچہ قریش کی تدبیر الٹی ہوگئی۔ وہ خود اپنی سازش کا نشانہ بن گئے۔ اللہ نے آپؐ کی رہنمائی فرمائی اور وہ اپنا سا منہ لیے رہ گئے۔

(۲)

وہ بھیانک رات آ گئی، جس میں مشرکوں نے پیارے نبیؐ کی گھات میں بیٹھنے کا عزم کیا تھا۔ انہوں نے گھر کو گھیر لیا۔ سب کے ہاتھوں میں نہایت تیز تلواریں تھیں جن کی باڑھوں میں موت چھپی بیٹھی تھی۔

عرب میں زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب تھا۔ اس لیے وہ باہر ہی ٹھہرے رہے۔ موقع کی تاک میں لگے رہے کہ محمدؐ نکلیں اور ان کی تکہ بوٹی کر دیں۔

ادھر اللہ نے آپؐ کو خبر کر دی۔ حضرت علیؓ بھی ساتھ ہی تھے۔ ان سے فرمایا: ”مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ دشمن آج گھر کو گھیرے ہوئے ہیں اور میرے قتل کے لیے بے تاب ہیں۔“

پھر فرمایا: ''علی! میں آج مدینے روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے بستر پر سو رہنا۔ میری سبز چادر اوڑھ لینا۔ اللہ نے چاہا تو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ صبح جا کر سب کی امانتیں واپس کر دینا۔ پھر تم بھی چلے آنا۔''

بات کیا تھی؟ قریش اگرچہ آپ کی جان کے دشمن تھے لیکن آپؐ ہی ان کے ''امین'' بھی تھے۔ جسے کوئی امانت رکھنی ہوتی، آپؐ کے ہی پاس رکھتا۔ اس وقت بھی آپؐ کے پاس بہت سی امانتیں تھیں۔ یہی وجہ تھی آپؐ حضرت علیؓ کو ساتھ نہ لے گئے۔ امانتیں واپس کرنے کے لیے مکے میں ہی چھوڑ گئے۔

اللہ اللہ! شاید زمین و آسمان نے ایسا نظارہ کبھی نہ دیکھا۔ ایک طرف خون کے پیاسے دشمن ہیں۔ ہاتھوں میں خوں آشام تلواریں ہیں۔ گھر کو گھیرے ہوئے ہیں کہ آپؐ باہر نکلیں اور وہ جسم مبارک کے پرزے اڑا دیں! دوسری طرف ''امین قریش'' کی یہ ایمانداری ہے!! امانتوں کا اس کے پاس انبار ہے۔ یہ امانتیں کس کی ہیں؟ انہی ظالموں کی، جو آپؐ کے خون کے پیاسے ہیں۔ چاہیں تو ساری امانتیں لے کر آپؐ چلے جائیں نہ کوئی آپ کا کچھ کر سکے نہ آپ کو کچھ کہہ سکے۔ پھر اس وقت آپؐ نادار بھی ہیں۔ دولت کے شدید حاجت مند بھی ہیں لیکن یہ سب کچھ ایک طرف ''امین قریش'' کی امانت داری ایک طرف۔ اس میں سے ایک حبہ لینا گوارا نہیں۔ پھر یہی نہیں پیارے بھائی کو بھی وہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ ہاں انہی خطرات کے نرغے میں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ ان ظالموں کی امانتیں ان تک پہنچا دیں!!

حضرت علیؓ نے فی امان اللہ کہا اور آپؐ روانہ ہو گئے۔ جدا ہوتے وقت دونوں نے انتہائی شوق و محبت کے لہجے میں کہا: ''اللہ کو منظور ہوا تو پھر مدینے میں ملیں گے۔''

حضرت علیؓ بستر مبارک پر لیٹ گئے اور سبز چادر اوڑھ کر سور ہے۔

دشمنوں کو آپ کا انتظار تو تھا ہی۔ ایک ایک لمحہ ان پر بار ہو رہا تھا۔ دیر ہوگئی تو روزن سے اندر جھانکنے لگے۔ بستر مبارک پر نظر پڑی تو آپس میں بولے:

''وہ دیکھو، محمد سو رہا ہے۔ وہ اپنی سبز چادر بھی اوڑھے ہوئے ہے۔''

پھر وہ سونے والے کا انتظار کرنے لگے کہ وہ باہر آئے اور سب ایک ساتھ اس پر ٹوٹ پڑیں۔

اس سے پہلے ہوا یہ کہ کچھ رات گزر گئی تو آپ نے ایک مٹھی دھول لی۔ سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتیں پڑھیں۔ اور دھول اڑاتے ہوئے باہر آ گئے۔ اس دھول سے جیسے قریش کچھ دیر کے لیے اندھے ہو گئے۔ وہ آپؐ کو دیکھ نہ سکے۔ آپ پروگرام کے مطابق ابو بکرؓ کے گھر آ گئے۔

اس سے دو تین دن پہلے بھی آپؐ ابو بکرؓ کے گھر گئے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ دروازے پر دستک دی۔ حضرت ابو بکرؓ باہر آئے۔ نظر پڑتے ہی بے ساختہ بولے:

''ضرور کوئی بات ہے کہ حضرت نے اس وقت زحمت فرمائی!!''

اجازت کے بعد آپؐ گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ فرمایا: ''یہاں کون لوگ ہیں؟ ذرا دیر کے لیے انہیں ہٹا دو۔ کچھ مشورہ کرنا ہے۔''

حضرت ابو بکرؓ: ''اللہ کے رسول! یہاں آپ کی حرم کے سوا اور کوئی نہیں'' (عائشہؓ سے شادی ہو چکی تھی)۔

فرمایا: ''ہجرت کی اجازت آ گئی ہے۔ مکے سے اب ہمیں بھی چلنا ہے۔''

حضرت ابو بکرؓ: (نہایت بے تابی سے) ''میرے ماں باپ آپ پر فدا...... کیا مجھ کو بھی رفاقت کا شرف حاصل ہوگا؟ کیا سفر میں میں بھی آپ کے

ساتھ رہوں گا؟"

فرمایا: "ہاں، تم کو بھی چلنا ہے۔ تیار ہو جاؤ۔ ہم دونوں ساتھ چلیں گے۔"

یہ سننا تھا کہ ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے۔ عرض کیا: "اللہ کے رسول! میں نے کچھ سامان تیار کیا ہے۔ جو جہاد میں کام آئے گا۔ سفر کے لیے دو اونٹنیاں بھی تیار کر لی ہیں۔ عبداللہ بن اُرَیْقِط سے بھی بات کر لی ہے۔ سفر میں اس سے سہولت رہے گی۔"

فرمایا: "ابھی اونٹنیوں کی ضرورت نہیں۔ پہلے تو ہم جنوب کا رُخ کریں گے۔ جبل ثَور کے ایک غار میں کچھ دن ٹھہریں گے۔"

حضرت ابوبکرؓ سمجھ گئے، اس میں کیا مصلحت ہے؟ اس سے پہلے بھی وہ بارہا آپؐ کی حیرت انگیز سوجھ بوجھ کا تجربہ کر چکے تھے۔ جانتے تھے، آپؐ کتنی باریک تدبیریں کرتے ہیں کہ دشمن اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے ہیں۔

جبل ثور مکے سے جنوب میں ہے، تقریباً ۵ میل کی مسافت پر۔ اور یمن کے راستے میں ہے۔ آپؐ سمجھتے تھے، ہر شخص جو سنے گا، محمدؐ مکے سے چلے گئے، سمجھے گا، وہ مدینے ہی کے راستے میں ہوں گے اور شمال کی طرف دوڑے گا کیونکہ مدینہ مکے سے شمال میں ہے۔ چنانچہ آپؐ نے ایسا نقشہ بنایا کہ پیچھا کرنے والے ناکام ہو کر لوٹ جائیں۔ ان کو پتہ بھی نہ چلے، آپؐ کدھر گئے؟ اور کہاں گئے؟

مکے کی آخری رات جبکہ دشمنوں نے گھر کو گھیر لیا تھا، سیدھے آپؐ ابوبکرؓ کے گھر پہنچے۔ ان کو ساتھ لیا۔ گھر کے عقب میں ایک کھڑکی تھی۔ اس سے نکل کر باہر آئے اور رات کے پرسکون اور تاریک سنّاٹے میں تیز تیز قدم بڑھانے لگے۔ مکے سے باہر پہنچے تو جنوب کا رُخ کیا اور غارِ ثور کی طرف تیزی سے بڑھے۔

صبح تڑکے ہی حضرت علیؓ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ بستر چھوڑ کر اٹھ گئے۔ آہٹ

ہوئی تو دشمن بھی چوکنے ہو گئے کہ اب کام کرنے کا وقت آ گیا۔

لیکن...... یہ محمد کے بستر سے کون اٹھا؟!

لوگ بار بار بے تابی کے ساتھ رَوزَن سے اندر جھانکتے اور حیران ہو کر وہاں سے ہٹ جاتے۔ یہ سو کر اٹھنے والا محمد تو نہیں!! یہ تو ابو طالب کا چھوکرا علی ہے!!

ارے! یہ کیا ہوا؟! ارے! محمد کہاں اُڑ گیا؟! گھر تو ہر طرف سے ہمارے گھراؤ میں تھا پھر وہ کدھر سے نکل گیا؟!

یہ وہ الفاظ تھے، جو بے اختیار ان کی زبانوں سے نکلے۔ وہ بالکل حیرت کی مورت بن گئے تھے!!

کیا ہم رات بھر علی کے لیے بیٹھے رہے؟ کیا ہم نے علی کو محمد سمجھ لیا تھا؟! علی آج محمد کے بستر پر کیوں سویا؟! اور محمد کہاں چلا گیا؟!

ہر ایک بدحواسی میں ایک دوسرے سے پوچھ رہا تھا لیکن جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ کچھ ہی دیر میں اور آدمی بھی آ پہنچے۔ دیکھتے دیکھتے لوگوں کی بھیڑ لگ گئی، لوگ بے تابی سے چلے آ رہے تھے کہ دیکھیں محمدؐ کا کیا حشر ہوا؟ یہاں پہنچے تو معلوم ہوا، محمدؐ تو کہیں چلے گئے! وہ تو ان کے ہاتھ ہی نہیں لگے۔

سب حیران رہ گئے۔ غم و غصہ سے بدحال ہو گئے۔ گھر میں گھس کر علیؓ سے پوچھا: ''تمہارا ساتھی کہاں ہے؟'' جواب ملا: ''مجھے نہیں معلوم!''

وہ علیؓ کو پکڑ کر باہر لائے۔ بے تحاشا انہیں پیٹتے رہے کہ محمدؐ کا پتہ چل جائے لیکن علیؓ بار بار یہی کہتے رہے: ''مجھے نہیں معلوم۔''

جب وہ علیؓ سے کچھ اگلوا نہ سکے تو انہیں لے کر مسجد حرام چلے گئے۔ وہاں انہیں قید کر دیا۔ وہاں بھی ان کو رحم نہ آیا۔ برابر ستاتے رہے یہاں تک کہ کچھ رشتہ دار بیچ میں پڑے۔ اس طرح کہیں جا کر ان کی جان چھوٹی۔

جس روز مشرکوں نے قتل کی اسکیم بنائی۔ اسی روز آپؐ ہاتھ سے نکل گئے۔ اس کا مشرکوں کو سخت صدمہ ہوا۔ غصے سے وہ دیوانے ہو گئے۔ بدحواسی کے عالم میں اِدھر اُدھر ڈھونڈنے لگے۔ کوئی مدینے کی سمت دوڑا۔ کچھ لوگ لپک کر ابوبکرؓ کے گھر گئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے، ابوبکرؓ آپؐ کے گہرے دوست ہیں۔ آپؐ کو ان سے خاص لگاؤ ہے۔ انہی لوگوں میں ابوجہل بھی تھا۔ کنڈی کھٹکھٹائی تو بڑی بیٹی اَسماءؓ نکلیں۔

''باپ کہاں ہیں؟ دیکھو، صحیح صحیح بتانا۔ جھوٹ نہ بولنا۔'' دشمنوں نے سوال کیا۔

''اللہ نہ کرے میں جھوٹ بولوں۔ جھوٹ بولنے کی کیا بات؟ مجھے کچھ پتہ نہیں وہ کہاں ہیں؟''! اسماءؓ نے پوری بے خوفی سے جواب دیا۔

دشمن سمجھ گئے، ابوبکرؓ بھی محمدؐ کے ساتھ ہی فرار ہو گئے۔ ابوجہل غصے سے بھرا ہوا تو تھا ہی، بدبخت سے برداشت نہ ہوا۔ پوری قوت سے معصوم گال پر ایک چانٹا رسید کیا۔ کان سے بالی چھٹک کر دور جا گری۔ پھر دشمن لوٹ آئے اور کوئی ایسا شخص تلاش کرنے لگے جو پیروں کے نشان پہچانے اور ان کی رہنمائی کرے۔

تلاش کے بعد ایک آدمی مل گیا جو پیروں کے نشان پہچاننے میں ماہر تھا۔ نام اس کا سُراقہ بن مالک تھا۔ وہ رسولؐ اور عاشقِ رسولؓ کے پیروں کے نشانات دیکھتا ہوا چلا۔ پیچھے پیچھے قریش کا ایک مجمع تھا۔ چلتے چلتے مکے سے باہر آ گئے۔ اب سراقہ نے جنوب کا رُخ کیا اور کوہِ ثور کی طرف بڑھا۔ لوگ سخت حیران تھے۔ ہر ایک تعجب سے کہہ رہا تھا:

''آخر محمد کدھر گیا؟! جنوب کی طرف یا شمال کی طرف؟!''

دشمنوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا لیکن وہ سراقہ کے ساتھ ساتھ چلتے رہے کہ شاید وہ کامیاب ہو جائے۔ شاید محمد کا پتہ چل جائے۔ سُراقہ ریت پر پیروں

کے نشان دیکھ دیکھ کر چلتا رہا۔ پھر...... پھر وہ کوہِ ثور پر چڑھنے لگا۔

اللہ!! اللہ!! خدا نے رسولؐ سے وعدہ کیا تھا۔ ''وہ دشمنوں کی سازش کو ناکام کر دے گا۔ آپ پر ذرا بھی آنچ نہ آنے دے گا۔'' بھلا اس سے بڑھ کر سچا کون ہو سکتا ہے؟!

سراقہ پہاڑ پر چڑھ گیا۔ دشمنوں کا قافلہ بھی ساتھ تھا۔ پھر اچانک وہ رک گیا۔ چہرہ اداس اداس تھا۔ انتہائی حیرانی اور گھبراہٹ کا پتا دے رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، اب کہاں جائے اور کدھر جائے!! دشمنوں نے یہ کیفیت دیکھی تو پوچھا:

''بھئی سراقہ! کیا بات ہے؟ رُک کیوں گئے؟ خیر تو ہے؟''

سراقہ نے سامنے ایک پتھر کی طرف اشارہ کیا: ''اس پتھر تک تو وہ دونوں آئے، پھر نہیں معلوم، کدھر گئے؟''

یہ کہنا تھا کہ ایک قہقہہ بلند ہوا: ''ارے سراقہ! آج تمہیں کیا ہو گیا؟ خدا کی قسم، اس طرح تو تم کبھی نہیں بہکے!''

کچھ فاصلے پر ایک چرواہا دکھائی دیا، جو اپنی بکریاں چرا رہا تھا۔

''کیا اس پہاڑ پر دو آدمیوں کو چڑھتے ہوئے دیکھا ہے!'' دشمنوں نے سوال کیا۔

''میں نے تو کسی کو دیکھا نہیں لیکن دیکھ لو۔ ہو سکتا ہے، دونوں غار میں ہوں۔'' چرواہے نے جواب دیا۔

قریش تیزی سے پہاڑ پر چڑھے۔ پھر بے تحاشا غار کی طرف لپکے۔ تیر، تلوار اور لاٹھی سب سے مسلح تھے۔ ہر ایک کی تمنا تھی، محمدؐ کو مارنے کا سہرا اسی کے سر بندھے۔

واہ رے محمدؐ...... محمدؐ اُس وقت غار میں کھڑے نماز میں مصروف تھے اور یارِ

غار پاس ہی بیٹھے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ دل دھک دھک کر رہا تھا کہ کہیں ظالموں کی نظر آپؐ پر نہ پڑ جائے۔

دشمنوں کی آوازیں بھی کانوں میں آ رہی تھیں۔ ان کے رُخ کا بھی اندازہ ہو گیا تھا اور اب تو پیروں کی آہٹ، لاٹھیوں کی کھٹ کھٹ اور چیخ پکار کی خوفناک آوازیں قریب تر ہوتی جا رہی تھیں — ابوبکرؓ چپ چاپ تھے۔ نگاہیں آپؐ پر گاڑے ہوئے۔ رہ رہ کر دل چاہتا، کاش میں محمدؐ کو دل کے اندر چھپا سکتا! کاش میں آپؐ کو اپنا جسم اُڑھا سکتا!

پیارے نبیؐ نماز سے فارغ ہو گئے حضورؐ کی جان خطرے میں دیکھ کر ابوبکرؓ خوف وگھبراہٹ سے بدحال تھے۔ چہرہ اترا ہوا تھا۔ دل بیٹھا جا رہا تھا۔ آپؐ سب بھانپ گئے۔ فوراً ڈھارس بندھائی: ''گھبراؤ نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

(لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا)

قریش کا ایک آدمی تیزی سے غار کی طرف بڑھا۔ ابھی کچھ دور ہی تھا کہ اچانک رک گیا۔ پھر الٹے پاؤں لوٹ پڑا۔ حسرت وافسوس سے چہرہ زرد تھا۔ یاس وناامیدی میں غرق تھا۔

اس کے ساتھی بھی پیچھے پیچھے تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ اس کو دیکھ کر وہ بھی رک گئے۔

''کیا بات ہوئی؟ غار میں جھانکے بغیر کیوں لوٹ پڑے؟!'' ساتھیوں نے سوال کیا۔

اس نے کہا:— اور مایوسی سے اس کا دل ڈوبا جا رہا تھا— ''ابھی محمد پیدا بھی نہ ہوا تھا، اس وقت سے اس پر مکڑی کا ڈیرا ہے۔ غار کے منہ پر دو جنگلی کبوتروں کا گھونسلہ بھی ہے۔ راستے ہی میں درخت بھی کھڑا ہے۔ اس سے مجھے

اندازہ ہو گیا اس کے اندر کوئی نہیں ہو سکتا۔"

یہ آواز ابو بکرؓ نے بھی سنی۔ سمجھ گئے، اللہ اپنے رسولؐ کو بچانا چاہتا ہے۔ اسی کے یہ سارے انتظامات ہیں۔ دشمن غار کے منہ تک پہنچ گئے تھے۔ وہیں ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ ابو بکرؓ ان کے پیروں کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن خدا کا کرنا، کسی نے جھانک کر غار کے اندر نہ دیکھا۔ ابو بکرؓ نے آپؐ کے کان میں آہستہ سے کہا:

"ان میں سے کسی کی اپنے پاؤں پر نظر پڑ جائے تو ہم کو دیکھ لے۔"

"ابو بکر! ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، جن کا تیسرا اللہ ہے؟" آپؐ نے ابو بکرؓ کی ڈھارس بندھائی۔

پھر دشمن غار کے پاس سے چلے گئے۔ اب وہ پہاڑ سے نیچے اترنے لگے کہ جا کر دوسری جگہیں بھی دیکھیں۔ اتنی دوڑ دھوپ اور تلاش و جستجو کے باوجود ناکامی ہوئی۔ پھر بھی ان کے حوصلے پست نہ ہوئے۔ وہ ویسے ہی دوڑ دھوپ میں لگے رہے کیونکہ قریش نے اعلان کیا تھا، جو محمدؐ کو پکڑ کر لائے گا، سو اونٹ انعام پائے گا۔ ہر ایک چاہتا تھا، یہ سو اونٹ اسی کو ملیں۔ اس لالچ کے پیچھے وہ دیوانے تھے۔ کیسی تکان اور کیسی زحمت؟ سب سے وہ بے گانہ تھے۔

پیارے نبیؐ اور حضرت ابو بکرؓ تین دن اسی غار میں ٹھہرے رہے۔ ابو بکرؓ کے بیٹے عبداللہؓ دن بھر پتہ لگاتے، قریش کیا مشورے کر رہے ہیں؟ کیا منصوبے بنا رہے ہیں؟ جو کچھ خبر ملتی، رات کو آ کر سنا جاتے۔ ساتھ میں ان کی بہن اسماءؓ بھی ہوتیں۔ یہ گھر سے کھانا پکا کر لاتیں۔ کچھ رات گئے، ابو بکرؓ کا غلام عامر بن فہیرہ بکریاں چرا کر لے آتا۔ آپؐ اور حضرت ابو بکرؓ ان کا دودھ پی لیتے۔ پھر تینوں مکہ واپس چلے جاتے۔ عبداللہؓ اور ان کی بہن آگے آگے ہوتیں۔ عامر بن فہیرہ اور اس کی بکریاں پیچھے پیچھے، تاکہ ان دونوں کے پیروں کے نشانات مٹتے جائیں۔

اس طرح تین دن گزر گئے۔ پیارے نبیؐ اور ابوبکرؓ کی تلاش اب رُک گئی۔ جو لوگ آپؐ کو ڈھونڈنے نکلے تھے، مایوس ہو کر گھروں کو لوٹ آئے۔ انہوں نے سوچا، اب تو سفر کا بیشتر حصہ طے ہو چکا ہوگا۔ اب تو محمدؐ نہ جانے کہاں پہنچ گیا ہوگا۔ اب پیچھا کرنا فضول ہے۔

عبداللہؓ روزانہ پیارے نبیؐ اور پیارے باپ کو قریش کی ساری خبریں سنایا ہی کرتے تھے۔ قریش کی مایوسی کا بھی حال سنایا۔ ابوبکرؓ نے سنا تو عبداللہؓ سے کہا: ''میں نے جو دو اونٹنیاں تیار کی ہیں، انہیں لیتے آنا۔ لیکن دیکھو، کسی کو پتہ نہ چلے۔ ساتھ میں عبداللہ بن ارُ قط کو بھی بلاتے لانا۔'' یہ ایک کافر تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کو اس پر اعتماد تھا۔ اسے اُجرت پر طے کر لیا تھا کہ کسی غیر آباد راستے سے مدینہ پہنچا دے۔

شام ہوتے ہی عبداللہؓ غارِ ثور کے لیے روانہ ہو گئے۔ ساتھ میں ان کی بہن اَسماءؓ تھیں اور ان کا غلام عامر بن فہیرہ بھی تھا۔ پیچھے پیچھے عبداللہ بن ارُ قط بھی تھا، جو حضرت ابوبکرؓ کی دونوں اونٹنیاں اور اپنی ایک اونٹنی لے کر آ رہا تھا۔

کچھ دیر میں یہ لوگ اونٹنیوں کے ساتھ غار پر آ پہنچے۔ دونوں میں جو زیادہ اچھی تھی، اسے ابوبکرؓ نے آپؐ کو پیش کیا۔ عرض کیا: ''اللہ کے رسول! اس پر آپؐ سواری فرمائیں۔''

محسنِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کا احسان لینا کب گوارا تھا۔ فرمایا: ''اس اونٹنی کی قیمت لے لو۔

عرض کیا: ''یہ اونٹنی آپ کی ہی ہے اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔''

فرمایا: ''ایسے نہیں۔ جتنے میں خریدی ہے، اتنی ہی قیمت پر۔''

ابوبکرؓ کو مجبوراً تیار ہونا پڑا۔ حضرت اسماءؓ نے سفر کا سامان کیا۔ گھر سے ایک ناشتے دان میں کھانا اور پانی سے بھرا ہوا ایک مشکیزہ لائی تھیں۔ ان دونوں کو اونٹنی پر رکھنا تھا۔ باندھنے کے لیے کوئی رسّی نہیں تھی۔ پریشان ہوئیں، کیا کریں؟!

پھر ایک ترکیب سمجھ میں آ گئی۔ نِطاق[1] کو بیچ سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیے۔ اور ایک ٹکڑے سے ناشتے دان اور مشکیزہ باندھ دیا۔ یہی وجہ ہے، وہ ذَاتُ النّطاقَیْن (دو نِطاقوں والی) کے لقب سے مشہور ہوئیں۔

آپؐ اور ابوبکرؓ دونوں اونٹنیوں پر سوار ہو گئے۔ عبداللہ بن اُرَیْقط بھی اپنی اونٹنی پر بیٹھ گیا۔ ابوبکرؓ نے پیچھے غلام کو بھی بٹھا لیا کہ راستے میں کوئی ضرورت پیش آئے تو زحمت نہ ہو۔ پھر یہ قافلہ عبداللہ بن ارقط کی رہنمائی میں روانہ ہو گیا اور بحر احمر کے کنارے کنارے ساحلی راستے سے ہوتا ہوا چلا، جو بالکل سنسان اور غیر آباد تھا۔

۳

قریش کی حسرتوں کا خون ہو گیا۔ دل کے ارمان دل ہی میں رہ گئے۔ اس کا ان کو سخت صدمہ تھا۔ اب وہ جہاں اکٹھا ہوتے اس کا افسوس کرتے، جس مجلس میں بیٹھتے، اسی کا رونا روتے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ سے نکل گئے تھے، اس پر وہ ہاتھ ملتے۔ قریش اپنی ایک مجلس میں بیٹھے اسی طرح رنج و غم کا اظہار کر رہے تھے کہ ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ یہ کسی سفر سے لوٹ کر ابھی ابھی آیا تھا۔ اس نے کہا: ”میں ساحلی راستے سے آ رہا تھا۔ تین آدمی میرے

---

[1] یہ کپڑے کی مضبوط اور چوڑی پٹی ہوتی تھی جسے عرب عورتیں کام کاج کے وقت اپنی کمر سے لپیٹ لیتی تھیں۔

سامنے سے گزرے۔ میرا خیال ہے، وہ محمد اور ان کے ساتھی ہی تھے۔''

وہاں سراقہ نامی ایک آدمی بھی تھا۔ یہ جُعشم کا بیٹا تھا۔ بہت دوررس اور سمجھ دار آدمی تھا۔ یہ بات سنی تو سمجھ گیا، اس آدمی کا اندازہ بالکل صحیح ہے لیکن اس کی تمنا تھی، محمدؐ کو پکڑنے کا فخر اسی کو حاصل ہو۔ انعام کے سو اونٹ بھی اسی کے دروازے پر بندھیں۔ اس نے لوگوں کو بہکانے کے لیے فوراً تردید کی۔ بولا:

''نہیں جی۔ اب وہ یہاں کہاں بیٹھے ہیں! ابھی ابھی کچھ آدمی میرے سامنے ہی اس طرف گئے ہیں۔ میں تو ان سے اچھی طرح واقف ہوں۔''

سب کو سراقہ کی بات صحیح معلوم ہوئی۔ کسی نے اس آدمی کی طرف دھیان نہ دیا۔ سراقہ کچھ دیر وہاں بیٹھا رہا۔ پھر اٹھا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

گھر پہنچتے ہی وہ ہتھیار سج کر تیار ہو گیا۔ اپنے ایک نوکر سے کہا۔ اس نے گھوڑے پر زین کسی اور گھوڑے کو مکے کے باہر پہنچا دیا۔ کچھ ہی دیر میں سراقہ بھی پہنچ گیا۔ وہ چاہتا تھا، مکے سے باہر جاتے ہوئے کوئی اسے دیکھنے نہ پائے۔ مکے سے باہر پہنچ کر وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور لگام چھوڑ دی۔ گھوڑا ٹاپیں مارتا، دھول اُڑاتا، تیزی سے ساحل کی طرف بڑھا۔

کیا یہ ممکن ہے، سراقہ محمدؐ کو پالے جب کہ اللہ نے غار پر منڈلانے والے خطرات سے بچالیا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنی نظریں نہیں پھیر سکتا جبکہ وہ وعدہ کر چکا ہے ساری سازشیں ناکام کرنے کا۔

گھوڑا ابھی کچھ ہی دور بڑھا تھا کہ اس نے ٹھوکر کھائی۔ قریب تھا وہ سراقہ کو زمین پر پھینک دے لیکن سراقہ تیزی سے سنبھلا اور پھر گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا ہوا میں تیرنے لگا۔ زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ پھر ٹھوکر لگی لیکن سراقہ کی ہمت پست نہ ہوئی۔ اس نے دوبارہ گھوڑے کو سنبھالا اور پھر ایڑ لگائی۔ اگرچہ اب وہ کچھ

مرعوب تھا۔ کچھ خوف زدہ اور ہراساں تھا۔ کچھ مایوسی کا بھی شکار تھا۔ ادھر گھوڑا سرپٹ بھاگا چلا جارہا تھا۔

قافلہ ایک دن، رات برابر چلتا رہا نہ کسی دشمن کا سامنا ہوا نہ کوئی پیچھا کرنے والا نظر آیا۔ ابوبکرؓ کو اب بالکل اطمینان تھا۔ دل کی گھبراہٹ اور پریشانی دور ہو چکی تھی۔ پیارے نبیؐ کے بارے میں اب کسی خطرے کا اندیشہ نہ رہ گیا تھا۔

دوسرے دن دوپہر کا وقت تھا۔ دھوپ کی گرمی سے جسم بھنا جارہا تھا۔ ابوبکرؓ کی خواہش ہوئی، حضرت کچھ آرام فرمالیں۔ ہر طرف نظر دوڑائی۔ ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا۔ وہیں جا کر اتر گئے۔ جلدی سے آپؐ کے لیے جگہ ٹھیک کی۔ بکری کی کھال بچھائی۔ پھر کھانا پیش کیا۔ سب نے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ آپؐ نے تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کرلیں۔ اور آرام فرمانے لگے۔

سورج اب ڈھل چکا تھا۔ پاس ہی ایک چرواہا بکریاں چرارہا تھا۔ ابوبکرؓ نے جا کر اس سے دودھ دوہنے کو کہا۔ پھر حضرتؐ کے پاس آئے۔ دودھ میں تھوڑا سا پانی ملا کر پینے کے لیے پیش کیا۔ آپؐ نے پی کر فرمایا: ''اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔'' پھر آپؐ وہاں سے روانہ ہونے لگے۔ اچانک ابوبکرؓ کی نظر جنوب کی طرف پڑی۔ دیکھا، ایک سوار بہت تیزی سے لپکا چلا آرہا ہے۔ ابوبکرؓ کا دل دَھک دَھک کرنے لگا۔ عرض کیا: ''اللہ کے رسول! اب تو ہم دھر لیے گئے''! مگر آپؐ کے اطمینان کا وہی عالم تھا۔ بہت ہی سکون کے ساتھ فرمایا:

''ابوبکر! گھبراؤ نہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' اللہ سچ مچ ان کے ساتھ تھا!!

سراقہ کا گھوڑا اب بہت قریب آ چکا تھا۔ اب وہ بالکل نظروں کے سامنے تھا۔ اس کی ٹاپوں کی آواز کانوں میں آرہی تھی۔ یکا یک بہت زور کی ٹھوکر لگی۔ اس بار اس کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں تھے اور سوار لڑھک کر زمین پر۔ اس

کا چہرہ ریت سے بالکل اَٹ گیا اور ہمت نے جواب دے دیا۔ سُراقہ کو اب یقین ہو گیا آثار اچھے نہیں۔ میں نے جس کام کا بیڑا اٹھایا ہے، خدا اس سے راضی نہیں۔ وہ وہیں رُک گیا اور زور سے آپؐ کو اور ساتھیوں کو آواز دی:

''میں جُعشم کا بیٹا سراقہ ہوں۔ ذرا ٹھہر جاؤ میری ایک درخواست ہے۔ بخدا میں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ اطمینان رکھو، میں کچھ نہیں کروں گا۔''

''ابوبکرؓ! پوچھو، کیا چاہتا ہے؟'' پیارے نبیؐ نے ارشاد فرمایا۔

ابوبکرؓ: ''کہو، کیا چاہتے ہو؟'' ابوبکرؓ نے سراقہ کو مخاطب کیا۔

سراقہ نے عرض کیا: ''امن کی تحریر۔''

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست قبول کی اور ابوبکرؓ کو لکھنے کا حکم دیا۔ چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا۔ آپؐ نے جو کچھ فرمایا، ابوبکرؓ نے اس پر لکھ دیا۔ پھر سراقہ کو دے دیا۔ سراقہ نے اس کو لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر مکے لوٹ آیا۔

یہ سب کچھ ہوا تھا لیکن سراقہ نے کسی سے کچھ نہ بتایا۔ اب اس کو آپؐ سے بیحد محبت تھی۔ بے انتہا اُلفت اور ہمدردی تھی۔ اب اگر وہ دیکھتا، کوئی آپؐ کا پیچھا کرنے جا رہا ہے یا تلاش کی غرض سے نکل رہا ہے تو اسے بہکاتا اور جس طرح بن پڑتا، روکنے کی کوشش کرتا۔

(۴)

پیارے نبیؐ کی ہجرت ہوئی تو مکے میں علیؓ کے لیے کچھ نہ رہا۔ ایک تو جان کا خطرہ۔ پھر آپؐ سے دوری کا صدمہ۔ وہاں کی ایک ایک چیز کاٹنے لگی اور ذاتِ گرامیؐ کی یاد ستانے لگی۔ اب وہ ہر وقت بے قرار رہتے اور آپؐ سے ملنے کے

لیے بے تاب۔ امانتوں کی واپسی سے چھٹی ملی تو موقع پاتے ہی مکے سے روانہ ہو گئے۔ سواری کے لیے نہ کوئی اونٹنی تھی نہ خچر۔ لیکن آپ سے جا ملنے کے شوق میں پیدل ہی چل پڑے۔ بڑی بے تابی سے تیز تیز قدم بڑھانے لگے۔

سبحان اللہ! یہ تھی علیؓ کی وفاداری! یہ تھی علیؓ کی سعادت مندی! کتنے اونچے انسان تھے وہ! کتنی نیک تھی ان کی طبیعت!

اس زمانے کا لمبا سفر...... وہ بھی تنہائی اور بے سروسامانی کی حالت میں...... اور وہ بھی پیدل!! کتنی بلند تھی ان کی ہمت! کیسا محکم تھا ان کا عزم!!

راستہ بھی کیسا؟! لق و دق ریگستان، ہر طرف ویران اور سنسان، نہ سایہ کی آس نہ پانی کا امکان۔ اوپر سے چلچلاتی ہوئی دھوپ۔ نیچے سے تپتی ہوئی ریت، جیسے آگ کی چنگاریاں! لیکن یہ سب چیزیں ایک طرف، رسولِ خداؐ کی محبت ایک طرف۔ حضرت علیؓ بے اختیار خطرات میں کود پڑے۔ راستے کی پریشانیاں جھیلتے رہے۔ دشوار گزار نشیب و فراز طے کرتے رہے اور رات و دن آگے بڑھتے رہے۔ ان کو بس ایک ہی دھن تھی، ایک ہی آرزو تھی، ایک ہی تمنا تھی۔ پیارے بھائی کا دیدار، مخلص دوستوں سے ملاقات اور بس۔

وہ چلتے رہے، چلتے رہے یہاں تک کہ تلوے لہولہان ہو گئے۔ پیر بے جان ہو گئے۔ چلنے کی طاقت نہ رہی۔ لیکن حوصلے ابھی جوان تھے۔ ایک دھن تھی، جو انہیں بے اختیار کھینچے لیے جا رہی تھی اور ان کے پیر۔ خون میں نہائے ہوئے پیر تیزی سے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ ان کو یہ گوارا نہ تھا کہ ذرا ٹھہر کر دم لے لیں۔ تکان سے چور جسم کو کچھ آرام دے لیں۔ وہ درد کی ٹیس اور تکان کی تکلیف پر صبر کرتے رہے اور بے تابی کے ساتھ کعبۂ مقصود (پیارے نبیؐ) کی طرف دوڑتے رہے۔

مدینے سے تین میل کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی آبادی تھی۔ یہ ذرا اونچائی

پر واقع تھی۔ عالیہ اور قُباء کے نام سے مشہور تھی۔ یہاں مسلمانوں کے کئی اونچے گھرانے تھے۔ پیارے نبیؐ ان کے مہمان ہوئے چودہ دن وہیں ٹھہرے رہے۔ وہاں کے دورانِ قیام میں خود دستِ مبارک سے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو ''مسجد قُباء'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

یہیں پر علیؓ کی آپؐ سے ملاقات ہوئی اور چھوٹا مجاہد بڑے مجاہد کے ساتھ ہو گیا۔ اب خوشی کا کیا ٹھکانا تھا۔ ایک ساتھ تین تین خوشیاں اکٹھا تھیں۔ آپؐ سے ملاقات کی خوشی، دشمنوں سے نجات کی خوشی اور پھر جاں نثار ساتھیوں میں پہنچنے کی خوشی۔ چودہ دن گزر گئے تو آپؐ نے ساتھیوں کے ساتھ شہر کا رُخ کیا۔ مدینے میں آپؐ کی آمد کی خبر پہنچ چکی تھی۔ اب کیا تھا! ہر طرف عجیب وغریب منظر تھا۔ مسلمان، مشرک اور یہودی سب خوش تھے اور مسرت کے گیت گا رہے تھے۔ سارے ہی لوگ شوق ومحبت سے بے تاب تھے۔ ہر طرف ایک ہما ہمی تھی۔ ہر طرف آپؐ کی آمد آمد تھی۔ سب پر انتظار کا عالم تھا۔ ننھے ننھے بچے تک خوشی سے ناچ رہے تھے اور گلیوں میں کہتے پھر رہے تھے ''پیارے نبیؐ آرہے ہیں!''

لوگ ہر روز صبح سویرے شہر سے باہر نکل جاتے اور بے تابی کے ساتھ اُفق پر نظریں جما دیتے۔ اسی طرح وہ پہروں آپ کا راستہ دیکھتے رہتے پھر مایوس ہو کر حسرت کے ساتھ لوٹ آتے۔ ایک دن وہ انتظار کر کے واپس جا چکے تھے کہ ایک اونچے ٹیلے سے آواز بلند ہوئی اور ساری فضا میں گونج اٹھی: ''لوگو! جس کا انتظار تھا، وہ آ گیا!''

یہ ایک چھوٹا سا جملہ تھا، جس پر سارا مدینہ بے تاب ہو اٹھا۔ سب کے دل بلّیوں اُچھلنے لگے۔ مردوں کے سینے خوشی سے امنڈ آئے۔ بچوں او عورتوں کے چہرے پھول کی طرح کھل اٹھے۔

یہ آواز ایک یہودی کی آواز تھی ، جو مسلمانوں کی طرح بے تابی سے محمدؐ کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، ہر مسلمان محمدؐ کے انتظار میں خوشی سے بے قابو ہے۔ ہر ایک کے گھر عید کا سماں ہے۔ ہر سو ایک عجیب دھوم دھام اور چہل پہل ہے۔ کیوں؟ محمدؐ آرہے ہیں!

اس سے وہ بہت متاثر ہوا۔ اب اس پر بھی ایک انتظار کا عالم تھا۔ آج اس نے دیکھا، ایک چھوٹا سا قافلہ آرہا ہے۔ سمجھ گیا، یہ وہی ہر دلعزیز مہمان ہے۔ خوشی سے پکار اٹھا: ''لوگو! جس کا انتظار تھا وہ آگیا۔''

تمام بوڑھے اور جوان بے تابانہ گھروں سے نکل آئے اس نئے مہمان کے استقبال کے لیے۔ اکثر لوگ آپؐ کو پہچانتے نہ تھے کیونکہ انہوں نے کبھی دیکھا نہ تھا۔ لیکن ان کے دل آپؐ کو خوب جانتے تھے۔ ان کے سینے میں شوق و محبت کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

کھجور کے ایک درخت کے نیچے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے ساتھیوں سے ملاقات ہوئی۔ لوگ شوق سے بے تاب تھے۔ لیکن پہچان نہ سکتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے دھوپ سے بچانے کے لیے سر پر چادر تانی، تب لوگوں کو معلوم ہوا، یہی اللہ کا پیارا رسولؐ ہے۔

یہ جمعہ کا دن تھا۔ راستے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ اس وقت آپؐ بنی سالم کے محلے میں تھے۔ آپؐ نے جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی۔ آپؐ کے ساتھ ان جاں نثاروں نے بھی نماز ادا کی جو آپؐ کو دیکھنے سے پہلے ہی مسلمان تھے۔

اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں داخل ہوئے --- اُس پاک سرزمین میں، جس نے آپؐ کو ہاتھوں ہاتھ لیا جبکہ وطن نے آپؐ کا ساتھ نہ دیا۔ آپؐ کے ننھیالی رشتے دار بنو نجار ہتھیار سج سج کر آگئے۔ قُباء سے مدینے تک

آپؐ کے دونوں طرف جاں نثاروں کی قطاریں تھیں۔

ایک عجیب و غریب منظر تھا۔ برسہا برس گزر گئے تھے، خوشی و غم کے ہزار ہا واقعات پیش آ چکے تھے۔ بڑے سے بڑے میلے اور جشن منائے جا چکے تھے۔لیکن......لیکن مدینے کی گلیوں نے کبھی ایسا نظارہ نہ دیکھا تھا۔

مدینے کے ہر خاندان کی تمنا تھی، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مہمان بنائے۔ ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا:

"اللہ کے رسول! آپ ہمارے یہاں ٹھہریں۔ دیکھیے، یہ گھر ہے، یہ مال ہے، یہ جان ہے!!" رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے ان کا شکریہ ادا فرماتے اور دعائے خیر کرتے۔ اس وقت آپؐ اونٹنی پر سوار تھے۔ آپؐ نے اس کی مہار ڈھیلی کردی اور فرمایا: "میں وہاں ٹھہروں گا، جہاں اللہ ٹھہرائے گا۔"

اونٹنی مدینے کی گلیوں میں چل رہی تھی اور صحابہؓ آپؐ کے اردگرد تھے۔ لوگوں کا ایک انبوہ تھا، جو جوش میں نعرہ لگا رہا تھا:

"اللہ اکبر، محمد آ گئے۔ اللہ اکبر، رسولِ خدا آ گئے۔"

ننھے ننھے لڑکے اور معصوم بچیاں دَف بجا رہی تھیں اور خوشی میں گاتی جا رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
چودھویں کا چاند ہمارے سامنے نکل آیا وَداع کی گھاٹیوں سے

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ
ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں

اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ
اے ہم میں آنے والے! یہاں تیری باتیں سنی جائیں گی

عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئی تھیں، اپنے معزز مہمان کو ایک نظر دیکھ لینے کے لیے۔ مرد اونچی اونچی جگہوں پر چڑھ گئے تھے اور اس طرح آپؐ کو خراجِ عقیدت پیش کر رہے تھے۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی چلتی رہی، چلتی رہی۔ پھر ایک جگہ آکر ٹھہر گئی اور وہیں بیٹھ گئی۔ یہ خاندان بنونجّار کے دو یتیموں کی زمین تھی۔ اس میں کچھ قبریں تھیں، کچھ کھجور کے درخت تھے۔

اونٹنی بیٹھی تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اتر آئے۔ فرمایا: ''یہ زمین کس کی ہے؟'' (آپؐ یہاں مسجد بنانا چاہتے تھے)۔

عفراء کے بیٹے مَعاذ آگے بڑھے۔ عرض کیا: ''رسولِ خدا! سَہل اور سُہَیل دو یتیم بچے ہیں۔ یہ زمین انہی کی ہے۔ باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا ہے۔ اب وہ دونوں میری پرورش میں ہیں۔ آپ خوشی سے یہاں مسجد بنوائیں۔ میں انہیں راضی کرلوں گا۔''

آپؐ نے ان یتیم بچوں کو خود بلا بھیجا۔ دونوں نے یہ زمین مفت دینی چاہی۔ آپؐ نے یہ پسند نہیں فرمایا اور قیمت دے کر خرید لی۔ پھر زمین برابر کی گئی اور مسجد بننی شروع ہوگئی۔

آپؐ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مہمان ہوئے۔ اب کیا تھا! وہ برکتوں سے نہال ہوگئے۔ حضرت ابوایوبؓ آپؐ کا بہت خیال رکھتے۔ ہر طرح کا آرام پہنچانے کی کوشش کرتے۔ سات مہینے آپؐ یہیں ٹھہرے رہے۔ اس مُدّت میں مسجد بن کر تیار ہوگئی۔ پھر مسجد کے قریب ہی اُمّہات المومنینؓ کے لیے کچھ کوٹھریاں بنیں، جن کو حُجرہ کہتے ہیں۔ اب آپؐ یہیں چلے آئے۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم قبیلۂ بنی نجّار میں ٹھہرے تو قبیلے والوں کو کتنی خوشی

ہوئی، اس کا اندازہ کون کرے؟! بنی نجّار کی چھوکریاں خوشی سے اچھلتی تھیں اور بے خود ہو کر یہ گیت گاتی تھیں:

نَحنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِیِّ النَّجَارِ — ہم خاندانِ بنی نجاّر کی بیٹیاں ہیں

یَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارٍ — اے ہے، محمد ہمارے پاس رہیں گے

⑤

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں رہنے لگے۔ رہتے رہتے کافی دن ہو گئے۔ یہ دن بہت سکون سے گزرے۔ ہر طرح کا آرام تھا۔ کسی طرح کا خوف اور خطرہ نہ تھا۔ پیارے نبیؐ نے امہات المومنینؓ کو بھی بلا لیا۔ پیاری صاحبزادیاں بھی آ گئیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کو لکھ دیا۔ وہ بھی ماں، بہنوں کو لے کر مدینہ آ گئے۔ دوسرے ساتھیوں نے بھی اہل و عیال کو بلا لیا۔ جو مسلمان مکے میں رہ گئے تھے، وہ بھی مدینہ چلے آئے۔ ساتھ میں بیوی بچوں کو بھی لائے۔ یہ لوگ مدینہ آئے تو بالکل خالی ہاتھ تھے۔ ساتھ میں کچھ بھی نہ تھا۔ بڑی تنگی کا سامنا تھا۔ انصار ان کی بہت مدد کرتے۔ ان کے آرام کا خیال رکھتے۔ لیکن پھر بھی کوئی باقاعدہ انتظام نہ تھا۔

پیارے نبیؐ کے حسن تدبیر کو کیا کہیے! بس سنیے اور داد دیجیے!! آپؐ نے انصار اور مہاجرین کو جمع کیا۔ اَنصار سے فرمایا: ''یہ مہاجرین تمہارے بھائی ہیں۔'' اس کے بعد آپؐ ایک انصاری کو بلاتے۔ پھر ایک مہاجر کو اور فرماتے: ''یہ اور تم دونوں بھائی بھائی ہو۔''

اب وہ سچ مچ بھائی بھائی تھے۔ انصار اپنے اپنے بھائیوں کو اپنے گھروں پر

لے گئے۔ انہیں اپنے یہاں ٹھہرایا۔ رہنے کے لیے گھر دیا۔ مال و جائداد میں ان کا حصہ لگایا اور ہر طرح کا آرام بہم پہنچایا۔

اب مدینہ ان کا اپنا وطن تھا۔ وہاں ہر طرح کی سہولت تھی۔

اس بھائی چارے سے بڑا فائدہ ہوا۔ انصار اور مہاجرین کے تعلقات مضبوط ہو گئے۔ دونوں میں گہری محبت اور الفت ہو گئی۔ ہر ایک دوسرے کو دل سے چاہنے لگا۔ ہر ایک جو اپنے لیے پسند کرتا، وہی بھائی کے لیے پسند کرتا۔ جو چیز خود کو ناپسند ہوتی، وہ بھائی کے لیے بھی ناپسند ہوتی۔ یوں سمجھیے، اب وہ ایک جان دو قالب تھے۔

مہاجرین تو ہاتھ پیر مارنے کے عادی تھے، موقع پاتے ہی کاروبار میں لگ گئے۔ کوئی تو تجارت میں لگ گیا۔ کوئی انصار کی زمینوں میں کاشت کرنے لگا۔ حرکت میں برکت تو ہوتی ہی ہے۔ اللہ نے کاروبار میں برکت دی۔ بہت جلدی وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے اور پھر سے اپنے اپنے گھر بسا لیے۔

کچھ مسلمان ایسے بھی تھے، جو بہت مفلس تھے۔ رہنے کے لیے کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ کسی کاروبار کے بھی لائق نہ تھے۔ دو، دو، تین، تین دن فاقے میں گزر جاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بہت خیال رکھتے۔ بیت المال سے وظیفہ بھی دیتے۔ مسجد نبویؐ کے ایک کنارے پر ایک چبوترہ تھا، رات میں یہ بے چارے وہیں پڑے رہتے۔[1]

مدینے میں یہودیوں کی بھی اچھی خاصی آبادی تھی۔ یہ عرب کے مہاجن تھے۔ شام تک ان کا کاروبار تھا۔ دولت میں یہ سب سے آگے تھے۔ اس لیے مدینے پر انہی کی حکومت تھی۔ وہاں امن کی بس ایک ہی صورت تھی۔ یہ خوش

---

[1] عربی میں چبوترے کو "صُفّہ" کہتے ہیں۔ اسی سے یہ لوگ اصحابِ صفہ کہلائے۔

رہیں۔ تعلقات ان سے خوش گوار رہیں۔

پیارے نبیؐ نے سوچا، یہودیوں سے سمجھوتہ ہو جائے۔ مدینے میں مسلمان یہودی سب مل جل کر رہیں۔ کوئی کسی کے مذہب کی توہین نہ کرے۔ کوئی کسی کے مال کو ہاتھ نہ لگائے۔ کوئی دشمن شہر پر حملہ کرے تو مقابلے میں دونوں ایک ہوں۔ مالِ غنیمت ملے تو اس میں بھی برابر کے شریک ہوں۔ آپؐ نے یہودیوں سے بات چیت کی۔ وہ خوشی خوشی راضی ہو گئے۔ سب ایک جگہ جمع ہوئے اور ایک معاہدہ تحریر ہو گیا۔

کچھ یہودی بڑے اچھے تھے۔ پیارے نبیؐ کو دیکھا تو سمجھ گئے، یہ اللہ کے نبی ہیں۔ ہماری کتابوں میں انہی کی خوش خبری ہے۔ اللہ کے آخری رسول یہی ہیں۔ جس دین کو ہم نے بھلا دیا ہے، اسی دین کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کو پورا یقین ہو گیا اور وہ ایمان لے آئے۔ لیکن بیشتر یہودی اس کے لیے کبھی تیار نہ تھے کہ محمد کوئی نیا دین پیش کریں جس سے ان کے دین پر اثر پڑے۔

شروع میں تو وہ پیارے نبیؐ اور مسلمانوں کے مدینے آنے سے بہت خوش ہوئے۔ خوشی خوشی معاہدے پر بھی راضی ہو گئے۔ وہ چاہتے تھے، آپؐ کو اپنے میں ملا لیں۔ آپؐ کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیں۔ انہوں نے سوچا، اس طرح سب مسلمان بھی ہمارے ہم خیال ہو جائیں گے۔ پھر تو ہمارا مذہب خوب پھیلے گا۔ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے گا۔ ہر طرف اس کا ڈنکا بجے گا اور عیسائی مذہب نام کو نہ رہ جائے گا۔

یہودی مدت سے آخری نبی کے منتظر تھے۔ جہاں جہاں انہیں ''آخری نبی'' کے آنے کی امید تھی، وہاں وہاں جا کر بستے تھے۔ ان کا خیال تھا، آنے والا نبی ہمارے ہی مذہب کا پیرو ہو گا اور جب وہ آئے گا تو ہمارے مذہب کے پیر جم

جائیں گے۔ ہر طرف اسی کا بول بالا ہوگا۔عیسائی مذہب دنیا سے مٹ جائے گا۔ اس کا کوئی نام لیوا نہ ہوگا۔ مگر آپؐ نے نیا دین پیش کیا۔ نئی نئی باتیں بتائیں۔ وہ باتیں یہودیوں کے بالکل خلاف تھیں۔ بھلا اب برداشت کی کہاں تاب تھی ؟! اب صبر وسکوت کا کیا سوال تھا؟

اب آپؐ ان کے لیے حلق کا کانٹا بن گئے۔ معاہدے کا انہوں نے کوئی خیال نہ کیا اور مخالفت میں سارا زور لگا دیا۔ لگانے بجھانے میں تو ماہر تھے ہی۔ ''دوسروں کو لڑاؤ۔ پھر اپنا کام بناؤ۔'' یہ ان کا اصول تھا۔ اسی اصول سے یہاں بھی کام لیا۔ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکامی ہوئی۔

پھر بھی وہ مایوس نہ ہوئے اور ایک دوسری چال چلی۔ اب وہ مدینہ کے مشرکوں کے کان بھرنے لگے۔ وہ ان کی باتوں میں آ گئے اور ان کے ساتھ ہو گئے لیکن جو مسلمان تھے، وہ تو ایک دوسرے پر جان دیتے۔ خود دکھ اٹھاتے مگر اپنے بھائی کو آرام پہنچاتے۔ وہ بھلا ان بدبختوں کی باتوں میں کیسے آتے۔ بری طرح پھٹکار دیا۔ نفرت سے منہ موڑ لیا اور اسلام پھیلانے میں تن، من سے لگے رہے۔

☆-----☆-----☆

محمد عربی ﷺ

(۱۰)

دعوتِ حق تلواروں کی چھاؤں میں!

- مسلمانوں کے لیے جنگ کی اجازت
- مسلمانوں کی دفاعی سرگرمیاں
- ابوسفیان کا سفرشام
- عاتکہ کا خواب
- ضمضم کی آتش نوائی
- قریش کی جنگی تیاریاں
- لشکر قریش کی روانگی
- ابوسفیان کا قاصد
- ابوجہل کی خودرائی
- ابوسفیان کوملال
- حضورؐ کا صحابہ سے مشورہ
- صحابہ کی سرفروشانہ تقریریں
- مدینے سے اسلامی فوج کی روانگی
- میدان کارزار میں پیارے نبیؐ کا تاریخی خطبہ
- قریش کے جاسوس اوران کا تاثر
- میدان بدر میں حق وباطل آمنے سامنے
- ایوان باطل میں صف ماتم بچھ گئی
- پیارے نبیؐ کے قتل کی دوبارہ سازش اور پھر ناکامی

(۱)

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ.
(سورہ حج:۳۹)

(جن سے لڑائی کی جاتی ہے ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا جارہا ہے اور خدا ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔)(سورہ حج:۳۹)

مکے میں مسلمانوں پر ظلم ہوتے رہے اور وہ سہتے رہے۔ طرح طرح کی سختیاں جھیلتے رہے لیکن صبر کرتے رہے۔ جب پانی سر سے اونچا ہو گیا، ظلم برداشت سے باہر ہو گیا تو اللہ نے مدینہ ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ وہاں پہنچ کر مسلمان زور پکڑنے لگے۔ یہ دیکھ کر مشرکوں کے دل جلنے لگے۔ انہوں نے مسلمانوں کا زور توڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ مدینے پر چڑھائی کے منصوبے بنانے لگے۔ اللہ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دے دی۔ حکم ہوا، اب طاقت کا جواب طاقت سے دو۔ سختی کے مقابلے میں سختی کرو۔ دشمن تمہاری طرف بڑھیں تو ان کے دانت کھٹے کر دو۔

ادھر مدینے میں بھی ایک دشمن گروہ پیدا ہو گیا تھا۔ یہ تھا منافقوں کا گروہ مسلمانوں کا کٹر دشمن۔ ان کے ایمان کے لیے سخت خطرہ!! کبھی کھل کر سامنے نہ

آتا۔ اندر ہی اندر اسلام سے کڑھتا۔ دوست بن کر مسلمانوں کو ڈستا۔ اللہ نے اس کے ساتھ بھی سختی کرنے کا حکم دیا۔

مکہ پیارے نبی کا وطن تھا۔ بہت سے مسلمانوں کا بھی وطن تھا۔ اپنے وطن سے انہیں بے پناہ محبت تھی۔ لیکن وہاں کی زمین ان پر تنگ ہوگئی۔ سانس لینا دوبھر ہو گیا۔ مجبوراً ان کو بے وطن ہونا پڑا۔ دولت اور جائداد سب سے ہاتھ دھونا پڑا۔ حد یہ ہے کہ کعبہ بھی چھن گیا۔ حج اور طواف پر پابندی لگ گئی۔ اس کا پیارے نبیؐ کو بہت رنج تھا۔ مسلمانوں کو سخت صدمہ تھا۔ اب ان کی نظریں مکے کی طرف اٹھنے لگیں۔

ظالموں سے جنگ کرنے کا حکم آ ہی چکا تھا۔ اسلام کے لیے تلوار چلانے کی اجازت مل ہی چکی تھی۔ مسلمانوں نے عزم کیا، اب ظلم کی آگ بجھائیں گے۔ مشرک اور منافق دین کے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں، اس خطرے کو دبائیں گے۔ کعبے کو آزاد کرائیں گے۔ حج کی پابندی ختم کرائیں گے۔

مکے والوں میں کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ ان کے کیا ارادے ہیں؟ یہ معلوم کرنے کی مسلمانوں نے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ ٹولیاں بنا بنا کر مدینے سے باہر نکل جاتے۔ جہاں قریش کے قافلے ملتے، ان سے چھیڑ چھاڑ کرتے۔

یہ ٹولیاں، جنہیں عربی میں ''سرایا'' کہتے ہیں، سو سو پچاس پچاس آدمیوں کی ہوتیں۔ ان میں پانچ ''سرایا'' زیادہ مشہور ہیں۔ ایک کے امیر حضرت حمزہؓ تھے۔ دوسری کے حضرت عبیدہؓ بن حارث۔ تیسری کے حضرت سعد بنؓ ابی وقاص۔ چوتھی کے حضرت عبداللہؓ بن جحش اور پانچویں میں خود پیارے نبیؐ تھے۔ ان ٹولیوں کا قریش سے کبھی جم کر مقابلہ نہ ہوا۔ یا تو بیچ بچاؤ ہو گیا یا یہ لوگ بچ کر نکل آئے۔

ان ٹولیوں نے ایک کام اور بھی کیا۔ آس پاس کے قبیلوں سے دوستی کر لی۔

ان سے امن و امان کے معاہدے کر لیے کیونکہ ان کے بگڑ جانے سے مدینے کو خطرہ تھا۔ وہاں بدامنی پھیل جانے کا اندیشہ تھا۔ ان قبیلوں نے آسانی سے معاہدے کر لیے۔ ضرورت پڑنے پر مدد کرنے کے بھی وعدے کیے۔

ہجرت سے پہلے قریش کو خبر ملی انصار نے عقبہ میں پیارے نبیؐ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ آپؐ کے لیے جان کی بازی لگا دینے کی قسمیں کھائی ہیں۔ یہ سن کر وہ لرز گئے۔ سمجھ گئے، اب شامت آ گئی ہے۔ جلد ہی ایک ہولناک جنگ کا سامنا ہے۔ وہ جنگ اب سروں پر منڈلا رہی تھی۔

پیارے نبیؐ نے ہجرت کی تو قریش کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ سمجھ گئے، اب برے دن آنے والے ہیں۔ وہ بُرے دن آج سامنے تھے۔ قریش کو اپنی شامی تجارت کے بارے میں خطرہ تھا، وہ خطرہ اب سر اُٹھا چکا تھا۔

قریش کا ایک بہت بڑا سردار تھا، ابوسفیان۔ یہ حرب کا بیٹا تھا۔ مکے سے تجارت کے ارادے سے نکلا تھا۔ مسلمانوں کو بھی اس کی خبر ہو چکی تھی۔

ابوسفیان تجارت کی غرض سے شام گیا۔ قریش کے اور لوگ بھی ساتھ تھے۔ لوٹا تو دولت کا ٹھکانا نہ تھا۔ سامان بھی بے انتہا تھا۔

اسلامی دستے قافلوں سے چھیڑ چھاڑ تو کیا ہی کرتے تھے۔ ابوسفیان کو اندیشہ ہوا۔ مال وافر ہے۔ آدمی تھوڑے ہیں۔ کہیں مسلمانوں کا کوئی دستہ چھاپہ نہ مار دے۔ اس نے قریش کے پاس ایک آدمی دوڑایا۔ یہ تھا عمرو کا بیٹا ضمضم

ابوسفیان چاہتا تھا قریش کو اس خطرے کی خبر ہو جائے۔ وہ مدد کے لیے آ جائیں۔ ضمضم کو بھیجتے ہوئے اس نے کہا: ”مکہ پہنچتے ہی اونٹ کے دونوں کان کاٹ دینا۔ کجاوے کا رخ بدل دینا۔ اپنی قمیص آگے پیچھے سے چاک کر دینا۔ پھر بے تحاشا چیخنا: مدد، مدد!“

مکے میں یہی دستور تھا، جب کوئی خطرے کی بات ہوتی تو لوگ ایسا ہی کرتے۔اس طرح پورے شہر میں کھلبلی مچ جاتی۔دیکھتے دیکھتے سارے آدمی جمع ہو جاتے۔

(۲)

ہجرت کا دوسرا سال تھا۔شعبان کا مہینہ تھا۔مکے میں عبدالمطلب کی بیٹی عاتکہ نے ایک خواب دیکھا۔خواب بہت ہی ڈراؤنا تھا۔عاتکہ گھبرا گئیں۔خوف سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔خواب میں انہوں نے دیکھا۔ایک آدمی اونٹ پر سوار ہے۔وہ تیزی سے بڑھا چلا آرہا ہے۔پھر ابطح پہنچ کر وہ رک جاتا ہے۔پھر زور سے چیختا ہے:''قریش کے لوگو! تین دن کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں پر پہنچ جاؤ۔'' یہ سن کر سب لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔پھر وہ خانۂ کعبہ میں داخل ہو جاتا ہے۔لوگ بھی اس کے پیچھے پیچھے جاتے ہیں۔سارے لوگ اس کے اردگرد کھڑے رہتے ہیں۔اچانک اسے لے کر اونٹ خانۂ کعبہ کی چھت پر چڑھ جاتا ہے۔پھر وہ زور سے چیختا ہے:''قریش کے لوگو! تین دن کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں پر پہنچ جاؤ۔'' پھر اس کا اونٹ ایک پہاڑ پر چڑھ جاتا ہے۔ابوقبیس نامی پہاڑ پر۔وہاں پہنچ کر وہ آدمی پھر زور سے چیختا ہے۔''قریش کے لوگو! تین دن کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں پر پہنچ جاؤ۔''

پھر وہ ایک چٹان اٹھاتا ہے اور پوری طاقت سے زمین کی طرف پھینکتا ہے۔چٹان زمین پر گرتے ہی پاش پاش ہو جاتی ہے۔اس کے ٹکڑے چھٹک کر مکے کے سارے گھروں میں پہنچتے ہیں۔کوئی بھی گھر اس سے محفوظ نہیں رہتا۔

عاتکہ نے اپنے بھائی عباس کو بلایا۔ ان کو اپنا یہ خواب سنایا۔ سن کر وہ بولے: ''دیکھو بہن! اب کسی اور سے بیان نہ کرنا۔ یہ خواب کسی سے کہنے کا نہیں''۔

لیکن عباس سے خود ہی نہ رہا گیا۔ انہوں نے کسی دوست سے بیان کر دیا۔ دوست سے کہنا تھا کہ آندھی کی طرح یہ بات پورے مکے میں پھیل گئی۔ ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کو بھی معلوم ہو گئی۔ انہوں نے سنا تو عاتکہ کا خوب مذاق اڑایا۔ ابو جہل نے تمسخر کے انداز میں عباس سے کہا: ''اخاہ! اب تک تو تمہارے یہاں کے آدمی ہی نبی ہو رہے تھے۔ اب عورتیں بھی نبی ہونے لگیں۔''

لیکن عاتکہ کا خواب سچا نکلا۔ ضمضم تین دن کے بعد مکے پہنچ گیا۔ مکہ پہنچ کر اس نے اونٹ کے دونوں کان کاٹ دیے۔ اپنی قمیص پھاڑ ڈالی۔ کجاوے کا رخ بدل دیا۔ پھر چیخا: ''قریش کے لوگو! لوئ بن غالب کے فرزندو! تمہارا قافلہ آ رہا ہے۔ مشک اور خوشبوئیں لا رہا ہے اور بھی بہت سا سامان لا رہا ہے۔ آگے بڑھ کر اسے بچاؤ۔ محمد اور اس کے ساتھی اسے لوٹ نہ لیں۔

دَوڑو دَوڑو...... مَدد کے لیے دَوڑو......! اپنا مال اور اپنا سامان بچاؤ!!''

۳

عرب کی غیرت وحمیت کا حال کسے نہیں معلوم؟ کسی قبیلے کا کوئی آدمی کسی کے ہاتھوں قتل ہوتا تو ایک ہنگامہ بپا ہو جاتا۔ دیکھتے دیکھتے جنگ کے شعلے بھڑکنے لگتے۔ دونوں طرف سے ٹڈی دل امنڈ آتا اور خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔ پھر یہ لڑائیاں سالہا سال قائم رہتیں۔ قبیلے کے قبیلے کٹ جاتے۔ کنبے

کے کنبے ویران ہو جاتے، لیکن یہ لڑائیاں بند ہونے کا نام نہ لیتیں۔

عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا، لیکن مقتول کا نام کاغذ پر درج ہوتا اور پشتہا پشت تک بچوں کو یاد کرایا جاتا۔ کہ وہ بڑے ہوں تو اس کا بدلہ لیں۔ دَاحِس اور بسوس کی قیامت خیز لڑائیاں کون نہیں جانتا؟ چالیس برس تک قائم رہیں اور ہزاروں لاکھوں جانیں ان کی نذر ہو گئیں۔ وہ بھی اسی بنا پر ہوئیں۔

رجب ۲ھ کا واقعہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ آدمیوں کو نخلہ کی وادی میں بھیجا کہ وہاں ٹھہر کر قریش کے ارادوں کا پتہ لگائیں۔ اسی موقع پر قریش کا ایک مختصر سا قافلہ ادھر آنکلا۔ ان لوگوں نے اسے لوٹ لیا۔ ایک آدمی کو قتل اور دو کو قید کیا۔ قتل ہونے والا آدمی عمرو بن حضرمی تھا۔ یہ عامر بن حضرمی کا بھائی تھا۔ پیارے نبیؐ کو معلوم ہوا تو سخت ناراض ہوئے۔ فرمایا: ”میں نے تمہیں اس لیے تو نہیں بھیجا تھا۔“

ادھر قریش کو خبر ہوئی تو وہ غصے سے بے تاب ہو گئے اور جذبۂ انتقام سے سرشار۔ اب انہیں جنگ کی دُھن تھی اور رات و دن اسی کی فکر۔ ضمضم کی پکار نے زخم پر نمک چھڑکا اور آتشِ غضب کو اور بھڑکا دیا۔ اب وہ جوش سے بے تاب ہو گئے اور جنگ کی تیاریوں میں لگ گئے۔ جلدی جلدی بہادر سپاہیوں کو جمع کیا۔ اونٹ گھوڑوں کا انتظام کیا۔ سارے لوگ دَم کے دَم میں تیار ہو گئے۔ جسے دیکھیے غصے سے بے تاب تھا۔ محمدؐ سے ٹکر لینے پر ساتھیوں کو اُبھار رہا تھا۔ جوش کا عجیب عالم تھا۔ ہر ایک جانے کے لیے تیار تھا۔ جو نہیں جا سکتا تھا، اپنی طرف سے آدمی بھیج رہا تھا۔

قریش کے سارے سردار اس مہم میں شریک ہوئے۔ البتہ ابولہب کی ہمت نہ ہوئی۔ اس نے چار ہزار درہم پر ایک آدمی کو تیار کر لیا اور اپنے بجائے اسے بھیج دیا۔

اگر کوئی جانے سے جی چراتا تو ساتھی بگڑتے اور اسے شرم دلاتے: ''تم تو عورت ہو، گھر میں گھسے رہنے کے عادی ہو، بس چوڑیوں کی کمی ہے۔ ہاتھوں میں چوڑیاں بھی پہن لو!'' آخرکار اسے غیرت آ جاتی اور وہ جانے کے لیے تیار ہو جاتا۔

کچھ لوگ جوش دلانے اور جذبات کو بھڑکانے میں پیش پیش تھے۔ سہیل نامی ایک سوار بھی انہیں میں تھا۔ اس نے قریش کے لوگوں سے کہا: ''غالب کے بیٹو! کیا تمہیں گوارا ہے، مسلمان ہمارے قافلوں کو لوٹ لیں؟ سارے مال اور سارے سامان پر قبضہ کر لیں؟ تمام اونٹوں کو ہنکا لے جائیں؟ کسی کو مال کی ضرورت ہو تو مال حاضر ہے۔ کسی کے پاس ہتھیار نہ ہوں تو ہتھیار حاضر ہیں''

قریش ساڑھے نو سو بہادروں کے ساتھ نکلے، ساتھ میں سو گھوڑے اور سات سو اونٹ بھی تھے۔ پیدل فوج لوہے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ سو زرہیں تھیں۔ ساتھ میں گانے والی عورتیں بھی تھیں۔ یہ بدنصیب رسول پاک کی شان میں گستاخانہ اشعار کہتیں۔ اس طرح سپاہیوں کی آتش غضب کو اور بھڑکاتیں۔

دشمنوں کا یہ لشکر اکڑتا ہوا چلا۔ ہر ایک پیارے نبیؐ پر دانت پیس رہا تھا اور غصے سے ہونٹ چبا رہا تھا۔ ان کے پیش نظر بس یہی نہیں تھا کہ قافلے کو بچا لائیں۔ ان کا ارادہ تھا، اس آئے دن کے خطرے کو ہمیشہ کے لیے دبا دیں۔ مدینے میں جو یہ طاقت جمع ہو رہی ہے اسے کچل ڈالیں کہ تجارتی راستہ بالکل محفوظ ہو جائے۔

ادھر ابوسفیان قافلے کو لے کر آگے بڑھا۔ بڑھتے بڑھتے سرزمین حجاز سے بہت قریب ہو گیا۔ خوف زدہ تو تھا ہی، اب آگے کی خبریں معلوم کرنے لگا کہ

مسلمانوں کی زد میں نہ آ جائے۔

پھر وہ ضمضم کا راستہ دیکھنے لگا۔ اس کا خیال تھا ضمضم آ رہا ہوگا۔ ساتھ میں قریش بھی مدد کے لیے آ رہے ہوں گے۔ لیکن کوئی نہ آیا۔

جب وہ رات آئی جس میں اسے بدر کے چشمے پر پہنچنا تھا تو اونٹ تیزی سے پانی کی طرف بڑھنے لگے۔ حالانکہ پانی کی انہیں کوئی ضرورت نہ تھی۔ وہ ایک ہی دن پہلے خوب سیراب ہو چکے تھے۔

قافلے والوں نے یہ ماجرا دیکھا تو گھبرا گئے۔ انہوں نے سوچا، اب تک تو اونٹوں نے کبھی ایسا نہیں کیا تھا۔ آج کیا بات ہے؟ رات بھی بڑی تاریک تھی، نگاہ کچھ کام نہیں کر رہی تھی۔ اس سے ان کی گھبراہٹ اور بڑھی اور خوف سے برا حال ہو گیا۔

ابوسفیان نے اب رخ بدل دیا۔ اس کو ڈر تھا، مسلمان گھات میں ہوں گے۔ اس کا خیال تھا وہ بدر کے پاس ہی چھپے ہوں گے۔ اس نے اب دوسرا راستہ پکڑا، بدر سے ہٹ کر اب وہ ساحل پر چلنے لگا۔ بدر اب بائیں جانب تھا اور وہ تیزی سے مکے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

قریش مکے سے روانہ ہو گئے۔ راستے میں جہاں پانی دیکھتے پڑاؤ ڈال دیتے۔ ٹھہر کر اونٹ ذبح کرتے۔ خود کھاتے، دوسروں کو کھلاتے۔ شراب و کباب کے دَور چلتے۔ پھر وہاں سے آگے چل دیتے۔

اسی طرح وہ کھاتے پیتے، عیش و طرب کی محفلیں جماتے، غرور سے اکڑتے چلے جا رہے تھے کہ مکے سے ایک آدمی پہنچا۔

اس نے کہا: ”بھائیو! اب مکے لوٹ چلو۔ قافلہ صحیح سالم مکے پہنچ گیا۔ محمد اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھ نہیں لگا۔ خیر اسی میں ہے کہ اب لوٹ چلو۔ مدینے

والوں سے ٹکر لینے کی مت سوچو۔ وہ ککڑی کی طرح کاٹ کر رکھ دیں گے۔

قریشی بھائیو! اب آگے نہ بڑھو۔ قافلہ تو بچ گیا۔ اس سے زیادہ کیا چاہیے۔
تم تو قافلے کو ہی بچانے نکلے تھے۔ اللہ نے اسے خود ہی بچالیا۔''

اس آدمی نے یہ باتیں انہیں کے بھلے کے لیے کہی تھیں، لیکن وہ سننے کو تیار نہ ہوئے۔ اکثر لوگوں نے صاف انکار کر دیا — قبیلۂ بنی ہاشم کی سمجھ میں یہ باتیں آ گئیں۔ انہوں نے لوٹنا چاہا مگر ابوجہل بگڑ گیا۔ اس نے کہا: ''نہیں، بخدا ہم ہرگز نہیں لوٹیں گے۔ ہم تو بدر تک جائیں گے'' — بدر ایک گاؤں ہے جہاں دور جاہلیت میں ہر سال میلہ لگتا تھا۔ مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل پر واقع ہے۔

وہ آدمی ابوسفیان کے پاس لوٹ آیا۔ آ کر سارا قصہ سنایا۔ جو کچھ باتیں ہوئی تھیں، سب بیان کر دیں۔ ابوسفیان نے یہ باتیں سنیں تو اسے بہت افسوس ہوا۔ بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا:

''ہائے میری قوم! یہ سب ابوجہل کی کارستانی ہے۔ وہ لوٹنے پر تیار نہ ہوا کیونکہ وہ آج لوگوں کا سردار بنا ہوا ہے۔ اس نے لوگوں کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ اس نے خود رائی سے کام لیا۔ خیر خواہی کی بات تھی لیکن اس نے ٹھکرا دی۔ دوسروں کی نہ سننا بہت بڑا عیب ہے۔ اس کا نتیجہ بربادی اور ہلاکت ہے۔''

(۴)

پیارے نبیؐ کو اس صورتِ حال کی خبر ہوئی تو آپؐ نے محسوس فرمایا، فیصلے کی گھڑی آن پہنچی۔ اگر اس وقت ہمت سے کام نہ لیا گیا تو تحریک اسلامی ہمیشہ کے لیے دب جائے گی اور سر اٹھانے کا پھر کوئی موقع نہ پائے گی۔

مدینہ میں آئے ابھی دو سال بھی نہیں ہوئے، مہاجرین بے سروسامان، انصار ابھی ناآزمودہ، یہودی مخالفت پر کمر بستہ، خود مدینے کے مشرکوں اور منافقوں کا خطرہ۔ ایسے میں اگر قریش مدینے پر حملہ آور ہوئے تو ہوسکتا ہے مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کا خاتمہ ہو جائے۔ لیکن اگر وہ حملہ نہ بھی کریں، صرف اپنے زور سے قافلے کو ہی بچا کر لے جائیں اور مسلمان دبکے بیٹھے رہیں۔ تب بھی مسلمانوں کی ایسی ہوا اُکھڑے گی کہ عرب کا بچہ بچہ ان پر دلیر ہو جائے گا پھر پورے ملک کی سرزمین ان کے لیے تنگ ہو جائے گی۔ آس پاس کے جتنے قبیلے ہیں قریش کے اشاروں پر ناچیں گے۔ مدینے کے مشرکین بالکل بے باک ہو جائیں گے اور یہودی اور منافقین علی الاعلان سر اٹھائیں گے۔ پھر مدینے میں جینا مشکل ہوگا۔ مسلمانوں کا کوئی رعب اور اثر نہ ہوگا۔ جو چاہے گا ان کو مارے گا اور مال وآبرو پر بے تامّل ہاتھ ڈالے گا۔ آپؐ نے عزم کیا جو طاقت بھی میسر ہے اسے لے کر نکلیں گے اور میدان میں فیصلہ کریں گے، جینے کا بل بوتا کس میں ہے۔

آپؐ نے تمام صحابہ کو جمع کیا اور ساری صورتِ حال سامنے رکھ دی کہ ایک طرف شمال میں تجارتی قافلہ ہے دوسری طرف جنوب سے قریش کا لشکر آ رہا ہے۔ بتاؤ کدھر چلنے کا خیال ہے؟ جواب میں ایک بڑے گروہ نے کہا: ”قافلے کی طرف۔“ لیکن پیش نظر تو کچھ اور تھا۔ آپؐ نے اپنا سوال پھر دُہرایا۔

اس پر حضرت ابوبکرؓ اٹھے۔ انہوں نے بہت ہی موثر تقریر کی۔ جو جاں بازی وسرفروشی کے جذبات سے معمور تھی۔ پھر حضرت عمرؓ اٹھے۔ انہوں نے بھی بہت ولولہ انگیز اور جوشیلی تقریر کی۔ پھر عمرو کے بیٹے مقدادؓ کھڑے ہوئے، انہوں نے کہا:

”اللہ کے رسول! جدھر رب کا حکم ہو، اُدھر چلیے۔ ہم آپ کے ساتھ ساتھ

ہیں۔ بنی اسرائیل نے تو اپنے نبی سے کہا تھا، آپ اور آپ کا خدا جائیں اور جنگ کریں، ہم تو یہاں سے ٹلنے کے نہیں! لیکن ہم ایسا کہنے والے نہیں۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ آپ بھی چلیں۔ آپ کا رب بھی چلے۔ ہم بھی آپؐ کے ساتھ چلیں گے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے۔ جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش میں ہے آپؐ کے لیے کوئی خطرہ نہیں۔"

پیارے نبیؐ نے یہ تقریر سنی تو چہرۂ مبارک چمک اٹھا۔ آپؐ نے حضرت مقدادؓ کی تعریف کی اور دعا دی۔ پھر فرمایا: "لوگو! تم بھی کچھ بولو۔"

انصار سمجھ گئے، آپؐ کا اشارہ ہماری طرف ہے۔ وجہ یہ تھی کہ انصار کے لیے یہ پہلا موقع تھا۔ اس سے پہلے وہ کسی مہم میں شریک نہ ہوئے تھے۔

حضرت سعدؓ بن معاذ مدینے کے معزز لوگوں میں سے تھے۔ وہ اٹھے اور عرض کیا: "اللہ کے رسول! شاید اشارہ ہماری طرف ہے"؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، میں اہل مدینہ کی زبان سے بھی کچھ سننا چاہتا ہوں۔

حضرت سعدؓ نے کہا: "میں اس وقت سارے انصار کی طرف سے بول رہا ہوں۔ اللہ کے رسول! ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ ہم نے آپ کو سچا سمجھا ہے۔ ہم نے گواہی دی ہے کہ آپ کی باتیں حق ہیں۔ ہم آپؐ کی اطاعت کا عہد بھی کر چکے ہیں۔ اللہ کے نبی! اب آپ نے جس کام کا ارادہ فرمایا ہے، بے جھجک اسے کر گزریں۔ خدا کی قسم اگر آپ ہمیں لے کر سمندر میں کود پڑیں تو بھی ہم بخوشی تیار ہیں۔ ہم میں کوئی پیچھے رہنے والا نہیں۔ جس سے آپ چاہیں صلح کریں۔ جس سے آپ چاہیں جنگ کریں۔ ہماری دولت بھی آپ کے قدموں میں ہے۔ جتنی چاہیں لے لیجیے۔ جتنی ہی زیادہ آپ لیں گے، ہمیں اتنی ہی زیادہ خوشی ہوگی۔ میں اس راستے پر کبھی گیا نہیں، نہ اس کے بارے میں کوئی واقفیت ہے، لیکن ہم

دشمن سے بھاگنے والے نہیں۔ ہم تو میدانِ جنگ کے شیر ہیں۔ مقابلے میں ڈٹ جانے والے لوگ ہیں۔ امید ہے ہم بہادری کے ایسے ایسے جوہر دکھائیں گے کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔"

یہ خلوص و محبت اور جوش و جذبے سے بھری ہوئی تقریر تھی۔ پیارے نبیؐ نے یہ تقریر سنی تو بے حد خوش ہوئے۔ آپؐ نے حضرت سعدؓ کا شکریہ ادا فرمایا اور دعا دی۔

حضرت سعدؓ کی تقریر کے بعد آپؐ نے فرمایا: "اللہ کا نام لے کر چل پڑو۔ اس کی رحمتیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اس نے مجھ سے "بڑے گروہ" کا وعدہ کیا ہے۔ بخدا مجھے تو دشمنوں کی قتل گاہیں نظر آ رہی ہیں۔"

پھر آپؐ نے ساتھیوں کو دشمنوں کی قتل گاہیں بتائیں کہ فلاں شخص اس جگہ قتل ہو گا فلاں آدمی اس جگہ دم توڑے گا۔

لوگ سمجھ گئے، اب قافلے سے نہیں، لشکر سے ہاتھ ملانا ہے۔ اب شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے!

ہجرت کا دوسرا سال تھا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ مدینے سے ایک میل پر ایک مقام ہے **بِئرُ اَبِی عِنَبَہ**۔ آپؐ وہاں پہنچے تو فوج کا جائزہ لیا۔ جو کم عمر تھے ان کو واپس کر دیا۔ پھر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ بدھ کی رات میں **رَوْحَاء** پہنچے۔ وہاں پہنچ کر آپؐ نے وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آخری رکوع سے فارغ ہوئے تو کافروں پر لعنت بھیجی۔ پھر فرمایا: "خدایا! ابوجہل اس امت کا فرعون ہے، تو اس فرعون سے امت کو نجات دے"

اسی روز آپؐ نے اصولِ جنگ کے مطابق فوج کو ترتیب دیا۔ مہاجرین کا علم حضرت مصعبؓ بن عمیر کو عطا فرمایا۔ خزرج کا علم حضرت حبابؓ بن منذر کو عنایت فرمایا اور اَوس کا علم بردار حضرت سعدؓ بن معاذ کو بنایا۔

پیارے نبیؐ ساتھیوں کو لے کر آگے بڑھے۔ ان کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی۔ ساتھ میں ستر اونٹ اور تین گھوڑے تھے۔ بدر کے پاس پہنچ کر آپؐ رُک گئے۔ علیؓ، زبیرؓ اور سعدؓ بن ابی وقاص کو بھیجا کہ دشمنوں کی کچھ خبر لائیں۔ ایک پہاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اس پہاڑی کے پاس ایک کنواں ہے۔ وہاں جا کر دیکھو۔ شاید قریش کے بارے میں کچھ معلوم ہو۔''

یہ لوگ وہاں پہنچے تو قریش کے کچھ آدمی پانی پی رہے تھے۔ ان میں دو غلام بھی تھے۔ یہ لوگ سمجھے یہ ابوسفیان کے غلام ہیں۔ فوراً انہیں گرفتار کر لیا۔ بقیہ لوگ فرار ہو گئے۔

یہ لوگ اپنی فوج میں پہنچے اور چلاّئے: ''قریش کے لوگو! مسلمانوں نے تمہارے دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ انہیں اپنی فوج میں بھگا لے گئے۔''

یہ سننا تھا کہ کافروں پر جیسے بجلی گر گئی۔ غصے سے وہ بوکھلا گئے۔ پوری فوج میں ایک کھلبلی مچ گئی — ادھر حضرت علیؓ وغیرہ نے غلاموں کو ساتھ لیا اور پیارے نبیؐ کی خدمت میں لوٹ آئے۔ وہاں پہنچ کر یہ لوگ ان دونوں سے ابوسفیان کا حال پوچھنے لگے۔ وہ دونوں کہتے، ہمیں ابوسفیان کی خبر نہیں۔ ہم تو قریش کو پانی پلانے والے ہیں۔ تو یہ لوگ انہیں مارتے۔ وہ دونوں کہتے ہم ابوسفیان کے غلام ہیں۔ تو انہیں چھوڑ دیتے۔

پیارے نبیؐ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''وہ دونوں سچ بتاتے ہیں تو تم مارتے ہو اور جھوٹ بولتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہو۔ خدا کی قسم یہ دونوں سچ کہہ رہے ہیں۔ یہ دونوں واقعی قریش کے ہیں۔'' پھر آپؐ نے ان دونوں سے فرمایا: ''کچھ ابوسفیان کے بارے میں بتاؤ۔''

دونوں غلام: ''ابوسفیان کو ہم لوگوں نے نہیں دیکھا۔ ان کے بارے میں

ہمیں کچھ نہیں معلوم۔''

پیارے نبیؐ: ''اچھا قریش کہاں ہیں؟''

دونوں غلام: ''بس کچھ ہی دور ہیں۔''

پیارے نبیؐ: ''لشکر میں کتنے سپاہی ہیں؟''

دونوں غلام: ''بخدا وہ تو بہت زیادہ ہیں۔''

پیارے نبیؐ: ''روز کتنے اونٹ نحر کرتے ہیں؟''

دونوں غلام: ''ایک دن نو۔ ایک دن دس۔''

پیارے نبیؐ ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا: دشمن نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہیں۔'' پھر فرمایا: ''مکے نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہاری طرف ڈال دیے ہیں''۔

۵

''کس جگہ ٹھہرنا مناسب رہے گا؟'' پیارے نبیؐ نے ساتھیوں سے مشورہ لیا۔

حبابؓ بن منذر: ''اللہ کے رسول! آگے بڑھ کر پانی پر قبضہ کرلیا جائے۔ وہاں کے بارے میں مجھے خوب واقفیت ہے۔ ایک ایک کنواں میری نظر میں ہے۔ ایک کنواں تو ایسا ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔ پانی بلا کا شیریں ہے۔ وہاں ایک حوض بنا کر پانی سے بھر دیں گے۔ پھر خوب پیئیں گے اور ڈٹ کر لڑیں گے۔ آس پاس کے جتنے کنویں ہیں، سب بے کار کردیں گے۔''

وہ چاہتے تھے پانی کا پہلے سے انتظام کرلیا جائے۔ ہوسکتا ہے دشمن اس پر قبضہ کرلیں اور پریشانی اٹھانی پڑے۔

''حُباب! تمہاری رائے بہت خوب ہے۔'' آپؐ نے حباب کو شاباشی دی۔

آپؐ اسی وقت اٹھے۔ جاں نثار ساتھی بھی ساتھ تھے۔ جا کر آپؐ نے پانی پر قبضہ کر لیا۔ اور حبابؓ نے جو جو کہا اس پر عمل ہوا۔

اللہ کی رحمت شامل حال تھی۔ اسی رات بارش ہوگئی۔ زمین ریتیلی تھی، ساری ریت جم گئی۔ چلنا پھرنا آسان ہو گیا۔ جگہ جگہ پانی روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنا لیے گئے۔ مسلمان خوب نہائے دھوئے اور بالکل تازہ دم ہو گئے۔

قریش کی طرف زمین نرم اور نشیبی تھی۔ پانی جم کر کیچڑ بن گیا۔ چلنا پھرنا وبالِ جان ہو گیا۔ اس طرح مسلمانوں کے لیے یہ بارش رحمت بن گئی اور دشمنوں کے لیے عذاب۔

پیارے نبیؐ نے عمّار بن یاسرؓ اور عبداللہؓ بن مسعود کو دشمنوں کی طرف بھیج دیا۔ دونوں جا کر وہاں گھومے پھرے، حالات کا پتہ چلایا۔ پھر لوٹ آئے۔ آ کر انہوں نے بتایا، دشمنوں کا خوف سے برا حال ہے۔ بارش لگا تار جاری ہے۔

سعدؓ بن معاذ نے کہا: ''ایک ٹیلے پر حضور کے لیے خیمہ نصب کر دیا جائے۔ اس طرح پورا میدان جنگ آپ کی نظروں میں رہے گا۔ ضرورت کے وقت سایہ بھی مل سکے گا۔ آرام کو دل چاہا تو آرام بھی فرما لیں گے۔ دعا و نماز کی خواہش ہوئی تو اس کے لیے بھی بہتر رہے گا۔'' آپ نے یہ رائے پسند فرمائی اور ایک خیمہ نصب ہو گیا۔

پیارے نبیؐ میدانِ جنگ تشریف لے گئے۔ خاص خاص ساتھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے ایک ایک کر کے قریش کے سرداروں کا نام لیا۔ فرمایا: ''فلاں اس جگہ قتل ہوگا فلاں اس جگہ دم توڑے گا'' — جنگ کے بعد دیکھا گیا تو ہر ایک کی لاش اسی جگہ ملی، کوئی اپنی جگہ سے آگے پیچھے نہ تھا۔

پھر آپؐ فوج میں تشریف لائے۔ فوج کی صف بندی کی۔ ایک ماہر جنگ کی طرح اس کو ترتیب دیا۔ پھر میدان جنگ تشریف لائے۔ وہاں پہنچ کر ایک تقریر کی۔ تقریر بہت ولولہ انگیز تھی۔ حمد وثنا کے بعد فرمایا:

''پیارے بھائیو! میں تمہیں ان چیزوں پر اُبھارتا ہوں جن پر اللہ نے اُبھارا ہے اور ان چیزوں سے روکتا ہوں جن سے اللہ نے روکا ہے۔ اللہ بڑی شان والا ہے۔ حق کا حکم دیتا ہے۔ سچائی کو پسند کرتا ہے۔ بھلائی کرنے والوں کو اونچا رتبہ دیتا ہے۔ اسی سے وہ یاد کیے جاتے ہیں۔ اسی سے ان کے درجے بڑھتے ہیں۔

اس وقت تم حق کی منزل میں پہنچ چکے ہو۔ جہاں وہی کام مقبول ہوتا ہے جو صرف اللہ کے لیے کیا جائے۔ اس موقع پر صبر سے کام لو کیونکہ یہ جنگ کا موقع ہے۔ جنگ کے موقع پر صبر سے اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ پریشانی اور بےچینی دور ہو جاتی ہے۔ آخرت میں بھی یہ نجات کا ذریعہ ہے۔

تمہارے اندر اللہ کا نبی موجود ہے، جو تمہیں برائیوں سے ہوشیار کرتا ہے۔ بھلائیوں کا حکم دیتا ہے۔ دیکھو، آج تم سے کوئی ایسی حرکت نہ ہونے پائے جس سے اللہ بیزار ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ، خود فرماتا ہے:

لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ

''تمہاری اپنوں سے جو بیزاری ہے اللہ کی بیزاری اس سے بڑھ کر ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کتاب دی ہے اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔ تمہیں جو نشانیاں دکھائی ہیں ان پر دھیان رکھو۔ ذلّت کے بعد تم کو جس سے عزت ملی ہے اس سے غافل نہ ہو۔ اس سے اللہ خوش ہوگا۔ آج اللہ تم کو دیکھنا چاہتا ہے۔ اس موقع پر تم اخلاص اور جاں بازی کا ثبوت دو۔ خدا کی رحمت تم پر سایہ کرے گی۔ اس کی مغفرت تمہیں اپنی آغوش میں لے لے گی۔ اس کا وعدہ پورا ہونے والا

ہے۔اس کی باتیں بالکل سچی ہیں۔اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔ہم اور تم سب اسی کے دم سے ہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا۔ ساری دنیا اسی کے حکم سے قائم ہے۔ وہی ہمارا سہارا ہے۔اسی کو ہم نے مضبوطی سے پکڑا ہے۔اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔ وہی ہماری پناہ گاہ ہے۔ اللہ میری اور تم مسلمانوں کی مغفرت کرے۔''

قریش نے عمیر بن وہب کو بھیجا کہ مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ لگائے اور ان کے حالات معلوم کرے۔ وہ چھپ کر گیا۔ گھوم پھر کر جائزہ لیا۔ پھر آکر اس نے قریش سے کہا:

''مسلمان تین سو کے قریب ہیں۔ ساتھ میں ستر اونٹ اور تین گھوڑے ہیں۔''

پھر اس نے کہا: ''قریشی بھائیو! مصیبتیں موت لاتی ہیں۔ مدینے کے اونٹ موت کی سواریاں ہیں۔ سن لو، تم کو ایسے لوگوں سے پالا پڑا ہے جو تلواروں کی گود میں پلے ہیں۔ دیکھتے نہیں؟ وہ چپ چاپ رہتے ہیں۔ کچھ بولتے نہیں لیکن سانپوں کی طرح ڈستے ہیں۔ بخدا میں تو سمجھتا ہوں ان میں سے جو بھی مرے گا ہم میں سے ایک کو مار کے مرے گا۔ بتاؤ اگر اتنے ہی آدمی ہم میں سے مر گئے تو زندگی کا کیا لطف رہ جائے گا؟ اس لیے ابھی سے سوچ لو۔''

قریش کو عمیر کی باتوں پر یقین نہ آیا۔ انہوں نے دوسرے آدمی کو بھیجا۔ وہ چھپ چھپا کر اسلامی فوج کے قریب پہنچا۔ گھوڑے پر بیٹھ کر چاروں طرف چکر لگایا۔ پھر اس نے آکر کہا:

''خدا کی قسم وہ لوگ کوئی ایسے طاقتور نہیں۔ تعداد میں وہ ہم سے کم ہیں۔ ہتھیاروں کے لحاظ سے وہ بہت پیچھے ہیں لیکن ایک بات ہے، وہ مرنے کے

لیے آئے ہیں۔ وہ اب لوٹ کر گھر جانا نہیں چاہتے۔ تلوار ہی ان کی کل طاقت ہے۔ تلواریں ہی ان کی پناہ گاہ ہیں۔ اب تم خود سوچ لو۔''

یہ باتیں سن کر کچھ لوگ کانپ اٹھے۔ حوصلے ان کے پست ہو گئے۔ اب انہوں نے لوٹنے کا ارادہ کر لیا۔ کچھ اور لوگوں کو بھی سمجھایا۔ وہ لوگ بھی تیار ہو گئے۔ پھر یہ لوگ مکے لوٹ آئے۔

قریش کی فوج سامنے آئی۔ ہر ہر سپاہی سر سے پیر تک لوہے میں غرق تھا۔ یہ عجیب منظر تھا۔ اس وقت آپؐ پر انتہائی خضوع کا عالم طاری تھا۔ آپؐ دونوں ہاتھ پھیلا کر اپنے رب سے گڑگڑا رہے تھے:

''اے اللہ! یہ قریش کے لوگ ہیں۔ غرور سے اکڑتے ہوئے تجھ سے لڑنے آئے ہیں۔ تیرے دین کی مخالفت پر کمر کسے ہوئے ہیں۔ تیرے رسول کو ناکام کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اے اللہ! تو نے مدد کا وعدہ کیا ہے۔ اس وعدے کو پورا کر۔ اے اللہ! تو نے مجھ سے ثابت قدم رہنے کے لیے کہا ہے، اور ''بڑے گروہ'' کا وعدہ کیا ہے۔ بے شک تو وعدے پورے کرنے والا ہے۔''

بے خودی کا یہ عالم تھا کہ چادر کاندھوں سے گر گر پڑتی اور آپؐ کو خبر نہ ہوتی۔ کبھی سجدے میں گر پڑتے اور فرماتے: ''خدایا اگر آج یہ چند جانیں مٹ گئیں تو قیامت تک تیری پرستش نہ ہوگی۔''

ایک طرف پیارے نبیؐ کا یہ انداز تھا۔ دوسری طرف اللہ آپؐ کی مدد میں مصروف تھا اور حکمت کے ساتھ آپؐ کی ہمت بڑھا رہا تھا۔ ابھی آپؐ راستے میں تھے۔ دشمنوں کی تعداد سے بے خبر تھے۔ اللہ نے دشمن کی فوج کو خواب میں دکھایا۔ خواب سے اندازہ ہوا کہ دشمن تھوڑے ہیں۔ اس سے آپؐ کا حوصلہ بڑھا۔ دل کو اطمینان نصیب ہوا۔ مسلمانوں نے سنا تو ان کی بھی ہمت بڑھی اور وہ بے

کھٹک بڑھتے چلے گئے۔ پھر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو کافر مسلمانوں کو کم نظر آئے اور مسلمان کافروں کو تھوڑے دکھائی دیے۔ اس طرح دونوں کے دل بڑھے۔ دونوں میدانِ جنگ میں اتر آئے۔ جنگ چھڑی تو مسلمان تو کافروں کو بہت نظر آنے لگے۔ لیکن کافر مسلمانوں کو کم ہی دکھائی دیے۔ اس سے کافروں کے حوصلے تو پست ہو گئے۔ وہ خوف اور گھبراہٹ سے بدحال ہو گئے۔ لیکن مسلمانوں کی ہمت اور بڑھ گئی وہ بڑھ بڑھ کر کافروں کو مارنے لگے۔ ذیل کی آیتوں میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے:

اِذْ یُرِیْکَھُمُ اللّٰہُ فِیْ مَنَامِکَ قَلِیْلاً ط وَلَوْ اَرٰیکَھُمْ کَثِیْراً لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ سَلَّمَ ط اِنَّہٗ عَلِیْمٌ م بِذَاتِ الصُّدُوْرِ. وَاِذْ یُرِیْکُمُوْھُمْ اِذِالْتَقَیْتُمْ فِیْ اَعْیُنِکُمْ قَلِیْلاً وَّ یُقَلِّلُکُمْ فِیْ اَعْیُنِھِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰہُ اَمْراً کَانَ مَفْعُوْلاً ط وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ.

(سورہ انفال: ۴۳-۴۴)

یاد کرو جب اللہ تمہیں خواب میں انہیں تھوڑا دکھا رہا تھا اور اگر کہیں وہ انہیں زیادہ دکھا دیتا تو ضرور تم ہمت ہار بیٹھتے اور اس لڑائی کے معاملے میں باہم جھگڑنے لگ جاتے لیکن اللہ نے اس سے بچا لیا۔ بلاشبہ وہ سینوں کا حال جانتا ہے۔

اور یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو اللہ انہیں تمہاری نگاہوں میں تھوڑا دکھا رہا تھا اور ان کی نگاہوں میں تمہیں کم کر کے دکھا رہا تھا تاکہ جو بات ہونی تھی اللہ اسے پورا کر دے اور سارے معاملے اللہ ہی کی طرف پلٹتے ہیں۔)

قریش کے کچھ لوگ بڑھے کہ مسلمانوں کے حوض سے پانی پئیں۔ مسلمانوں نے انہیں بھگانا چاہا۔ پیارے نبیؐ نے فرمایا: ''پی لینے دو۔ جو بھی پی لے گا وہ زندہ

بچ کر نہ جا سکے گا۔"

ابوجہل نے عامر بن حضرمی کو (جسے اپنے بھائی کے خون کا دعویٰ تھا) للکارا:
"خون کا بدلہ سامنے ہے۔ کھڑے ہو کر قوم سے دُہائی دو۔" عامر عرب کے دستور کے مطابق ننگا ہو گیا اور چلآیا:

وَاعَمْرَاهُ وَاعَمْرَاه - ہائے عمرو، ہائے عمرو

اس سے تمام فوج میں آگ لگ گئی اور جنگ شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے عامر بن حضرمی آگے بڑھا۔ مقابلے میں حضرت عمرؓ کے غلام حضرت مہجعؓ آئے۔ عمر بن حضرمی نے بڑھ کر انہیں قتل کر دیا۔ اس طرح غزوۂ بدر میں سب سے پہلے مہجعؓ کو شہادت نصیب ہوئی۔

اس کے بعد عتبہ سینہ تان کر لشکر سے باہر آیا۔ یہی لشکر کا سردار تھا۔ ساتھ میں اس کا بھائی شیبہ اور اس کا بیٹا ولید بھی آگے بڑھا۔ ادھر مقابے میں تین انصاری جوان نکلے۔ پیارے نبیؐ کو یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوئی۔ آپؐ نے سوچا یہ کفرو اسلام کی پہلی جنگ ہے۔ اس جنگ میں پہلے انصار جان کی بازی لگائیں، یہ مناسب نہیں۔ پہلے مہاجرین کو جان ہتھیلی پر رکھ کر آگے بڑھنا چاہیے، کہ وہ اپنی قوم اور رشتے کے لوگ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

"اے ہاشم کے فرزندو! یہ لوگ باطل کے نام پر اکٹھا ہوئے ہیں۔ یہ لوگ حق کا نور مٹا دینا چاہتے ہیں۔ اٹھو اور اس حق کے نام پر جان دو جسے تمہارا نبی لے کر آیا ہے۔"

یہ سن کر علیؓ، حمزہؓ اور عبیدہؓ میدان میں آئے۔ عتبہ نے اپنے بیٹے سے کہا: "ولید! آگے بڑھو۔ ولید مقابلے میں آیا۔ حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر اسے قتل کر دیا۔ پھر خود آگے بڑھا۔ حضرت حمزہؓ نے آگے بڑھ کر اسے قتل کر دیا۔ پھر

شیبہ آگے بڑھا۔ مقابلے میں حضرت عبیدہؓ آئے۔ شیبہ نے انہیں زخمی کر دیا۔ ان کی پنڈلی کٹ کر الگ ہوگئی۔ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ نے یہ حال دیکھا تو فوراً آگے بڑھے اور شیبہ کو ٹھنڈا کر دیا۔ پھر حضرت عبیدہؓ کو کندھے پر اٹھا کر پیارے نبیﷺ کی خدمت میں لائے۔ کچھ دنوں بعد حضرت عبیدہؓ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اب عام حملہ شروع ہوگیا۔ پیارے نبیؐ نے ساتھیوں کو للکارا:

''بڑھو! جنت کی طرف، جس کی کشادگی زمین و آسمان کے برابر ہے۔''

عمیرؓ بن حمام نے جنت کی خوش خبری سنی تو خوشی سے اچھلنے لگے۔ کہا: ''ہائیں ہائیں۔ جنت میں پہنچنے میں بس اتنی ہی دیر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں۔''

اس وقت وہ کھجوریں کھا رہے تھے۔ جنت کی خوشبو پالینے کے بعد ان کھجوروں میں کیا مزہ مل سکتا تھا۔ فوراً وہ کھجوریں پھینکیں اور دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ کچھ دیر جاں بازی سے لڑتے رہے پھر شہید ہوگئے۔

جنگ زوروں پر تھی۔ دونوں طرف سے حملے ہو رہے تھے۔ پیارے نبیؐ نے ایک مٹھی ریت لی اور دشمن کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا:

شَاهَتِ الْوُجُوْهُ—شَاهَتِ الْوُجُوْهُ

''چہرے بگڑ جائیں''۔ ''چہرے بگڑ جائیں''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھا۔ خدا کی قدرت تھی۔ یہ مٹھی بھر ریت عذاب بن کر پوری فوج میں پھیل گئی اور دشمنوں کی آنکھوں میں اٹ گئی۔ دشمن اپنی آنکھیں ملنے لگے۔ مسلمان پورے زور و شور سے ان پر ٹوٹ پڑے اور قتل کا بازار گرم کر دیا۔ آخر کار دشمنوں کی ہار ہوئی۔ مسلمانوں کی جیت ہوئی۔ حق کی فتح ہوئی۔ باطل کی شکست ہوئی۔

ابھی جنگ جاری ہی تھی۔ عبدالاسود کے بیٹے اسود نے کہا۔ یہ قبیلہ مخزوم کا

آدمی تھا۔ خدا کی قسم میں تو مسلمانوں کے حوض کا پانی پیوں گا یا کم از کم اسے بیکار کردوں گا ورنہ مجھ پر جینا حرام۔ وہ تیزی سے لپکا اور حوض کے قریب آ گیا۔ حضرت حمزہؓ پاس ہی کھڑے تھے۔ بجلی کی طرح جھپٹے اور تلوار کا وار کیا۔ وار سخت تھا۔ ایک پیر کٹ کر الگ ہو گیا۔ اب وہ گھسٹ کر حوض میں جا پڑا۔ دوسرے پیر سے اس کو توڑ بھی دیا۔ اس کا پانی بھی پیا۔ حمزہؓ پھر لپکے۔ بڑھ کر ایک اور وار کیا۔ اب وہ بالکل ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

جنگ ختم ہوئی تو پیارے نبیؐ نے فرمایا: ''دیکھو، ابو جہل کہاں ہے۔ وہ بھی کہیں پڑا ہو گا۔'' عبداللہ بن مسعودؓ اس کی تلاش میں نکلے۔ دیکھا تو وہ ایک جگہ پڑا جاں کنی کے عالم میں تھا۔ عبداللہؓ بن مسعود نے اس کی گردن پر پیر رکھا اور سر الگ کر کے خدمتِ اقدس میں حاضر کر دیا۔

اسی طرح کفر و شرک کے بہت سے علمبردار مارے گئے اور قریش کے بہت سے سرداروں کے سر قلم ہو گئے۔ قتل ہونے والے سردار ستر؀ تھے اور قید ہونے والے بھی ستر؀۔

مسلمانوں میں چودہ شہید ہوئے۔ چھ مہاجر تھے اور آٹھ انصاری۔ مارے جانے والے دشمنوں کی تعداد زیادہ تھی۔ ہر ایک کو الگ الگ دفن کرنا مشکل تھا۔ ایک چوڑا کنواں تھا۔ تمام لاشیں آپؐ نے اسی میں ڈلوا دیں۔ پھر اسے برابر کر دیا گیا۔ آپؐ نے ان میں سے ہر ایک کا نام لے لے کر پکارا اور فرمایا:

''کتنے برے رشتے دار نکلے تم! میں نے تو اپنے رب کا وعدہ سچا پایا۔ تم نے بھی اپنے رب کے وعدوں کو سچا پایا؟ تم نے مجھے جھوٹا سمجھا۔ اوروں نے مجھے سچا جانا۔ تم نے مجھے بے وطن کر دیا۔ دوسروں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے مجھ سے جنگ کی۔ غیروں نے میری مدد کی۔''

ساتھیوں نے عرض کیا: ''اللہ کے رسول! جو لوگ مر چکے ہیں، اُن سے آپ فرمارہے ہیں! یہ لوگ سنتے تو ہیں نہیں۔''

فرمایا: ''ان کو اب معلوم ہو گیا رب کا وعدہ سچا تھا۔'' پھر ابو جہل کی لاش کی طرف متوجہ ہوئے۔ فرمایا:

''یہ تو فرعون سے بھی زیادہ سرکش نکلا۔ فرعون کو اپنی ہلاکت کا یقین ہوا تو اُس نے اللہ کو یاد کیا۔ اس کو ہلاکت کا یقین ہوا تو اس نے لات وعزّٰی کو پکارا۔''

لڑائی ختم ہوئی تو پیارے نبیؐ نے زیدؓ بن حارثہ اور عبداللہؓ بن رواحہ کو مدینے دوڑایا کہ لوگوں کو فتح کی خوش خبری سنائیں۔ فتح کی خبر مسلمانوں کے لیے ایک نئی زندگی کا پیام تھی۔ خوشی سے ان کے چہرے کھل اٹھے۔ لیکن منافق اور یہود؟ وہ غم سے پیلے پڑ گئے۔

۶

مالِ غنیمت تقسیم ہونے کا وقت آیا تو مسلمانوں میں اختلاف ہو گیا۔ ان میں آپس میں کچھ باتیں ہونے لگیں:

جوان: ''مالِ غنیمت کے حقدار تو ہم ہیں۔ ہم نے ہی دشمن کو ہرایا ہے۔ ہم نے ہی جان پر کھیل کر میدان جیتا ہے۔''

بوڑھے: ''سچ پوچھو، تو اس کے حقدار ہم ہیں۔ ہم نے تمہاری حفاظت کی ہے، ہم نے ہی پیچھے سے دشمن کو روکا ہے۔''

سعدؓ بن معاذ: ''اللہ کے رسول! کیا شہسواروں کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا کمزوروں کا؟''

پیارے نبیؐ: ''ارے بھئی! کمزوروں کی ہی وجہ سے تو اللہ کی مدد آتی ہے۔''

اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام آ پہنچے۔ ساتھ میں خدا کا یہ پیغام بھی لائے:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ .

(سورۂ انفال:۱)

''یہ لوگ تم سے مالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو یہ حصے اللہ اور اس کے رسول کے ہیں۔ تو تم اللہ کی نافرمانی سے بچو، اس کی ناخوشی سے ڈرو، آپس کے تعلقات ٹھیک رکھو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔''

پیارے نبیؐ کی طرف سے اعلان ہوا: جس نے کسی کو مارا ہے وہ اس کے سامان کا مالک ہے۔ جس نے کسی کو قید کیا ہے، وہ قیدی اسی کا ہے۔ جو کچھ میدان میں ملا یا، بغیر لڑائی کے ہاتھ آیا، وہ سب کا ہے۔

یہ سن کر سب نے سر جھکا دیا او مالِ غنیمت کو پیارے نبیؐ پر چھوڑ دیا کہ جیسے چاہیں، خدا کی ہدایت کے مطابق تقسیم کریں۔

''قیدیوں کا کیا ہوگا؟'' پیارے نبیؐ نے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔

حضرت عمرؓ: کفر اور سرکشی کے جرم میں انہیں قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابو بکرؓ: ''اللہ کے رسول! یہ آپ کے اپنے ہی بھائی بند ہیں۔ آج اللہ نے انہیں آپ کے بس میں کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں انہیں مارا نہ جائے، ان سے فدیہ لے لیا جائے۔ اس سے آئندہ جنگ کے لیے بھی کچھ سامان ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے اللہ انہیں ہدایت دے دے۔ کل یہی آپ کے دست و بازو بن جائیں۔''

پیارے نبیؐ نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے پسند فرمائی۔ جو لوگ فدیہ دے سکتے

تھے ان سے فدیہ لیا گیا۔ جو لوگ غریب اور نادار تھے لیکن پڑھے لکھے تھے ان کے ذمہ تعلیم کا کام کیا گیا کہ مدینے کے دس دس لڑکوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں۔ جو لوگ جاہل تھے انہیں ویسے ہی چھوڑ دیا گیا۔

پیارے نبیؐ کامیاب وفتحیاب ہو کر مدینہ لوٹے۔ جذباتِ شکر سے آپؐ کا سینہ لبریز تھا۔ شہر میں وداع کی گھاٹی سے داخل ہوئے۔

غزوۂ بدر کا عبرت ناک انجام سامنے آیا تو مشرکوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ منافقین کے دل سہم گئے۔ مدینے کے یہود مسلمانوں سے دَبنے لگے۔ بہت سے کٹّر دشمن اسلام بھی لے آئے۔ مکے میں ایک ماہ تک گھر گھر ماتم رہا۔ کتنی ہی عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ کتنی ہی مائیں سوگوار ہو گئیں۔ اس کے غم میں انہوں نے اپنے بال کٹوا ڈالے۔

(۷)

قریش کی اتنی جانیں ضائع ہوئیں۔ نہ جانے کتنی دولت مٹی میں مل گئی۔ شکست سے ان کی عزت وشوکت پر بھی آنچ آئی۔ اس کا قریش کو سخت صدمہ تھا۔

عمیر بن وہب اسلام کا ایک کٹّر دشمن تھا۔ وہ اور صفوان بن اُمیہ حجر میں بیٹھے بدر کا ماتم کر رہے تھے۔ صفوان نے کہا: ''خدا کی قسم اب زندگی میں کوئی مزہ نہیں رہا۔ زندگی اک عذاب ہے گویا!''

عُمیر: ''سچ کہتے ہو۔ میں قرض سے دبا ہوا ہوں۔ بچوں کا خیال بھی ستا رہا ہے ورنہ میں تو محمدؐ کو مار کر دم لیتا۔ میرا بیٹا بھی تو وہیں قید ہے۔''

صفوان: ''تم قرض کی فکر نہ کرو۔ بچوں سے بھی بے غم ہو جاؤ۔ میں ان کی

پرورش کا ذمے دار ہوں۔

عمیر مدینے کے لیے روانہ ہو گیا۔ تلوار گردن میں حمائل تھی۔ وہاں پہنچ کر وہ مسجد میں داخل ہوا کہ اپنا کام کرے۔

حضرت عمرؓ کی اس پر نگاہ پڑ گئی۔ انہوں نے تیور بھانپ لیے۔ فوراً گلا دبائے پیارے نبیﷺ کی خدمت میں اسے حاضر کر دیا۔

''عُمیر! کیا ارادہ ہے؟! کہو کیسے آئے؟'' پیارے نبیﷺ نے سوال کیا۔

عمیر: ''بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں۔ خدارا مجھ پر اور میرے بیٹے پر رحم کیجیے۔''

پیارے نبیﷺ: ''یہاں تلوار کا کیا کام ہے؟ تلوار کیوں چمک رہی ہے؟!''

عمیر: ''بُرا ہو ان تلواروں کا۔ آخر بدر میں یہ کس کام آئیں؟ آنے لگا تو اس کی طرف ذہن نہیں گیا حالانکہ وہ میری گردن میں تھی۔''

پیارے نبیﷺ: ''عُمیر: سچ سچ بتاؤ۔ کیوں آئے ہو؟ جھوٹ نہ بولو۔ جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ؟''

عُمیر: ''میں بیٹے کے لیے آیا ہوں۔ یقین مانیے۔ میں بیٹے ہی کے لیے آیا ہوں۔''

پیارے نبیﷺ: ''حجر میں صفوان سے کیا بات طے ہوئی ہے؟''

عمیر سناٹے میں آ گیا: ''کیا بات طے ہوئی ہے؟''

خوف اور گھبراہٹ سے اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

پیارے نبیﷺ: ''تم نے اس سے میرے قتل کا عہد کیا ہے اس شرط پر کہ وہ تمہارا قرض ادا کر دے اور تمہارے بچوں کا ذمہ لے لے۔ سن لو، اللہ یہ ہونے نہ دے گا۔''

عمیرؓ: ''میں گواہی دیتا ہوں آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ کے سچے ہونے میں اب مجھے کوئی شبہہ نہیں۔''

اب عمیرؓ مسلمان تھے۔ پیارے نبیؐ نے ساتھیوں سے فرمایا: ''اپنے بھائی کو قرآن پڑھاؤ اور اس کے قیدی کو آزاد کردو۔''

عمیرؓ لوٹ کر مکے آئے۔ جو لوگ پیارے نبیؐ کے قتل کی خبر سننے کے لیے بے چین تھے اب انہوں نے عمیرؓ کے اسلام کی خبر سنی۔ مکے پہنچ کر عمیرؓ اسلام پھیلانے میں لگ گئے۔ لوگوں کو پیارے نبی کی پیروی پر ابھارنے لگے بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر اسلام بھی لائے۔

☆-----☆-----☆

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۱)

خونِ دل و جگر سے

ہے سَرمایۂ حیات!

- قریش کی جنگی تیاریاں
- غزوۂ سویق کا واقعہ
- بنی قینقاع کی شرانگیزیاں
- بنی قینقاع کی جلاوطنی
- لشکر قریش کی روانگی
- صحابہ کا غیر معمولی جوش وخروش
- اسلامی فوج کی روانگی
- عبداللہ بن ابی کی غداری
- میدان احد میں فوجوں کی صف آرائی
- جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے
- دشمن کی پس پائی
- جنگ کا نقشہ بدل گیا
- صحابہ کی جاں فروشی
- جنگ کا انجام
- مشرکین کی بہیمیت اور سفاکی

①

قریش کی آنکھوں کی نیند اُڑ گئی۔ ان کے دل کا چین جاتا رہا جب غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی جیت ہوئی۔ حق کا سر اونچا رہا۔ اسلام کا پلاّ بھاری رہا اور پھر سارے عرب میں اس کا ڈنکا بجنے لگا۔ مسلمانوں کے دل جس قدر مسرت سے لبریز تھے۔ مشرکین خوف اور مایوسی سے اسی قدر لرز رہے تھے۔ یہود اور منافقین بھی بری طرح مرعوب ہو کر رہ گئے تھے۔

قریش پورے ایک ماہ روتے دھوتے رہے۔ جو سردار مارے گئے تھے ان کا ماتم کرتے رہے۔ پھر ماتم ختم ہو گیا۔ رونا دھونا بند ہو گیا۔ یہ رونا دھونا کیوں بند ہو گیا؟ کیا انہوں نے اپنے عزیزوں اور لیڈروں پر صبر کر لیا؟ یہ ماتم کیوں ختم ہوا؟ کیا اس لیے کہ انہوں نے تقدیر کے آگے سر جھکا دیا؟!

نہیں یہ بات نہیں تھی۔ قریش ایسے نہ تھے کہ اپنے سرداروں پر صبر کر لیتے اور خاموش ہو رہتے۔ ان کے سینے ابھی سلگ رہے تھے۔ ان کے دل ابھی تڑپ رہے تھے۔ البتہ اب ماتم کا شور نہ تھا۔ اب آنسوؤں کا طوفان نہ تھا۔ اب بس خون کا بدلہ لینے کی دُھن تھی۔ اب بس انتقام کی تیاریاں تھیں۔

عورتوں نے اپنے سر کے بال کٹوا ڈالے۔ عطر اپنے اوپر حرام کر لیا۔ نذر مان لی

خوشبو نہیں لگائیں گی، زینت کی چیزوں سے دور رہیں گی جب تک خون کا بدلہ نہ دیکھ لیں گی۔

مردوں نے عہد کر لیا چین سے نہ بیٹھیں گے۔ آرام کی نیند نہیں سوئیں گے۔ جب تک بھرپور بدلہ نہ لے لیں گے۔ ابوسفیان کچھ اور آگے رہا۔ اس نے قسم کھالی، نہائیں گے نہیں جب تک محمد کو نیچا نہ دکھالیں گے۔

اس طرح قریش کے آنسو تھم گئے۔ رونے پیٹنے کی آوازیں بند ہو گئیں۔ انہوں نے عزم کر لیا محمدؐ سے جنگ کریں گے۔ خون کی آگ خون سے بجھائیں گے۔ اب قریش جنگ کی تیاریوں میں لگ گئے۔ جنگ جیتنے کے لیے جو جو چیزیں درکار تھیں، ان کا انتظام کرنے لگے تاکہ جلد سے جلد سینے کی آگ بجھے۔ بے چین دل کو چین نصیب ہو۔

جنگ سے پہلے جو تجارتی قافلہ شام سے آیا تھا، اس کا سارا سامان دارالندوہ میں روک لیا گیا تھا۔ وہ جوں کا توں محفوظ تھا۔ ابھی حصے بخرے نہیں ہوئے تھے۔ قریش نے آپس میں طے کیا، حصہ داروں کو بس رأس المال (اصل سرمایہ) واپس کیا جائے، اور جو نفع ہو اس کو فوج پر خرچ کیا جائے۔ جنگی تیاریوں میں لگایا جائے۔

یہ بات تو سب کے دل کی بات تھی۔ پیش ہونے سے پہلے ہی منظور تھی۔ چٹ پٹ سامان فروخت ہوا۔ چیزیں بہت قیمتی تھیں۔ کافی نفع ہوا۔ حصہ داروں کا اصل سرمایہ واپس کیا گیا۔ بقیہ جو نفع ہوا، جنگ کی مد میں داخل ہو گیا اور زور و شور سے تیاریاں شروع ہو گئیں۔

بدر میں ابوسفیان کا بیٹا بھی قتل ہو گیا تھا۔ اس کا ابوسفیان کو بہت صدمہ تھا۔ قریش کو بدر میں مسلمانوں کے زور کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس بار وہ چاہتے تھے بہت بڑے لشکر کے ساتھ مقابلہ کریں۔ وہ لشکر ہتھیاروں سے بھی خوب سجا ہو۔ یہ

کام وقت کے وقت ہونے کا تو تھا نہیں۔ بہر حال کچھ دن لگتے۔ابوسفیان غم و غصہ سے بدحواس تھا۔اس میں انتظار کی تاب کہاں تھی۔ مکے میں دوسوآدمیوں کو ساتھ لیا اور محمدؐ سے انتقام لینے کے لیے چل پڑا۔مدینے سے کچھ فاصلے پر عُریض نامی ایک مقام ہے۔ وہاں پہنچا تو ایک انصاری اپنی کھیتی میں لگے ہوئے تھے۔ساتھ میں ایک مزدور بھی تھا۔ان دونوں کواس نے وہیں تہ تیغ کیا۔ دو گھروں میں آگ لگادی۔ کچھ کھجور کے درخت تھے،ان کو بھی جلادیا۔ان باتوں سے اس کے نزدیک قسم پوری ہوگئی۔وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔

پیارے نبیؐ کو حادثے کی خبر ملی تو ابوسفیان کا پیچھا کیا لیکن بھاگنے والوں نے ہوشیاری کی۔ جان خطرے میں دیکھی تو اونٹوں کا بوجھ ہلکا کرنے لگے۔ساتھ میں ستّو کی بوریاں تھیں ان کو نیچے پھینکنے لگے۔اس طرح کہیں جاکر ان کی جان چھوٹی اور وہ صحیح سالم واپس آگئے۔عربی میں ستوکوسویق کہتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ واقعہ غزوۂ سُویق کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ ذی الحجہ ۲ ہجری میں پیش آیا۔

مدینے میں یہودیوں کا ایک بہت بڑا قبیلہ آباد تھا۔ یہ بنی قینقاع کے نام سے مشہور تھا۔ جہاں یہ آباد تھا، وہیں اس کی تجارتی منڈی بھی تھی۔سناری کا کام بھی اس قبیلے میں ہوتا تھا۔یہودیوں کے بقیہ قبیلے مدینہ کے باہر تھے۔کچھ تو خیبر میں تھے،کچھ دوسری جگہوں پر۔آج کل پیارے نبیؐ بنی قینقاع میں اُلجھے ہوئے تھے۔

بنی قینقاع کے یہودی پیارے نبیؐ کے حلیف تھے۔آپؐ سے صلح و دوستی کا معاہدہ کر چکے تھے۔ پھر بھی اسلام کی ترقی دیکھ کر جلتے۔سامنے تو دوستی ومحبت کا دم بھرتے۔ پیٹھ پیچھے اسلام کا گلا گھونٹنے کی سازش کرتے۔مشرکوں سے بھی ان کا سلام و پیام جاری تھا۔بدر میں مسلمانوں کی فتح ہوئی تو ان کے لیے یہ دورُخی

پالیسی دُشوار ہوگئی۔ اب ان کے سینوں میں غیرت کی آگ سلگنے لگی۔ دل حسد سے پکنے لگے۔

ان کی عقلیں حیران تھیں! محمدؐ نے ہم سے معاہدہ کرلیا۔ صلح و دوستی سے ہمیں ہموار کرلیا۔ پھر دیکھتے دیکھتے اپنے دین کو اتنا چمکا دیا۔ گھر گھر اسلام کا چراغ روشن ہوگیا۔ یہی نہیں۔ وہ ہتھیار سج کر میدان میں آتے ہیں۔ مشرکوں اور ظالموں سے ٹکر بھی لیتے ہیں اور اللہ اُن کو فتح مند بھی کرتا ہے۔ اس طرح عرب قبیلوں پر ان کی دھاک بیٹھ جاتی ہے۔ سارے لوگ ان سے لرزنے لگتے ہیں۔

یہودی بھلا اس کو ٹھنڈی آنکھوں کیسے دیکھ سکتے تھے۔ یہ تو ان کے لیے خطرے کی گھنٹی تھی۔ اب وہ کُھل کر سامنے آگئے۔ ریا اور نفاق کی نقاب انہوں نے اتار پھینکی۔ اب وہ مسلمانوں کے لیے ننگی تلوار بن گئے۔ کھلے بندوں ان کی مخالفت کرنے لگے۔ لوگوں کو ان کے خلاف جوش دلاتے۔ اشعار میں ان کی ہجو کرتے۔ کڑوی کسیلی باتوں سے ان کا دل چھیدتے۔

غرض انہوں نے معاہدے کی کوئی پروا نہیں کی۔ صلح کا کوئی احترام نہ کیا۔ پیارے نبی نے یہ رنگ دیکھا تو ان کو جمع کیا۔ نہایت محبت اور دلسوزی کے ساتھ انہیں خبردار کیا:

''یہودی بھائیو! بخدا تمہیں یقین ہے میں اللہ کا رسول ہوں۔ اسلام میں آ جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ بدر والوں کی طرح تمہارا بھی عبرتناک انجام ہو۔''

لیکن وہ لوگ تو طاقت کے نشے میں تھے۔ آپ کی اس تنبیہ پر کوئی دھیان نہ دیا۔ اکڑتے ہوئے جواب دیا:

''محمد! دھوکا نہ کھانا۔ وہ ناتجربہ کار لوگ تھے، جنہیں ہرا دینے پر تمہیں ناز ہے۔ ہم تلواروں کے دَھنی ہیں۔ ہم میدانِ جنگ کے شیر ہیں۔ ہم سے معاملہ

پڑا تو ہم دکھا دیں گے لڑائی کس کا نام ہے؟''

یہ عہد شکنی اور دشمنی کا کھلا کھلا اعلان تھا۔ یہ مسلم طاقت کے لیے ایک زبردست چیلنج تھا۔ اب مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات بگڑ گئے۔ پیارے نبیؐ نے مجبور ہو کر جنگ کا فیصلہ کیا۔ ان کے گھروں کو گھیر لینے کا حکم دیا۔ اشارے کی دیر تھی۔ مسلمانوں نے ہر طرف سے انہیں گھیر لیا۔ عاجز ہو کر انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

مسلمانوں نے کہا: ''انہیں قتل کیا جائے۔'' عبداللہ بن اُبیّ اُن کا حلیف تھا۔ یہ منافقوں کا سردار تھا۔ یہ ان کے لیے سفارش کرنے لگا: ''اللہ کے رسول! انہیں قتل نہ کرائیے یہاں سے جلاوطن کر دیجئے'' اس کے شدید اصرار پر آپؐ راضی ہو گئے۔ فرمایا: ''تین دن کے اندر اندر یہ مدینہ خالی کر دیں۔''

یہ یہودی مدینے سے چلے گئے۔ ساتھ میں بال بچوں کو بھی لے گئے۔ جتنا مال و سامان لے جا سکتے تھے، وہ بھی لے گئے۔ شام کے علاقے میں اَذْرَعات ایک مقام ہے۔ وہاں جا کر یہ بس گئے۔ یہ سات سو آدمی تھے۔ ان میں تین سو زِرہ پوش تھے۔

بنی قَینقاع جلاوطن ہوئے تو اس کا بڑا اچھا اثر پڑا۔ لوگوں کے دلوں پر مسلمانوں کا دبدبہ بیٹھ گیا۔ انہوں نے سوچا: مسلمانوں کے حکم سے اتنا بڑا قبیلہ جلاوطن ہو گیا۔ وہ بھی اتنا دلیر اور بہادر قبیلہ! معلوم ہوتا ہے مسلمانوں کا زور بہت بڑھ گیا۔ ان کی طاقت کا اب کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ آس پاس بنی نضیر اور بنی قُریظہ کے قبیلے آباد تھے۔ یہ دونوں قبیلے بھی یہودیوں کے تھے۔ یہ دونوں قبیلے بھی مسلمانوں سے سہم گئے۔ عرب کے دوسرے قبیلے بھی ڈر کر خاموش ہو رہے۔

کچھ قبیلوں نے سوچا: اگر یہی حال رہا تو کچھ دنوں میں یہ پورے عرب پر چھا جائیں گے۔ ان کے زور کا توڑ ہونا چاہیے۔ ان کے رعب کا خاتمہ ہونا

چاہیے۔ انہوں نے یہ سوچا اور مدینے پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ پیارے نبیؐ کو اس کی سن گن مل گئی۔ آپؐ اس فتنے کو دبانے کے لیے آگے بڑھے۔ ان قبیلوں نے سنا تو ان کے ہوش اُڑ گئے۔ جان بچانے کے لیے کچھ تو خطرناک ریگستانوں میں پھیل گئے۔ کچھ نے پہاڑی درّوں اور غاروں میں پناہ لی۔

قریش کا بہت کچھ دارومدار شام کی تجارت پر تھا۔ اس تجارت کو بند کرنا ان کے لیے خطرہ ہی خطرہ تھا۔ اس کو تو بہر حال جاری ہی رکھنا تھا لیکن جائیں کدھر سے؟ مدینہ ہو کر جانے کی تو ہمت تھی نہیں۔ مسلمانوں کے چھاپہ مارنے کا ڈر تھا۔ مجبوراً انہوں نے عراق کا راستہ پکڑا۔ یہ راستہ بہت لمبا تھا۔ دشواریاں بھی بے انتہا تھیں۔ پانی ملنا بھی ایک مسئلہ تھا۔ لیکن اس کے علاوہ چارہ بھی کیا تھا۔

یہ تدبیر بھی چھپ نہ سکی۔ پیارے نبیؐ اور ساتھیوں کو خبر ہو گئی۔ آپؐ نے زیدؓ بن حارثہ کو چھاپہ مارنے کے لیے دوڑایا کہ اب جنگ کا زمانہ تھا۔ دشمن کے نقصان سے بچنے کے لیے خود انہیں نقصان پہنچانا ضروری تھا۔ سو سواروں کا دستہ ساتھ تھا۔ نجد میں ایک جگہ ہے قردہ۔ زیدؓ نے وہاں پر قافلے کو جا لیا۔ قافلے والے بھاگ نکلے۔ سارا سامان مسلم دستے کے ہاتھ لگا۔ ہنسی خوشی یہ لوگ مدینہ لوٹے۔ پیارے نبیؐ نے خدا کا شکر ادا کیا اور سارا سامان مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

پیارے نبیؐ مکے سے مدینہ آئے تو مسلسل جنگ و جہاد میں لگے رہے۔ اسلام کی ترقی کے لیے لڑائیاں بھی لڑیں۔ جان و مال کی قربانیاں بھی دیں۔ بیچ میں اگر کبھی سکون ملا، خطرات سے اطمینان ہوا تو یہ سکون و اطمینان کی گھڑیاں خالص آرام و اطمینان میں نہ گزریں۔ اس وقت ایک دوسری مہم شروع ہو گئی۔ وہ مہم تھی باہمی محبت اور ہمدردی کی، تعلقات کی بہتری اور خوش گواری کی۔ آپؐ کے جو مخلص دوست تھے، جو ہر وقت کے ساتھی تھے، جو ہوشیاری اور

سمجھ داری میں نمایاں تھے۔ ان سے آپؐ تعلقات کو مضبوط کرتے۔ پیار اور دلجوئی سے ان کے دلوں کو موہتے۔ اس کے لیے آپؐ نے بہت سی ترکیبیں اختیار کیں۔

محبت کو استوار کرنے کا ایک موثر ذریعہ رشتہ ہے۔ آپؐ نے یہ ذریعہ بھی اپنایا۔ ان سے اپنے رشتے قائم کیے۔ آپؐ کے جو دو بڑے دوست تھے۔ جو آپ کے دائیں بائیں بازو تھے۔ ان کی بیٹیوں سے اپنا گھر بسا کر ان کی دل جوئی فرمائی۔

حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی حضرت عائشہؓ تھیں۔ ان سے مکے میں ہی شادی ہو چکی تھی لیکن ابھی وہ کم عمر تھیں۔ اس لیے اپنے ماں باپ کے ہی ساتھ تھیں۔ مدینہ پہنچ کر وہ آپؐ کے یہاں آگئیں۔

حضرت عمر فاروقؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ تھیں۔ ان سے بھی آپؐ نے شادی کی۔

آپؐ نے ساتھیوں کو اپنی بھی بیٹیاں دیں اور اس طرح بھی دل جوئی فرمائی۔ آپؐ کی ایک چھوٹی بیٹی تھیں فاطمہؓ۔ ان کی شادی آپؐ نے حضرت علیؓ سے کر دی جو آپؐ کے وفادار یار تھے۔

ایک بیٹی تھیں رقیہؓ ان کی شادی حضرت عثمانؓ سے کی جو آپؐ پر دل و جان سے قربان تھے۔ پیارے نبیؐ بدر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اسی درمیان یہ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ پہلے سے یہ بیمار تھیں۔ حضرت عثمانؓ ان کے تیمار دار تھے۔ اسی لیے وہ بدر میں شریک بھی نہ ہو سکے۔ رقیہؓ کی وفات ہوئی تو آپؐ نے ان کی شادی دوسری بیٹی سے کر دی جن کا نام تھا اُمِ کلثومؓ۔ اسی لیے حضرت عثمانؓ کو ذِی النُّورَین کا لقب ملا۔

آپؐ نے بیواؤں کی بھی دل جوئی فرمائی۔ ساتھیوں کو بھی سمجھایا اگر کوئی

عورت بیوہ ہو جائے۔ خدا کی راہ میں اس کا شوہر شہید ہو جائے اور پیچھے بچے چھوڑ جائے تو اس بیوہ کا خیال رکھیں۔ اس کے ساتھ ہمدردی کریں۔ ہو سکے تو اس سے شادی کرلیں۔ اس کے بچوں کی پرورش کریں۔ ایسا نہ ہو، وہ بیوہ بے سہارا ہو جائے۔ افلاس کا شکار ہو جائے۔ پریشانیوں کا نشانہ بن جائے بچے اس کے کاندھے کا بار بن جائیں۔ اس کی جان کا وبال ہو جائیں۔

ایک تھیں بی بی زینبؓ۔ یہ خزیمہ کی بیٹی تھیں۔ بہت شریف اور نیک عورت تھیں۔ صدقہ، خیرات کی بہت شوقین تھیں۔ اسی لیے ام المساکین کے لقب سے مشہور تھیں۔ بدر کا معرکہ ہوا تو شوہر شہید ہو گئے۔ یہ بیوہ ہو گئیں۔ پیارے نبیؐ نے ان سے شادی کرلی۔

☆-----☆-----☆

بدر میں دشمنوں نے منہ کی کھائی تھی۔ کیا وہ یہ ذلّت برداشت کر سکتے تھے؟! ان کی عزت وشوکت کو ٹھیس لگی تھی۔ کیا جیتے جی وہ یہ بدنامی گوارا کر سکتے تھے؟! پیارے نبیؐ اس بات سے غافل نہ تھے۔ آپؐ کو پورا یقین تھا قریش نچلے بیٹھنے والے نہیں۔ وہ زخمی شیر کی طرح تلملا رہے ہیں۔ غصے سے سلگ رہے ہیں اور وہ غصہ خون سے ہی ٹھنڈا ہوگا۔ ان کے جو سپاہی مارے گئے ہیں، ان کا انتقام لے کر ہی ان کو اطمینان ہوگا۔ ان کے جو جوان مارے گئے ہیں، ان کا بدلہ لے کر ہی ان کو سکون ہوگا۔

مسلمانوں نے ان کا تجارتی قافلہ بھی لوٹا تھا حالانکہ اسی خطرے سے انہوں نے راستہ بدلا تھا۔ اس سے ان کا زخم اور تازہ ہو گیا تھا اور انتقام کا ایک نیا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ ان باتوں کی وجہ سے پیارے نبیؐ چوکنّے تھے۔ سمجھتے تھے، ایک نہ ایک دن پھر جنگ کا سامنا ہے۔

مکے میں جنگ کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ پیارے نبیؐ کے چچا حضرت عباسؓ اسلام لا چکے تھے۔لیکن ابھی مکے میں ہی مقیم تھے۔ایک تیز رفتار آدمی کو یہ پیغام دے کر انہوں نے آپؐ کی خدمت میں بھیجا: "قریش جنگ کے لیے مدینہ جا رہے ہیں۔بہت بھاری لاؤ لشکر کے ساتھ ہیں۔ہتھیار اور سامان بے پناہ ہیں۔" ساتھ ہی انہوں نے قاصد کو تاکید کی: تین دن کے اندر اندر وہ مدینہ پہنچ جائے۔

یہ خبر پا کر پیارے نبیؐ کو ذرا بھی اچنبھا نہ ہوا۔اچنبھے کی بات بھی کیا تھی؟ آپؐ کو تو پہلے سے ہی اندیشہ تھا لیکن اتنا بھاری لشکر! اتنا ہتھیار اور سامان! وہ بھی اتنی تھوڑی مدت میں!! اس پر آپؐ کو ضرور حیرت ہوئی۔

قریشی لشکر کی تیاری رات دن جاری تھی۔ہتھیار اور سامان اکٹھا ہو رہے تھے۔سپاہی بھرتی کیے جا رہے تھے۔قریش نے اس کے لیے نہ جانے کتنے قبیلوں سے معاہدے کیے تھے۔نہ جانے کتنے قبائلیوں کو ابھارا تھا۔عرب میں جوش دلانے کا سب سے بڑا ذریعہ جوشیلے شاعر تھے یا جوشیلے مقرر۔قریش کے مقرر اور شاعر قبیلوں میں پھیل جاتے۔گرم گرم تقریریں کرتے۔جوشیلے اشعار سناتے۔اس طرح لوگوں کے دلوں کو گرماتے۔انہیں جنگ میں حصہ لینے پر ابھارتے۔دیکھتے دیکھتے ایک بہت بھاری لشکر تیار ہو گیا۔ہتھیاروں اور سامانوں کا ڈھیر لگ گیا۔

بہت سی عورتیں ایسی تھیں، جن کے باپ بیٹے بدر میں مارے گئے تھے۔اس لیے وہ خود غصے سے بے تاب تھیں۔اپنے مردوں کو بھی بے تاب کیے ہوئے تھیں۔ان عورتوں میں ہند سب سے آگے تھی۔یہ عتبہ کی بیٹی اور ابوسفیان کی بیوی تھی۔بدر میں اس کے باپ، بھائی اور چچا تینوں مارے گئے۔سن کر اس کا کلیجہ کھولنے لگا۔قسم کھالی جب تک خون کا بدلہ نہ لے لے گی، خوشبو نہ لگائے گی۔

روانگی کا وقت ہوا تو اس نے کچھ اور عورتوں کو تیار کیا اور لشکر کے ساتھ

ہولی۔لوگوں نے روکنا چاہا لیکن نہ مانی۔ طعیمہ بن عدیؓ ، جُبیر بن مُطعِم کا چچا تھا۔ یہ بھی بدر میں مارا گیا تھا۔جُبیر کا ایک حبشی غلام تھا۔اس کا نام تھا وَحشی۔ یہ چھوٹا نیزہ پھینک کر مارنے میں ماہر تھا کیونکہ یہ حبشہ والوں کا خاص ہتھیار تھا۔جبیر نے اپنے اس غلام سے کہا:''وحشی!اگر میرے چچا کے بدلے میں محمد یا حمزہ یا علی کو ماردو تو تم آزاد ہو۔''

ہند نے کہا:''وحشی!میرے عزیزوں کی ٹکر کے یا تو محمد ہیں یا پھر حمزہ اور علی۔ان تینوں میں سے کسی ایک کو بھی ماردو، بہت قیمتی انعام دوں گی۔''

وحشی نے دونوں سے وعدہ کرلیا۔اب لشکر مدینے کی طرف بڑھا۔تین ہزار سپاہیوں کا دَل بادَل تھا۔ ساتھ میں دوسو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے۔ ابوسفیان لشکر کا کمانڈر تھا۔ساتھ میں پندرہ عورتیں بھی تھیں۔ یہ دف بجاتیں۔ مقتولین بدر کے دردناک مرثیے پڑھتیں۔ شکست پر غیرت دلاتیں۔انتقام پر اُبھارتیں۔

لشکر میں ابو عامر اَوسی بھی شامل تھا۔ یہ قبیلہ اَوس کا بہت معزز آدمی تھا۔اسلام کے نام سے جلتا تھا۔پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو یہ مدینہ چھوڑ کر مکے چلا آیا اور آپؐ کے دشمنوں سے مل گیا۔اس کے ساتھ اس کے ساتھی بھی مکہ چلے گئے۔

ابو عامر نے قریش کے لوگوں سے کہا:''چلو،اس بار تو خوب مزا آئے گا۔محمد کے مقابلے میں جہاں میں نکلا،اَوس کے سارے لوگ میرے گرد اکٹھا ہو جائیں گے۔محمد کے ساتھ ایک بھی نہ رہے گا۔''

چلتے چلتے لشکر اَبواء پہنچ گیا۔جہاں پیارے نبیؐ کی والدہ کی قبر ہے۔ہند نے کہا: ''موقع اچھا ہے۔محمد کی ماں کی قبر اُکھاڑ ڈالو۔ہم میں سے کوئی قید ہوا تو

جسم کا ایک ایک ٹکڑا فدیہ میں دے دیں گے" کچھ دوسرے لوگوں نے مخالفت کی: "ایسا بھول کر نہ کرنا۔ ورنہ بنی خزاعہ اور بنی بکر بھی ہمارے مردوں کی ساری قبریں کھود کر رکھ دیں گے۔"

لشکر آگے بڑھا۔ چلتے چلتے عقیق پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر ٹھہر گیا۔ یہ ایک مشہور جگہ ہے۔ مدینے سے پانچ کلو میٹر پر واقع ہے۔

اسی وقت پیارے نبیؐ کو چچا کا خط ملا۔ آپؐ اس وقت قُبا میں تھے۔ ابیؓ بن کعب نے خط پڑھ کر سنایا۔ سن کر آپؐ نے فرمایا: "اچھا، دیکھو، کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔"

پھر آپؐ مدینہ تشریف لائے۔ سعدؓ بن ربیع کے گھر گئے۔ ان سے اس خط کا ذکر فرمایا۔ ابھی ہوشیار اور سمجھ دار ساتھیوں سے مشورہ کرنا باقی تھا۔ اس لیے کسی کو بتانے سے منع فرما دیا۔ پاس ہی سعدؓ کی بیوی بھی تھی۔ اس نے یہ باتیں سن لی تھیں۔ اس طرح یہ خبر چھپ نہ سکی۔ ابھی ساتھیوں سے مشورہ بھی نہ فرمایا تھا کہ ہر طرف اس کا چرچا ہو گیا۔

ہجرت کا تیسرا سال تھا۔ شوّال کی پانچویں تاریخ تھی۔ اَنسؓ اور مونسؓ دو جاں نثاروں کو آپؐ نے لشکر کی خبر لانے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے آکر اطلاع دی قریش کا لشکر مدینے کے بالکل قریب آ گیا۔ کھیتوں کو ان کے اونٹوں اور گھوڑوں نے چر لیا۔ مدینے کی چراگاہ (عریض) بھی صاف ہو گئی۔

آپؐ نے حُبابؓ بن مُنذِر کو بھیجا کہ فوج کی تعداد کی خبر لائیں۔ ساز و سامان کا بھی اندازہ لگائیں۔ انہوں نے جا کر ساز و سامان اور تعداد کا اندازہ لگایا اور آکر آپؐ کو اطلاع دی۔

مدینے کی یہ رات بڑے خوف اور گھبراہٹ کی رات تھی۔ ایک دل جلے اور

ظالم دشمن سے پالا تھا۔ جس کی طاقت بھی بے پناہ تھی۔ شہر پر حملے کا اندیشہ تھا۔ کچھ بہادر جاں بازوں نے جنگی لباس تبدیل کیے اور رات بھر مدینے کی سرحدوں پر پہرہ دیتے رہے۔ سعدؓ بن عُبادہ اور سعدؓ بن مُعاذ نے ہتھیار سجے اور تمام رات مسجد نبویؐ کے دروازے پر ٹہلتے رہے۔

خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔ جمعہ کا دن تھا۔ لوگ پیارے نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کسی نے عرض کیا۔

اللہ کے رسول! ہم مدینے میں ہی ٹھہریں۔ دشمن سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کریں۔ اگر وہ وہیں پڑے رہے تو خود پچھتائیں گے اور اگر ہم پر چڑھائی کی تو ہم شہر میں ہی رہ کر ان کا مقابلہ کریں گے اور گھیر گھیر کر انہیں ڈھیر کر دیں گے کیونکہ مدینے کی گلیوں اور پگڈنڈیوں سے وہ ہماری طرح واقف نہیں۔

عبداللہ بن اُبی، جو منافقین کا سردار تھا، اٹھا اور اس نے پر زور تائید کی:

''اللہ کے رسول! یہ رائے بہت بہتر ہے۔ مدینے میں ہی رہیے۔ باہر نہ نکلیے۔ بخدا ہمارا تو بار بار کا تجربہ ہے۔ جب کبھی شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا تو ذلت اٹھائی اور کسی دشمن نے شہر پر حملہ کیا تو اس کی بری گت بنائی۔

اللہ کے رسول! انہیں وہیں پڑا رہنے دیجیے۔ اگر وہ وہیں پڑے رہے تو خود پچھتائیں گے اور اگر شہر میں گھسے تو ہم گلیوں میں گھیر گھیر کر انہیں ماریں گے اور بچے اور عورتیں چھتوں پر سے پتھر برسائیں گی۔''

بہت سے مسلمان ایسے تھے، جو بعد میں ایمان لائے تھے۔ اور جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ انہیں حسرت تھی۔ کاش ہم بھی بدر میں شریک ہوئے ہوتے۔

بہت سے ایسے تھے، جو بدر میں شریک ہوئے تھے اور انہوں نے اپنی

آنکھوں سے حیرت ناک فتح کا منظر دیکھا تھا۔ یہ دونوں قسم کے لوگ جوش سے بے خود تھے اور شہر سے باہر نکل کر حملہ کرنے پر زور دے رہے تھے۔

ایک جوان نے کہا: ''اللہ کے رسول! دشمن کے مقابلے میں نکلیے۔ کہیں وہ یہ نہ سمجھ لیں ہم ڈر گئے اور اس طرح ان کے دل اور بڑھ جائیں۔ اللہ کے رسول! بدر میں تو ہم تین ہی سو تھے۔ پھر بھی اللہ نے کامیاب کیا اور آج تو ہم کافی تعداد میں ہیں۔ ہم تو اسی دن کی آرزو میں تھے۔ اسی دن کا تو ہمیں انتظار تھا۔''

دوسرے نے کہا: ''اللہ کے رسول! دشمن ہماری زمین میں گھس آئے۔ ہماری کھیتیوں کو روند ڈالا۔ اب آخر جنگ کا کون سا وقت آئے گا؟''

خیثمہؓ نے کہا: ''بدر میں شریک ہونے سے میں محروم رہا حالانکہ میری شدید تمنا تھی۔ میرا لڑکا شریک ہوا۔ اس کو شہادت نصیب ہوگئی۔ کل رات میں نے اُسے خواب میں دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا: ''ابّا! آپ بھی چلے آیئے۔ جنت میں ہمارا ساتھ رہے گا۔ رب نے جو وعدہ کیا تھا، میں نے اسے بالکل سچا پایا۔''

حضرت حمزہؓ نے کہا: ''اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے آپ پر قرآن اُتارا، میں تو کھانا ہی نہ کھاؤں گا جب تک باہر نکل کر دشمنوں سے مقابلہ نہ کرلوں گا۔''

غرض نئے مسلمان جوش سے بھرپور تھے اور باہر نکل کر مقابلے کے لیے بے تاب تھے۔ بدری جاں باز بھی ان کی تائید میں تھے۔ تمنا ہر ایک کی یہی تھی کہ وہ اسلام کی راہ میں جان دے دے۔ اسلام پر ذرا بھی آنچ نہ آنے دے۔ ہر ایک چاہتا تھا اس کا رب اس سے خوش ہو جائے اور اس کا قرب حاصل ہو جائے۔

بالآخر آپؐ نے اعلان فرما دیا۔ شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ پھر آپؐ نے جمعہ کی نماز ادا فرمائی۔ خطبہ میں لوگوں کو جہاد پر اُبھارا۔ بہت

ہی زور دار اور جاندار خطبہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم نے صبر سے کام لیا تو میدان تمہارے ہی ہاتھ ہے۔''

عصر بعد آپؐ گھر میں تشریف لے گئے۔ ابو بکرؓ و عمرؓ بھی ساتھ تھے۔ ان دونوں نے آپ کو زرہ پہنائی۔ سر پر خود رکھا۔ آپؐ نے گلے سے تلوار لٹکائی۔ اب آپؐ بالکل تیار تھے۔

آپؐ ہتھیار زیب تن کیے ہوئے باہر تشریف لائے۔ تمام ساتھی بھی جلدی جلدی تیار ہو گئے اور دشمن سے مقابلے کے لیے روانہ ہو گئے۔ ایک ہزار کی تعداد تھی۔ ساتھ میں صرف دو گھوڑے تھے۔ جن میں سے ایک گھوڑا خود حضورؐ کے لیے تھا۔

فوج میں کچھ کم عمر نو جوان بھی تھے، جو جنگ میں جانے کے لیے بے تاب تھے۔ اسلام کی کھیتی کو اپنے خون سے سینچنے کے لیے بے قرار تھے۔ آپؐ نے فوج کا جائزہ لیا تو ان سب کو روک دیا۔ صرف دو خوش قسمت اجازت پا سکے۔ ایک تو تیر اندازی میں ماہر تھے۔ دوسرے طاقت میں بڑھے ہوئے تھے۔ پہلے کا نام رَافِع تھا اور دوسرے کا سَمُرَہ۔ اس وقت دونوں کی عمر پندرہ سال تھی۔

فوج میں عبداللہ بن اُبیّ بھی شامل تھا۔ یہ منافقوں کا سردار تھا۔ ساتھ میں اس کے تین سو ساتھی بھی تھے۔ کچھ دور تک ساتھ چلا۔ پھر وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر الگ ہو گیا۔ اور مدینے کی طرف لوٹ پڑا۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حَرام نے اسے لاکھ سمجھایا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ بھی یاد دلایا لیکن وہ نہ مانا۔ تن کر بولا: ''محمد نے ہماری بات نہ مانی۔ ان لونڈوں کی بات مان لی۔''

اب حضرت عبداللہؓ بن عمرو نے اس کے ساتھیوں کو سمجھانا چاہا۔ بڑی درد مندی سے کہا:

''بھائیو! اللہ کا واسطہ دے کر تم سے کہتا ہوں، اس وقت جبکہ دشمن کا سامنا ہے، اپنی قوم اور اپنے نبی کا ساتھ ہرگز نہ چھوڑو۔''

لیکن وہ یہ کہتے ہوئے چل دیے: اگر ہمیں یقین ہوتا دشمن سے مڈبھیڑ ہو کر رہے گی تو ہم تمہارا ساتھ کبھی نہ چھوڑتے۔ لیکن ہمارے خیال میں اس کی نوبت نہ آئے گی۔

پیارے نبیؐ بقیہ فوج کو ساتھ لے کر آگے بڑے۔ اب صرف سات سو مسلمان تھے، جن کا تین ہزار دشمنوں سے پالا تھا۔ دشمن بھی ایسے کہ اکثر دل جلے تھے اور خون کا بدلہ لینے نکلے تھے۔

۲

اُحد[۱] کے پاس دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ ایک طرف خدا کے مخلص اور وفادار بندے تھے۔ دوسری طرف خدا کے باغی اور نافرمان دشمن۔

دونوں فوجیں مقابلے کی تیاری کرنے لگیں۔ پیارے نبیؐ نے اُحد کو پشت پر رکھ کر صف بندی کی۔ عَلم حضرت مُصعبؓ بن عُمیر کو عنایت فرمایا۔ پہاڑ میں ایک گھاٹی تھی۔ ڈر تھا دشمن پیچھے سے آ کر حملہ نہ کر دیں۔ پچاس تیر اندازوں کو وہاں کھڑا کر دیا اور فرمایا:

''تم لوگ ہماری پشت کی حفاظت کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ ہم پیچھے سے دَھر لیے جائیں۔ دیکھو، اپنی جگہ جمے رہنا۔ وہاں سے ہٹنا نہیں۔ اگر ہم جیت جائیں اور ان کی فوج میں گھس جائیں۔ تب بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا اور ہم قتل ہونے لگیں

---

۱ اُحد ایک پہاڑ کا نام ہے۔ مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلے پر ہے اور اس کے شمال میں واقع ہے۔

تو مدد کے لیے بھی نہ آنا۔ البتہ ان پر تیروں کی بوچھار شروع کر دینا کیونکہ گھوڑے تیروں سے ڈرتے ہیں۔"

قریش نے بھی نہایت سلیقے سے صف بندی کی۔ میمنہ پر خالد بن وَلید کو مقرر کیا۔ مَیسرہ کا امیر عکرمہ کو بنایا۔ عَلَم خاندانِ عبدالدّار کے ہاتھوں میں تھا اور ابوسفیان فوج کا کمانڈر تھا۔

ابوسفیان نے علم برداروں کو جوش دلاتے ہوئے کہا: "جھنڈے ہی پر ہار جیت کا فیصلہ ہوتا ہے اس لیے یا تو اس کا حق ادا کرو ورنہ چھوڑ کر کنارے ہو جاؤ۔"

عبدالدّار کے جوانوں کو جوش آ گیا۔ غیرت سے وہ بے تاب ہو گئے۔ سینہ تان کر بولے: "مقابلہ ہونے دو! اس وقت تم ہمارے کرتب دیکھنا!"

عورتوں کے جوش کا عجیب عالم تھا۔ ہند اُن میں سب سے آگے تھی۔ یہ عورتیں صفوں کے درمیان گھومتیں۔ مردوں کو جوش دلاتیں۔ اُن میں غیرت کی آگ بھڑکاتیں۔ دف بجا بجا کر کہتیں:

"عبدالدّار کے جوانو! آگے بڑھو! وطن کے پاسبانو! آگے بڑھو! بے تکان تلواریں چلاؤ۔"

پھر یہ اشعار پڑھتیں:

نَحْنُ بَنَاتُ طَارِق	نَمْشِیْ عَلَی النَّمَارِق
ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں	ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں
اِنْ تُقْبِلُوْا نُعَانِق	اَوْتُدْبِرُوْا نُفَارِق
اگر تم بڑھ بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گے	اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے

فِرَاقَ غَیْرِ وَامِق

بالکل دشمن کی طرح سے کٹ جائیں گے

ہِند جب وحشی کے پاس پہنچتی تو اسے اپنا وعدہ یاد دلاتی۔ جوش دلاتے ہوئے کہتی: ''ابودسمہ! میرا کلیجہ ٹھنڈا کرو۔ خود بھی راحت پا جاؤ۔''

ابو عامر اَوسی صف سے نکل کر میدان میں آیا۔ ڈیڑھ سو ساتھی اس کے ساتھ تھے۔ اس کا خیال تھا، انصار اسے دیکھیں گے تو آپؐ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اس نے زور سے پکارا: ''اَوس کے لوگو! میں ابو عامر ہوں!''

مسلمانوں نے جواب دیا: ''او بدکار! خدا تیرا منہ کالا کرے۔''

ابو عامر نے کہا: ''میرے بعد میری قوم بگڑ گئی۔''

پھر کچھ دیر تک دونوں طرف سے پتھر چلتے رہے۔ آخر ابو عامر اور اس کے ساتھیوں نے پیٹھ دکھا دی۔

ابوسفیان نے پکارا: ''اوس و خزرج کے لوگو! تم بیچ سے ہٹ جاؤ۔ ہمیں اپنے بھائیوں سے مقابلہ کرنے دو۔ ہم تم سے کچھ نہیں بولیں گے۔''

اوس و خزرج نے یہ سنا تو ابوسفیان کو سخت برا بھلا کہا۔ اسے بری طرح پھٹکار دیا۔

اب پیارے نبیؐ نے عام حملے کی اجازت دے دی۔ کچھ ساتھیوں کو میمنہ کی طرف بھیج دیا، اور کچھ کو میسرہ کی طرف، اور لڑاکا دستے کو دشمن فوج کے قلب میں گھسنے کا حکم دیا۔

شیرِ اسلام حضرت حمزہؓ آگے بڑھے۔ گرجدار آواز کے ساتھ ایک نعرہ لگایا جو حقیقت میں آج سارے مسلمانوں کا نعرہ تھا: ''مارو! خوب مارو!!''

حضرت علیؓ دشمن فوج کے قلب میں گھس گئے۔ دشمن فوج کا جھنڈا طلحہ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ مقابلے کے لیے سامنے آیا۔ حضرت علیؓ تلوار لے کر بجلی کی طرح جھپٹے اور پوری طاقت سے اس پر وار کیا۔ اب وہ زمین پر پڑا تھا۔

جھنڈا بڑھ کر اس کے بھائی عثمان نے تھام لیا۔ اب حضرت حمزہؓ نے بڑھ کر

اس پر حملہ کیا جس ہاتھ میں جھنڈا تھا، وہ ہاتھ کٹ کر نیچے گر گیا۔ عثمان نے فوراً جھنڈا دوسرے ہاتھ میں لے لیا۔ حضرت حمزہؓ نے دوسرے ہاتھ پر بھی وار کیا۔ وہ ہاتھ بھی کٹ کر الگ ہو گیا۔

اب جھنڈا ابوسعید نے لے لیا۔ یہ ان دونوں کا بھائی تھا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے اس پر تیر کا نشانہ لگایا۔ تیر اس کے حلق میں لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

اس طرح جھنڈا طلحہ اور اس کے بھائیوں کے ہاتھوں میں گھومتا رہا۔ پھر اس کے دونوں بیٹوں مُسافِع اور جُلّاس کے ہاتھوں میں آ گیا۔ حضرت عاصمؓ بن ابو اَفلح نے تاک کر ان دونوں پر نشانہ لگایا۔ وہ دونوں وہیں تڑپنے لگے۔

جنگ میں آنے والی عورتوں میں ان دونوں کی ماں سلافہ بھی تھی۔ وہ ان دونوں کی خبر پاتے ہی بھاگ کر وہاں پہنچی۔ ایک ایک کر کے ان دونوں کو اٹھایا اور اپنی گود میں لٹا لیا۔ اس وقت دونوں آخری سانس لے رہے تھے۔ سلافہ نے بڑی بے تابی سے پوچھا:

"میرے جگر کے ٹکڑو! تمہیں کس نے مارا؟!"

دَم توڑتے ہوئے بیٹوں نے جواب دیا: "جس وقت ہم کو تیر لگا۔ ہمارے کانوں میں یہ آواز آئی: "یہ لو اور میں اَبُو الاَفلح کا بیٹا ہوں۔"

سُلافہ نے اسی وقت نذر مانی، اگر اَبو الاَفلح کا سر مل گیا تو اس میں شراب پیوں گی اور جو اس کا سر کاٹ کر لائے گا، اسے سو اونٹ انعام دوں گی۔

پیارے نبیؐ نے ہاتھ میں اپنی تلوار لے کر فرمایا: "اس کا حق کون ادا کرے گا؟"

اس شرف کے لیے بہت سے ہاتھ بڑھے۔ حضرت ابو دُجانہؓ انصاری بھی اٹھے۔ یہ عرب کے بہت نامی پہلوان تھے۔ عرض کیا: "اللہ کے رسول! اس کا کیا حق ہے؟"

فرمایا: ”جب تک دھار نہ مڑ جائے، وہ دشمن پر چلتی رہے۔“

حضرت ابو دُجانہؓ نے وہ تلوار ہاتھ میں لے لی۔ تھے بہت ہی بہادر اور باہمت آدمی۔ ان کا ایک لال رومال تھا۔ جنگ کرنا چاہتے تو اسے سر پر باندھ لیتے۔ لوگ دیکھتے ہی سمجھ جاتے ابو دُجانہؓ اب جنگ کریں گے۔ انہوں نے وہ موت کا رومال نکالا۔ اسے سر پر باندھا اور شان سے اکڑتے تنتے ہوئے دونوں فوجوں کے درمیان چلنے لگے۔ یہ آج کوئی نئی بات نہ تھی۔ جنگ کے وقت ابو دجانہؓ ہمیشہ اسی طرح چلتے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا: ”یہ چال خدا کو سخت ناپسند ہے، لیکن اس وقت بہت پسند ہے۔“

حضرت ابو دُجانہؓ تلوار لے کر دشمن فوج کے دِل میں گھس گئے۔ سر پر موت کی پٹی بندھی ہوئی تھی! جس مشرک کے پاس سے وہ گزرتے، اس کا سر قلم کر دیتے۔ جو دشمن سامنے آتا، اس کو وہیں ڈھیر کر دیتے۔ جس طرف رُخ کرتے، صفیں کی صفیں صاف کر دیتے۔

اسی طرح وہ تیزی سے بڑھ رہے تھے کہ دیکھا کوئی لوگوں کو جوش دلا رہا ہے۔ ان کے جذبات کو بھڑکا رہا ہے۔ تلوار اٹھائی کہ اس کا کام تمام کر دیں۔ اسی وقت اس کی چیخ نکل پڑی۔ دیکھا تو وہ عُتبہ کی بیٹی ہِند تھی۔ حضرت ابو دُجانہؓ نے فوراً تلوار روک لی کہ ایک عورت کو مارنا اس تلوار کی توہین تھی۔

جنگ پورے زور پر تھی۔ مسلمان بہادر جوش سے بے خود تھے۔ ہر طرف سے وہ دشمن کو دبا رہے تھے۔ فوجیں چیرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ لاشوں پر لاشیں گرا رہے تھے۔ تیر انداز تیروں کی بوچھار کر رہے تھے اور دشمن کے سینے چھلنی ہو رہے تھے۔

حضرت حمزہؓ کی بہادری کا عجیب منظر تھا۔ دونوں ہاتھوں میں تلوار تھی۔ صفیں

کی صفیں الٹتے چلے جا رہے تھے لیکن وحشی کی آنکھیں گھات میں تھیں۔ وہ حملے کے لیے موقع کی تلاش میں تھا تاکہ یہ اس کی آزادی کی قیمت بن جائے۔!!

یہ وقت بھی آ گیا، جس کے لیے وحشی نکلا تھا۔ وہ گھڑی آن پہنچی جس کے لیے وہ شروع سے تاک میں تھا!!

حضرت حمزہؓ ایک دشمن پر حملہ کر رہے تھے۔ پاس ہی ایک چٹان تھی۔ اسی چٹان کے پیچھے وحشی گھات میں بیٹھا تھا۔ مارنے کے لیے نیزہ ٹھیک کر رہا تھا۔ حضرت حمزہؓ اس سے بے خبر تھے۔ موقع پاتے ہی اس نے نیزہ پھینک کر مارا۔ نیزہ ناف میں لگا اور وار پار ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ نے نگاہ دوڑائی کہ یہ نیزہ کدھر سے آیا۔ دیکھا تو پاس ہی وحشی کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کامیابی کی خوشی میں اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

حضرت حمزہؓ تیزی سے بڑھے کہ اس پر حملہ کریں۔ لیکن...... شیرِ خدا اور ضیغمِ اسلام کے قویٰ جواب دے گئے۔ وہ لڑکھڑا کر گر پڑے۔ اب وہ زندگی کے آخری سانس لے رہے تھے۔

اللہ کا دشمن اللہ کے پیارے کو کھڑا دیکھتا رہا۔ جب روح پرواز کر گئی اور جسم کی حرکت رک گئی تو وہ آگے بڑھا اور جسم سے نیزے کو الگ کیا۔ پھر ایک طرف جا کر اطمینان سے بیٹھ گیا کہ اب اسے لڑنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

اگرچہ حضرت حمزہؓ شہید ہو چکے تھے۔ لیکن دشمن بری طرح ہار رہے تھے اور مسلمان میدان پر چھائے ہوئے تھے۔ قریش کا جھنڈا خاندانِ عبدالدار کے ہاتھوں میں تھا۔ وہ باری باری آگے بڑھتے رہے۔ جھنڈے کو ہاتھ میں لیتے رہے اور جان دیتے رہے آخرکار سب مارے گئے۔

اب جھنڈا زمین پر تھا۔ پیروں سے روندا جا رہا تھا۔ دشمن بدحواس تھے۔ ان

کی صفوں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ وہ اب بھاگ رہے تھے اور مسلمان دوڑا دوڑا کر انہیں مار رہے تھے۔ بے تحاشا سر زمین پر ڈھلک رہے تھے اور جانیں تن سے جدا ہو رہی تھیں۔ جو عورتیں ابھی مردوں کو ہمت دلا رہی تھیں، اب وہ چیخ چیخ کر بھاگ رہی تھیں وہ وادیوں، درختوں اور ٹیلوں کی پناہ لے رہی تھیں۔

مسلمان سمجھے اب فتح یقینی ہے۔ دشمنوں کی طرف سے ان کی توجہ ہٹ گئی اب وہ مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔

تیر اندازوں نے — جو درّے کے پہرے پر مامور تھے — دیکھا دشمنوں کے پیر اُکھڑ گئے۔ مسلمان پوری طرح جیت گئے۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ مسلمان دشمن کے خیموں میں گھس رہے ہیں۔ ان کے مال واسباب اکٹھا کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر کچھ لوگوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''بلا وجہ یہاں کس لیے پڑے ہو؟ دشمن تو اب ہار بھی گئے۔ وہ دیکھو اپنے ساتھیوں کو۔ وہ مال غنیمت اکٹھا کر رہے ہیں۔ چلو، اب ہم بھی وہیں چلیں۔''

ساتھیوں نے کہا: ''کیا پیارے نبی کی بات یاد نہیں؟ آپ نے فرمایا تھا: ''پیچھے سے ہماری حفاظت کرنا اپنی جگہ سے ہٹنا نہیں؟!''

ان لوگوں نے کہا: ''آپ کا یہ مطلب تھوڑی تھا کہ دشمن ہار جائیں تب بھی تم پڑے رہنا۔''

ان کے سردار عبداللہؓ بن جُبیر نے انہیں کتنا ہی روکا، لیکن انہوں نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں اور مسلمانوں کے ساتھ مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے۔ صرف چند مسلمان تھے جن کی تعداد دس بتائی جاتی ہے، جنہوں نے پیارے نبیؐ کی بات یاد رکھی۔ اپنے سردار کا کہا مانا اور اپنی جگہوں پر ٹھہرے رہے۔

اتفاق سے خالد بن ولید کی نظر ادھر پڑ گئی۔ دیکھا تو درّہ خالی تھا۔ بس چند تیر

انداز وہاں ٹہل رہے تھے۔ اس نے سواروں کا دستہ ساتھ لیا۔ نہایت طاقت سے حملہ کیا۔ اتنے میں مَیسرہ کا سردار عِکرَمہ بھی آ پہنچا۔ حضرت عبداللہؓ بن جبیر اور ان کے ساتھیوں نے جم کر مقابلہ کیا بالآخر وہ سارے لوگ شہید ہو گئے۔

اب راستہ صاف تھا۔ دشمن سواروں کا دستہ آگے بڑھا۔ جہاں مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف تھے اور مشرک سب کچھ چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ ان سواروں نے وہاں پہنچ کر زور کا نعرہ لگایا:

''عُزّیٰ کی جے!! ہُبل کی جے!!''

اور اب مسلمانوں کے سروں پر تلواریں برس رہی تھیں۔ مسلمان تو اطمینان سے مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف تھے۔ اچانک یہ آفت دیکھی تو بوکھلا گئے۔ ان کے ہوش و حواس اُڑ گئے۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر انھوں نے تلواریں سنبھال لیں اور پھر لڑنے لگے۔ دشمنوں نے انہیں گھیر لیا تھا۔ وہ انہیں دبانے کی کوشش کرنے لگے۔

لیکن اب بات بگڑ چکی تھی! ہارا ہوا دشمن تازہ دَم ہو چکا تھا اور ان پر بے تحاشا حملے کر رہا تھا۔ مسلمان بدحواسی کے عالم میں تھے۔ دوست دشمن کی تمیز اُٹھ چکی تھی۔ مسلمان مسلمان کو مار رہے تھے۔ خوف کا یہ حال تھا کہ انہیں اپنا خاص نشان تک یاد نہ رہا، جس سے وہ اپنے بھائیوں کو پہچان لیتے۔ جنگ اب پھر زوروں میں ہو رہی تھی۔ لیکن اس بار مسلمانوں کی طرف دباؤ زیادہ تھا اور دشمن کا پلّہ بھاری تھا۔ یکا یک ایک کافر نے چیخ کر پکارا:

''محمد مارے گئے!!''

یہ بات جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔ اور مسلمانوں کے دلوں پر بجلی بن کر گری۔ مسلمانوں نے سنا تو ان پر عام بدحواسی چھا گئی۔ ان کے دل اکھڑ

گئے۔حوصلے پست ہو گئے۔دشمنوں نے سنا تو ان میں اور جان آ گئی۔

مسلمانوں میں مایوسی اور بد دلی پھیل چکی تھی۔ بڑے بڑے دلیروں کے ہاتھ پاؤں پھول چکے تھے۔کچھ تو خود ہتھیار پھینک کر کنارے ہو گئے۔کچھ لوگوں نے دوسروں کو بھی یہی مشورہ دیا۔

لیکن کچھ جوان ایسے بھی تھے جن کے حوصلے ابھی بلند تھے۔جو ایمانی جوش میں ڈوبے ہوئے تھے۔وہ پوری جان بازی سے لڑتے رہے۔جو ہمت ہار چکے تھے انہیں ابھارتے رہے۔

وہ کہتے: ''پیارے نبی نے تو اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔رب کا جو پیغام تھا، اسے پہنچا دیا۔اب تم اس دین کی حفاظت کرو اور اس کے لیے جنگ کرو۔اللہ تو زندہ ہے۔اس کے لیے تو کبھی موت نہیں۔''

مسلمانوں کی صفوں میں ابتری پھیل چکی تھی۔جو جہاں تھا، وہیں گھر کر رہ گیا تھا۔ادھر دشمنوں کا سارا دباؤ پیارے نبیؐ کی طرف تھا۔راستہ بہت حد تک صاف تھا۔دشمنوں کے ایک جھنڈ نے آپؐ کی جان لے لینے کا فیصلہ کر لیا۔وہ بے دردی سے آپؐ پر پتھر برسانے لگے۔بے تحاشا تیروں کی بوچھار کرنے لگے۔

پیارے نبیؐ بھی مقابلے میں تیر چلا رہے تھے۔اس روز آپؐ نے اتنے تیر چلائے، کہ آپؐ کی کمان ہاتھ میں ٹوٹ کر رہ گئی! اردگرد چند جاں نثار بھی تھے۔وہ آپؐ کو اپنی اوٹ میں لیے ہوئے تھے اپنے ہاتھوں اور پیٹھوں پر تیر و تلوار روک رہے تھے۔کچھ جاں نثار مقابلے میں مصروف تھے اور بے تکان تیر برسا رہے تھے۔

حضرت سعد بنؓ ابی وقاص ماہر تیر انداز تھے۔اس وقت وہ بھی موجود تھے۔ وہ لگاتار تیر برسا رہے تھے۔کہا جاتا ہے اس روز انہوں نے لگ بھگ ایک ہزار تیر برسائے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں خود تیر اٹھا اٹھا کر دیتے اور

فرماتے: ''تم پر میرے ماں باپ قربان، تیر چلائے جاؤ!''

حضرت طلحہؓ بھی مشہور تیر انداز تھے۔ وہ بھی وہاں حاضر تھے، انہوں نے اس قدر تیر برسائے کہ دو تین کمانیں ہاتھ میں ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئیں۔

حضرت ابودُجانہؓ جھک کر ڈھال بن گئے تھے۔ اب جو تیر آتے ان کی پیٹھ پر آتے! حضرت طلحہؓ ہاتھ پر تلواریں روک رہے تھے! ایک ہاتھ کٹ کر الگ بھی ہو گیا تھا۔

اسی اثنا میں ایک بد بخت دائرے کو توڑ کر آگے بڑھا۔ چہرۂ مبارک پر تلوار کا وار کیا۔ وار بہت سخت تھا۔ خود کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں۔ ایک دشمن نے دور سے پتھر پھینکا۔ پتھر آ کر چہرۂ مبارک پر لگا۔ آگے کے دو دانت شہید ہو گئے۔ ہونٹ لہولہان ہو گئے۔

ایک طرف ظالموں کا یہ سلوک تھا۔ دوسری طرف رحمتِ عالمؐ کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ.

''خدایا! میری قوم کو بخش دے۔ وہ جانتے نہیں!!!''

اِدھر پیارے نبیؐ ان خطرات سے دوچار تھے۔ اُدھر مسلمان بدحواس تھے کہ آپؐ شہید ہو گئے اور دشمن خوشیاں منا رہے تھے کہ ان کا برسوں کا ارمان پورا ہوا۔ بات اصل میں یہ ہوئی کہ حضرت مُصعب بن عمیر شہید ہو گئے۔ جس دشمن نے شہید کیا تھا، اس کا نام ابن قمیہ تھا۔

حضرت مُصعبؓ شکل و صورت میں پیارے نبی سے کچھ مشابہ تھے۔ اِبن قَمیہ نے اس کا فائدہ اٹھایا۔ اس نے مشہور کر دیا، میں نے محمد کو مار دیا!

جو جاں نثار آپؐ کے پاس موجود تھے، انہوں نے چاہا اس کی تردید کر دیں۔ پیارے نبیؐ نے منع فرما دیا اور وہ لوگ خاموش رہے۔ ادھر دشمنوں کو پورا یقین

تھا، محمدؐ سچ مچ مارے گئے۔

قریش کے آدمی ہر طرف پھیل گئے اور لاشوں میں آپؐ کو ڈھونڈنے لگے۔ ہر ایک کی تمنا تھی، وہ پہلے پا جائے اور آپؐ کی لاش کی تِکّہ بوٹی کر کے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرے۔ ڈھونڈنے والوں میں ابوسفیان بھی تھا۔ وہ بے تابی کے ساتھ دَوڑ دَوڑ کر لاشوں کو دیکھتا پھر مایوسی کے عالم میں کہتا: ''کہاں ہے محمد کی لاش؟ محمد کی لاش تو دکھائی نہیں دیتی!!''

ابوسفیان لاشوں میں آپؐ کو ڈھونڈ ہی رہا تھا کہ حضرت حمزہؓ کی لاش پر نظر پڑ گئی۔ دیکھتے ہی غصے سے کھول اٹھا۔ اب اس بے رحم کا خونیں نیزہ تھا اور حضرت حمزہؓ کا پاک جسم۔ وہ بے تحاشا ان کے جسم پر کچوکے لگاتا اور ہونٹ چبا چبا کر کہتا: ''او غدار! بدر میں تو نے جو کچھ کیا تھا، لے اس کا مزہ چکھ!!''

ایک کافر تھا حُلیس بن زبّان۔ وہ پاس ہی کھڑا تھا۔ اس سے یہ بے رحمی دیکھی نہ گئی۔ ابوسفیان کو پکڑ کر اس نے اپنی طرف کھینچ لیا اور چیخا:

''لوگو! دیکھتے ہو؟! یہ قریش کا سردار ہے۔ اپنے مرے ہوئے بھائی کے ساتھ کیسا سلوک کر رہا ہے یہ!!'' ابوسفیان چونک پڑا۔ بولا: ''اوہ! مجھ سے بڑی چوک ہوئی۔ اچھا، دیکھو، اس کا شور نہ کرو۔''

پھر ابوسفیان کی خالد سے ملاقات ہوئی۔ ابوسفیان (نہایت بے تابی سے):

ارے کچھ پتہ چلا محمد کا؟ ان کی لاش کسی کے ہاتھ آئی یا اسے زمین نگل گئی؟!!

''کسی نے یونہی بے پر کی اڑائی ہے۔ آپ محمد کی لاش کے چکر میں ہیں! میں نے تو ابھی دیکھا، وہ کچھ ساتھیوں کے ساتھ پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔'' خالد نے کچھ بے کیفی سے جواب دیا۔

عام مسلمانوں کو یقین ہو چکا تھا، پیارے نبیؐ سچ مچ شہید ہو گئے۔ لیکن پھر بھی

نگاہیں آپ کو ڈھونڈتی تھیں۔ یکا یک حضرت کعبؓ بن مالک کی نظر آپؐ پر پڑ گئی۔ چہرۂ مبارک پر خود تھا۔ لیکن آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اب کیا تھا، بے اختیار چیخ پڑے:

''ارے مسلمانو! اللہ کے رسول تو یہ ہیں! ارے مسلمانو! اللہ کے رسول تو زندہ ہیں!''

کون جانے یہ آواز کیا تھی!!! یہ مسلمانوں کے لیے کسی صور قیامت سے کم نہ تھی۔ مسلمانوں میں یکا یک زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ بجھے ہوئے حوصلے جاگ اٹھے۔ تھکے ہوئے جسم تازہ دم ہو گئے۔ ہر طرف سے جاں نثار ٹوٹ پڑے۔ پروانوں کی طرح آپؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ سب سے آگے آگے تھے۔ صورتِ حال زیادہ نازک ہو چکی تھی۔ خطرات بڑھتے ہی جا رہے تھے۔ جاں نثاروں نے آپؐ کو دائرہ میں لے لیا اور پہاڑ پر چڑھنے لگے کہ وہاں دشمنوں کا پہنچنا آسان نہ تھا۔

ابو عامر اوسی نے پہاڑ کے دامن میں کچھ گڑھے کھود رکھے تھے کہ مسلمان پھسل کر اس میں جا پڑیں۔ اتفاق سے ایک گڑھے کے پاس سے گزرے تو آپؐ کا پیر پھسل گیا۔ علیؓ اور طلحہؓ نے آگے بڑھ کر دستِ مبارک تھام لیا اور آپؐ کو اوپر چڑھا لیا اور پھر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ ابو سفیان نے آپ کو پہاڑ پر چڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔ فوج لے کر وہ بھی اوپر چڑھنے لگا۔ حضرت عمرؓ اور دوسرے چند صحابہؓ کی نظر پڑ گئی۔ اوپر سے بے تحاشا پتھر برسائے اور وہ آگے نہ بڑھ سکا۔

آپؐ کی وفات کی غلط خبر مدینے بھی پہنچ گئی۔ کون جانے وہاں کے مسلمانوں پر کیا گزری۔ گھبراہٹ میں وہ سب لوگ آپؐ کی طرف دوڑ پڑے۔ حضرت فاطمہؓ نے سنا تو بے قرار ہو اٹھیں۔ بدحواسی کے عالم میں وہ بھی دوڑ پڑیں۔ نہ جانے کس کس طرح وہ پیارے باپ کے قدموں میں پہنچ گئیں۔ دیکھا تو ابھی

تک چہرۂ مبارک سے خون جاری تھا۔ بے اختیار دل بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔ حضرت علیؓ سپر میں پانی بھر لائے۔ پیاری بیٹی باپ کے زخم دھونے لگی۔ بہت دھویا، لیکن خون نہ تھما۔ آخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور زخم پر رکھ دیا۔ خون فوراً تھم گیا۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کٹر دشمن تھا اُبیّ بن خلف، اس کو معلوم ہوا محمدؐ تو ابھی زندہ ہیں۔ غصے سے بے تاب ہو گیا۔ ننگی تلوار ہاتھ میں لی۔ کچھ ساتھیوں کو ساتھ لیا اور آپؐ کی طرف دوڑا۔ وہ غصے سے چیخ رہا تھا: ''محمد کہاں ہے؟! اگر وہ بچ گیا تو مجھ پہ جینا حرام!!''

قریب ہوا تو آپؐ نے ایک ساتھی سے نیزہ لیا اور اس کے حلق میں ذرا سا کونچ دیا۔ آپؐ کا کونچنا تھا کہ اس کے پورے بدن میں آگ لگ گئی۔ اسی وقت وہ چیختا چلاتا واپس آیا اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

اس لڑائی میں سترّ مسلمان شہید ہوئے۔ شہید ہونے والوں میں کئی ایسے جاں نثار تھے، جو اپنی مثال آپ تھے۔ انہی لوگوں میں شیرِ خدا حضرت حمزہؓ بھی تھے۔ وحشی خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا کہ وہی آپ کا قاتل تھا۔ وہ ہند کے پاس پہنچا۔ اس سے اپنا کارنامہ بیان کیا اور انعام طلب کیا۔ اس نے کہا: ''میں نے حمزہ کو مار دیا۔ اب آپ مجھے کیا انعام دیں گی؟''

ہند: ''تجھے میں اپنا یہ قیمتی ہار دوں گی۔ ذرا یہ تو بتاوہ ہے کہاں؟''

وحشی ہند کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اسے حضرت حمزہؓ کی لاش دکھائی۔

ہند کا کلیجہ تو کھول ہی رہا تھا۔ دیکھتے ہی غصے سے بے قابو ہو گئی۔ جھک کر حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کیا اس میں سے ان کا جگر نکالا اور بے دردی سے لگی چبانے کہ کلیجے کی آگ ٹھنڈی ہو! مگر اسے وہ نگل نہ سکی۔ مجبوراً اُگل دینا پڑا۔

اب اس نے گلے سے ہار اتار کر وحشی کو دے دیا۔ پھر اس نے قریش کی دوسری عورتوں کو ساتھ لیا۔ جا کر مسلمانوں کی لاشوں کے ناک کان کاٹے اور ان ''پھولوں'' کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈال لیا۔

دشمن اپنی لاشوں کو دفن کر چکے تھے۔ اب انہوں نے مکے لوٹنے کا ارادہ کیا۔ ابوسفیان دوڑا ہوا پہاڑ کے دامن میں آیا۔ زور سے پکار کر کہا:

''مسلمانو! آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔ آیندہ سال پھر بدر میں ہمارا مقابلہ ہوگا''

پھر یہ کہتا ہوا لوٹ پڑا:

''ہماری فوج کے لوگوں نے تمہارے مقتولین کے ناک، کان کاٹ لیے ہیں۔ میں نے نہ اس کا حکم دیا تھا نہ اس سے روکا۔ مجھے اس سے خوشی نہیں لیکن کوئی رنج بھی نہیں۔''

مسلمان پہاڑ سے اترے کہ لاشوں کو دفن کریں۔ پیارے نبیؐ کی نظر حضرت حمزہؓ پر پڑی۔ جسم کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس قدر آنسو بہے کہ ریشِ مبارک تر ہو گئی۔ اس وقت آپؐ کی زبان سے یہ درد بھرے الفاظ سنے گئے:

''اُف! میری آنکھوں نے ایسا دردناک منظر کبھی نہ دیکھا!!''

پھر آپؐ نے فرمایا:

''اگر صفیہؓ (حضرت حمزہؓ کی بہن) کو اس بات سے تکلیف نہ ہوتی، اور یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ چیز میرے بعد ایک مستقل رسم بن جائے گی تو میں ان (حضرت حمزہؓ) کو یوں ہی چھوڑ دیتا کہ انہیں چیل کوّے اور درندے کھا لیں۔ بخدا اگر ان پر کبھی بس چلا تو ان کے تیس آدمیوں کی یہی گت بناؤں گا۔''

لیکن اس کے بعد ہی ذہن مبارک میں یہ آیت گونج رہی تھی:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ط وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ . وَاصْبِرْ وَمَاصَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَاتَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَاتَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّايَمْكُرُوْنَ . اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ

(سورہَ نحل:۱۲۶-۱۲۸)

(اور اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اسی قدر لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو لیکن اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے ہی حق میں بہتر ہے اور صبر کرو اور تمہارا یہ صبر اللہ کے ہی سہارے ہوگا اور ان لوگوں کی حرکتوں پر رنج نہ کرو نہ ان کی چالبازیوں پر دل تنگ ہو۔ بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے، جو اللہ کی نافرمانی سے بچتے، اس کی ناخوشی سے ڈرتے اور جو نیک کردار ہوتے ہیں۔)

☆-----☆-----☆

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۲)

مشعلِ توحید پر آندھیوں کی یلغار!

- بنی نضیر کی جلاوطنی
- قریش راستے سے ہی لوٹ گئے!
- بنی نضیر کی ریشہ دوانیاں
- دین حق کے خلاف سارے عرب کا اتحاد
- جاں نثاروں سے حضورؐ کا مشورہ
- خندق کی کھدائی
- دشمن فوجیں مدینے کی سرحد پر
- اسلامی فوج اپنی چوکیوں پر
- خندق پار کرنے کی ناکام کوششیں
- دشمن فوج میں بے دلی
- بنی قریظہ کی غداری
- حضرت صفیہ کی حیرت ناک شجاعت
- حضرت علی کی مثالی بہادری
- طوفانی حملے
- حضرت سعد کی شہادت
- دشمنوں میں پھوٹ
- بارش اور آندھی کا عذاب
- دشمن فوج میں بھگدڑ
- بنی قریظہ کا عبرت ناک انجام

(۱)

وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَرَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ اَلَّاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مُردہ نہ سمجھو۔ وہ تو زندہ ہیں اپنے رب کے پاس سے روزی پا رہے ہیں۔ جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے، اس پر خوش وخرم ہیں اور مگن ہیں کہ جو اہلِ ایمان اُن کے پیچھے دُنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں، اُن کے لیے بھی کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں۔'' (سورہ آل عمران:۱۶۹-۱۷۰)

☆-----☆-----☆

احد کا دن مسلمانوں کے لیے بڑا ہی کٹھن دن تھا۔ لڑائی رکی تو ان کے جسم زخموں سے چور تھے۔ زخموں سے زیادہ انہیں اس کا ملال تھا کہ وہ دشمنوں کی کمر نہیں توڑ سکے۔ اللہ کے دشمنوں کا صفایا کر دینے کا جو عزم لے کر وہ نکلے تھے، اس میں پوری طرح کامیاب نہ ہوئے۔

انہیں اس کا بھی ملال تھا کہ ان کے ستر قیمتی افراد شہید ہو گئے، گرچہ وہ سیکڑوں مشرکین کو مار کے شہید ہوئے۔

اس جنگ میں خود پیارے نبیؐ نے نہ جانے کتنے تیر چلائے۔ حد یہ ہے کہ ایک کمان آپ کے ہاتھ میں ٹوٹ کر رہ گئی۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے تو لگ بھگ ایک ہزار تیر چلائے۔ وہ تیر انہیں پیارے نبیؐ خود اٹھا اٹھا کر دے رہے تھے۔ ساتھ ہی ان کی تیر اندازی کی داد اس طرح دے رہے تھے، کہ ہر تیر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے فرماتے:

''مارے جاؤ، مارے جاؤ، میرے ماں باپ تم پر قربان!''

حضرت طلحہؓ نے بھی اس روز بے حساب تیر چلائے تھے۔ حد یہ ہے کہ کئی کمانیں ان کے ہاتھ میں ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئی تھیں۔

اس کے علاوہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت مصعبؓ بن عمیر، حضرت سعدؓ بن الربیع، حضرت انسؓ بن النضر، حضرت علیؓ، حضرت ابو دجانہؓ، حضرت عبداللہؓ بن جبیر، حضرت خظلہؓ بن عامر، حضرت ابو سفیانؓ بن حارث اور نہ جانے کتنے جاں نثاروں نے اس روز اپنی بہادری و سرفروشی کے کیسے کیسے جوہر دکھائے تھے۔

اس طرح یہ بات تو طے ہے کہ اس جنگ میں اگر مسلمانوں کے ستّر آدمی شہید ہوئے تو مشرکین کے سیکڑوں آدمی مارے گئے۔

یہ سب کچھ ہوا، لیکن اس کے باوجود آخر میں مشرکین نے ایک ایسی چال چلی، جس نے کچھ دیر کے لیے مسلمانوں کے حوصلے پست کر دیے۔ وہ اس چال سے ان کی بے اماں تلواروں کی زد سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔

انہوں نے پیارے نبیؐ کے شہید ہو جانے کی افواہ پھیلا دی۔ جس نے جاں

نثاروں کے ہاتھ پاؤں شل کر دیے۔ مسلمانوں پر بے دلی چھا گئی۔اور دشمن پیارے نبیؐ تک پہنچنے ،اور آپ کو زخمی کر دینے میں کامیاب ہو گئے۔

ان جاں نثاروں کے لیے یہ بات کتنی جاں گسل اور کتنی روح فرسا تھی کہ ان کے ہوتے ہوئے ان کے محبوب نبیؐ کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔آپؐ کے لب زخمی ہو گئے۔اور آپؐ کے چہرۂ مبارک میں خود کی کئی کڑیاں گھس گئیں۔

اللہ، اللہ، غموں کی کیسی یلغار تھی ان بے چارے مسلمانوں پر! پیارے نبیؐ کے زخمی ہونے کا غم، ستر چنے ہوئے قیمتی ساتھیوں سے محروم ہو جانے کا غم، اپنے جسموں کے بے حساب زخموں کا غم، اور پھر کفر کے علم برداروں کا صفایا نہ کر سکنے کا غم۔

ان گوناگوں غموں نے مسلمانوں کو توڑ کر رکھ دیا۔ان کے چہرے اداس اور افسردہ سے نظر آنے لگے۔

اس حکیم امت اور معلم انسانیت نے صورت حال کی نزاکت کو فوراً محسوس کیا۔ان ٹوٹے ہوئے دلوں کی چارہ سازی کرنا ضروری سمجھا۔

آپؐ نے یہ ضروری سمجھا کہ ان کے ذہنوں سے ناکامی کا احساس دور کر کے انہیں فتح عظیم اور فتح مبین کے احساس سے سرشار کر دیا جائے۔

اس کا علاج آپؐ نے یہ سوچا کہ مشرکین کے لشکر کا تعاقب کیا جائے۔اگر وہ ہاتھ آ جاتے ہیں، تو رہی سہی کسر پوری ہو جائے گی۔اور اگر بھاگ جاتے ہیں، تو یہ چیز خود ثابت کر دے گی، کہ ہارا ہوا کون ہے، جیتا ہوا کون؟

آپؐ نے غمزدہ ساتھیوں کو للکارا!

''بھاگے ہوئے دشمن کا پیچھا کرنا ہے۔اور بس انہی کو کرنا ہے، جو احد کی جنگ میں شریک رہے!''

ادھر ابوسفیان کا حال یہ تھا کہ وہ مسلمانوں سے پہلے ہی میدان جنگ سے

بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ بہت ہی گھبراہٹ اور بدحواسی کے عالم میں وہاں سے چل دیا۔

جب وہ مدینے سے اتنی دور نکل آیا، کہ اس کے خیال میں اب مسلمانوں سے کوئی خطرہ نہیں رہا، تب اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور یہ ارادہ کیا کہ یہاں ٹھہر کر کچھ دم لے لیں۔ اپنے زخموں کی مرہم پٹی کر لیں۔ پھر اطمینان سے مکے کا سفر کریں۔

ابھی وہ اپنے خیمے بھی نہیں لگوا سکا تھا، کہ اسے اطلاع ملی، مسلم فوج اس کے تعاقب میں ہے۔ وہ ایک بپھرے ہوئے طوفان کی طرح اس کا پیچھا کر رہی ہے۔ وہ آرہی ہے تا کہ اس کا نشہ اتار دے۔ اس کی اور اس کی فوج کی جو رہی سہی عزت ہے، اسے خاک میں ملا دے۔

یہ خبر ملنی تھی کہ ابوسفیان نے اپنی فوج کو فوراً وہاں سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ اور بہت تیزی میں وہاں سے بھاگ چلا، کہ اگر دوبارہ مقابلہ ہو گیا، تو شاید ان میں سے کوئی بچ کر واپس نہ جا سکے گا۔

پیارے نبیؐ نے حمراء الاسد تک اس کا پیچھا کیا۔ یہ ایک مقام ہے جو مدینے سے آٹھ میل پر واقع ہے۔ وہاں پہنچ کر آپؐ نے تین دن قیام فرمایا۔ یہ تین دن اس طرح گزرے کہ دن بھر صحابہ کرام لکڑیاں جمع کرتے۔ اور رات میں ہر ہر صحابی الگ الگ اپنی آگ جلاتا۔

لگاتار تین راتیں ایسی گزریں کہ پانچ سو جگہوں پر آگ روشن کی جاتی رہی۔ جو میلوں سے نظر آتی۔

اس طرح مدینے سے لے کر مکے تک، بلکہ پورے عرب میں اس کا شہرہ ہو گیا کہ مسلم فوج نے حمراء الاسد تک دشمن فوج کا پیچھا کیا۔ اور دشمن فوج بدحواسی کے عالم میں وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی۔

ادھر مسلمانوں پر اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے حوصلے بلند ہو گئے۔انہیں اپنی نا کامی کا جو احساس تھا، وہ فتح و کامرانی کے احساس میں تبدیل ہو گیا۔

اللہ! اللہ!! رسول خدا کی یہ تدبیر! یہ حکمت! یہ دور اندیشی!! کس وقت؟ جب کہ آپ تھک کر چور ہیں۔زخموں سے نڈھال ہیں۔نا کامی کا بھی ملال ہے اور پھر ''مثلہ'' کا جاں گداز منظر نظروں کے سامنے ہے!!

جنگِ اُحُد سے اطمینان ہوا تو گونا گوں فتنوں کا سامنا ہوا۔کئی قبیلوں نے آپؐ کے ساتھ غداری کی۔آپؐ کو ان سے بھی نمٹنا پڑا۔اس سلسلے میں جھڑپیں بھی ہوئیں۔کہیں تو فتح ہوئی۔کافی مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔لیکن کہیں جانوں کا بڑا نقصان ہوا۔ان میں ایک واقعہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔وہ ہے قبیلہ بنی نضیر کی جلا وطنی کا واقعہ۔یہ یہودیوں کا قبیلہ تھا۔پیارے نبیؐ کا اس سے معاہدہ تھا۔لیکن اس نے غداری کی۔آپؐ ان کے ہاں گئے اس سلسلے میں گفتگو کرنے۔انہوں نے بظاہر آپ کا اچھا استقبال کیا۔لیکن در پردہ آپؐ کو قتل کر دینے کی سازش کی۔آپؐ ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔انہوں نے کچھ آدمی بھیج دیے کہ اوپر سے وہ آپ کے اوپر کوئی بھاری پتھر گرا دیں۔وحی الٰہی نے آپ کو اس خطرے سے آگاہ کر دیا۔آپ فوراً وہاں سے اٹھ کر چل دیے۔بعد میں آپؐ نے انہیں مدینے سے نکل جانے کا حکم دیا۔مگر وہ تو اپنی طاقت کے نشے میں تھے۔حکم ماننے سے انہوں نے صاف انکار کر دیا۔مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔بالآخر انہوں نے گھٹنے ٹیک دیے۔اکثر لوگ تو مدینے سے نکل کر خیبر چلے گئے، جو مدینے سے سو میل کے فاصلے پر ہے۔اور کچھ لوگ شام کی طرف چلے گئے۔نکلنے کو تو وہ مدینے سے نکل گئے مگر اب وہ آپؐ کی مخالفت میں اور سرگرم ہو گئے۔وہ قبیلوں میں جا جا کر آپؐ کے خلاف زہر اگلنے لگے۔

قریش نے اُحد سے واپس ہوتے ہوئے دھمکی دی تھی۔ انھوں نے ترنگ میں آکر کہا تھا: ''مسلمانو! آیندہ سال بدر میں پھر ہمارا مقابلہ ہوگا۔'' وہ وقت اب سر پر آگیا۔ ہمت تو تھی نہیں۔ اپنے کیے پر بڑا پچھتاوا ہوا۔ یوں ہی بیٹھ رہیں، یہ بھی بدنامی کا باعث تھا۔ کہ اس طرح ہر طرف ان کی بُزدلی کا چرچا ہو جانے کا ڈر تھا۔ انھوں نے ایک چال چلی۔ مسلمانوں میں اپنے آدمی بھیجنے شروع کیے کہ وہ ان کے لاؤلشکر اور ساز و سامان کو بڑھا چڑھا کر بیان کریں تا کہ مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیل جائے۔ ان میں لڑائی سے بے دلی پیدا ہو جائے۔ لیکن آپ ان کی باتوں میں کب آنے والے تھے۔ آپؐ کی ہمت ذرا بھی ڈانواں ڈول نہ ہوئی۔ اپنے عزم پر آپؐ مضبوطی سے قائم رہے۔ آپؐ نے طے کر لیا، اس دن لازماً میدان میں پہنچنا ہے، جس طاقت پر انھیں ناز ہے۔ اس طاقت کو پارہ پارہ کرنا ہے۔

وہ دن آگیا۔ آپؐ نے ساتھیوں کے ساتھ بدر کا رُخ کیا۔ اسی موسم میں وہاں ہر سال بازار بھی لگتا تھا۔ ساتھیوں نے تجارت کے لیے کچھ سامان بھی ساتھ لے لیے۔ وہاں پہنچے تو قریش کا کہیں دور دور تک پتا نہ تھا۔ غیور و خود دار مسلمان ٹھہر کر ان کا انتظار کرنے لگے۔

ننگ و عار کا مسئلہ تھا۔ قریش کو بہر حال اپنی لاج رکھنی تھی۔ اس لیے مقابلے میں نکلنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔ لیکن بری طرح ہار جانے کا بھی خطرہ تھا۔ اس لیے دل کسی طرح راضی نہ تھا۔ پھر بھی ہمت کر کے نکلے۔ دو دن تک آگے بڑھتے رہے۔ پھر خوف سے پاؤں پھولنے لگے۔ آگے بڑھنا ناممکن ہو گیا۔

ابو سفیان فوج کا کمانڈر تھا۔ اس نے کہا: ''بھائیو! یہ سال تو خشک سالی کا ہے۔ لڑائی بھڑائی تو خوش حالی میں ہوتی ہے۔ خیر اسی میں ہے کہ ہم مکہ لوٹ چلیں۔ لو، میں تو چلا''۔

سردار کے بعد اب کون ٹکتا۔ پوری فوج مکہ واپس ہوگئی۔

پیارے نبیؐ بدر میں آٹھ دن تک انتظار کرتے رہے۔ بدر میں بازار تو لگا ہی تھا۔ سامان تجارت بھی ساتھ تھا۔ مسلمان تجارت میں لگ گئے۔ خدا نے خوب برکت دی۔ آٹھ دن گزر گئے لیکن قریش کا کہیں پتہ نہ تھا۔

آپؐ ساتھیوں کو لے کر مدینہ لوٹ پڑے۔ راستے میں دشمن کی بزدلی کی باتیں رہیں۔ قریش کی پست ہمتی کے تذکرے رہے۔ مسلمان خدا کے بے شمار احسانات یاد کرتے۔ شکر سے ان کے سینے اُمڈنے لگتے۔ زبان پر بے اختیار حمد جاری ہو جاتی۔

۲

قریش اب مسلمانوں کا لوہا مان چکے تھے۔ ان کی طاقت اور ہمت سے سہم چکے تھے۔ سمجھ چکے تھے ان سے ٹکر لینا خود اپنی بربادی کو دعوت دینا ہے۔ قبیلہ بنونضیر آپؐ سے جلا ہوا تھا ہی۔ اس کے سردار قریش کے پاس گئے۔ ان سرداروں میں حُیَیّ بن اَخْطَب بھی تھا۔ سلام بن اَبی الحُقَیق بھی تھا۔ ان لوگوں نے پہنچ کر قریش کو جوش دلایا۔ ان کو آپؐ سے پھر ٹکر لینے پر ابھارا۔

انہوں نے کہا: ''ڈرنا کاہے کا؟ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو محمد کو مار کے ہی دم لیں گے۔ اسی کا تو ہم تم سے عہد کرنے آئے ہیں۔''

ان باتوں سے قریش میں ایک نیا جوش ابھرا۔ ایک نیا ولولہ پیدا ہوا۔ سوئے ہوئے جذبات پھر جاگ اٹھے۔ انہوں نے یہودیوں کو سر آنکھوں پہ بٹھایا۔ خوشی سے جھومتے ہوئے بولے!

''واہ! کیا خوب آئے۔ ہمیں وہی لوگ تو پسند ہیں، جو محمد کے دشمن ہیں، جو

اسے مٹا دینے کے درپے ہیں۔"

قریش نے مزید کہا: "بھائیو! تمہارے پاس پہلے سے خدا کی کتاب موجود ہے۔ محمد سے ہمارا جو اختلاف ہے، اس سے تم بے خبر نہیں۔ ذرا بتاؤ تو، ہمارا مذہب اچھا ہے یا محمد کا؟"

ان جھوٹے بدبختوں نے کہا: "توبہ کرو، تمہارے مذہب سے اس کے مذہب کا کیا مقابلہ! کہاں سچ، کہاں جھوٹ، کہاں حق، کہاں باطل!"

اسی طرح یہودی چکنی چپڑی باتیں کرتے رہے۔ قریش کو جھوٹے بہلاوے دیتے رہے۔ قریش پھولے نہ سمائے وہ بری طرح ان کے دھوکے میں آ گئے۔ جوش میں آ کر کہا: "جب تک جان میں جان ہے، محمد سے ہماری جنگ ہے۔ محمد کا دین پھلے پھولے، یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ محمد سے دنیا کو پاک کرنا ہے۔ اس کے دین کا نام و نشان مٹا دینا ہے۔"

اب جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ اس کا وقت بھی طے ہو گیا۔ یہودیوں نے قریش میں ہی آگ لگانے پر بس نہ کیا۔ عرب کے دوسرے قبیلوں میں بھی گئے۔ وہاں بھی خوب فتنے بوئے۔ خوب دھواں دھار تقریریں کیں۔ لوگوں کو اس "خطرہ" سے چوکنّا کیا۔ قبیلہ غطفان میں گئے۔ وہاں لوگوں کو سبز باغ دکھائے۔ لالچ دلاتے ہوئے کہا: "خیبر کی آدھی پیداوار تمہیں دیا کریں گے۔ تم اس جنگ میں ہمارا ساتھ دو۔"

اسی طرح اور دوسرے قبیلوں میں گئے۔ بنی سُلیم کے پاس گئے۔ بنی اَسد اور بنی فزارہ کے پاس گئے۔ بنی اَشجع اور بنی مُرّہ کے پاس گئے۔ ان سب کو نئے دین سے ہوشیار کیا۔ اپنے مذہب کے لیے کٹ مرنے کا جوش دلایا۔ ہر ایک کو خوب سبز باغ دکھایا۔

پیارے نبیؐ کے خلاف اب سارا عرب ایک تھا۔ کیا مشرک کیا یہودی سب کو ایک ہی جنون تھا۔ سارے شیطانی ارادے اور ناپاک حوصلے اب اسلام کا چراغ بجھا دینے پر تل گئے تھے!! آپؐ کی طرف ایک بھاری لشکر بڑھا۔ لشکر کیا تھا، آدمیوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ دس ہزار خون کے پیاسے تھے، جو ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اے محمدؐ! اللہ آپؐ کے ساتھ ہے۔ وہ آپؐ کی مدد بھی کر سکتا ہے۔ دشمنوں کو خوار بھی کر سکتا ہے!!

آپؐ کو برابر اطلاعات ملتی رہیں، سارا عرب آپؐ پر بپھرا ہوا ہے۔ ہر طرف سے آپؐ پر سیلاب کی طرح امڈا آرہا ہے کہ مدینے کو تہس نہس کر دے، دنیا سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دے۔

اُف خدا کی پناہ......! جس لشکر کے پیچھے عرب کی پوری طاقت ہو، پیارے نبیؐ اس کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے؟! اس کی غارت گری سے محفوظ رہنے کی کیا ترکیب کریں گے؟! اس کی بربادیوں کا سیلاب کیسے روکیں گے؟!

پیارے نبیؐ نے ساتھیوں کو جمع کیا۔ ان سے مشورہ کیا۔ سب نے ایک ہی مشورہ دیا: ''باہر نہ نکلا جائے۔ مدینے میں ہی رہ کر مقابلہ کیا جائے۔''

حضرت سلمانؓ فارسی ایران کے رہنے والے تھے۔ وہاں کے کچھ جنگی طریقوں سے واقف تھے۔ انہوں نے کہا: ''کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ کسی محفوظ جگہ پر لشکر جمع ہو۔ جدھر سے دشمن کے آنے کا خطرہ ہو ادھر خندق کھود لی جائے۔''

پیارے نبیؐ کو یہ رائے بہت پسند آئی۔ آپؐ اسی وقت ایک گھوڑے پر سوار ہوئے۔ کچھ مہاجرین اور انصار کو بھی ساتھ لے لیا۔ گھوم پھر کر مدینے کی جغرافیائی

صورت حال کا جائزہ لیا۔ خندق کے لیے مناسب جگہ اور اس کی لائن متعین کی۔ حکم دیا، جتنی جلد ممکن ہو، یہ کام شروع ہو جائے۔

فوراً مسلمان اس کام میں جٹ گئے۔ جلدی جلدی کُدال، پھاوڑوں کا انتظام ہوا۔ بنی قُریظہ کے یہودی مسلمانوں کے حلیف تھے۔ کھدائی کے بہت سے سامان وہاں سے آ گئے۔

مدینہ تین طرف سے پہاڑوں اور نا قابل عبور سنگلاخ زمینوں سے گھرا ہوا تھا۔ بس ایک شمال کی جانب سے کھلا ہوا تھا۔ اسی طرف خندق کھودنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ کھدائی کا نقشہ آپؐ نے خود بنایا۔ پھر ہر دس دس آدمیوں پر بیس بیس میٹر زمین تقسیم کر دی۔

کھدائی کرنے والوں میں آپؐ خود بھی شامل تھے۔ آپؐ کو ساتھ دیکھ کر مخلص ساتھیوں میں اور جوش پیدا ہوتا اور وہ بے خود ہو کر کام میں لگے رہتے۔

جاڑے کی راتیں تھیں۔ تین تین دن کا فاقہ تھا۔ بہادر مسلمان اسی عالم میں کھدائی کرتے۔ اپنے سروں پر مٹی ڈھو ڈھو کر کوہِ سَلع کے دامن میں پھینکتے۔ اُدھر سے پتھر ڈھو ڈھو کر لاتے اور خندق کے کنارے چنتے جاتے کہ ضرورت پڑی تو دشمن پر برسانے کے کام آئیں گے۔

تین ہزار متبرک ہاتھ خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ رات اور دن کا ہوش نہ تھا۔ بھوک پیاس سب کچھ بھولے ہوئے تھے۔ نو یا دس دنوں کی انتھک جدوجہد سے یہ کام پورا ہو گیا۔ خندق کھد کر تیار ہو گئی۔ جس کی لمبائی تقریباً ٦ ہزار میٹر تھی۔ چوڑائی لگ بھگ ۵ میٹر تھی۔ اور گہرائی ۴، ۵ میٹر کے آس پاس تھی۔ اور اب مدینہ بالکل محفوظ تھا۔

مدینے کا ایک پہاڑ ہے، کوہِ سلع کے نام سے مشہور ہے۔ خندق اور اس پہاڑ

کے درمیان میں ایک لمبا چوڑا میدان تھا۔ پیارے نبیؐ نے اپنی فوج کو اسی میدان میں ٹھہرایا۔ اور کوہ سلع کو اپنی پشت پر رکھا۔

مدینے کا بچہ بچہ جوش سے سرشار تھا۔ فوج روانہ ہوئی تو باپ بھائیوں کی دیکھا دیکھی نوعمر بچے بھی ساتھ ہو لیے۔ فوج میدان میں پہنچی تو آپؐ نے جائزہ لیا۔ جو پندرہ سال سے زیادہ عمر کے بچے تھے، انہیں شرکت کی اجازت دی۔ جو اس سے کم تھے انہیں شاباشی دی اور سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔

ہجرت کا پانچواں سال تھا۔ شوال کا مہینہ تھا۔ دشمن فوج کے ہراول دستے اب مدینے کے قریب دکھائی دینے لگے۔ ابوسفیان کو امید تھی، محمدؐ اُحد پر ملیں گے۔ آپؐ وہاں نہ ملے تو اس نے فوج کو مدینے کی طرف بڑھایا۔ مدینے کے قریب پہنچ کر اس نے پڑاؤ ڈال دیا۔ غطفان اور کچھ دوسرے قبیلے اُحد کے پاس ٹھہرے۔

دشمن فوج کی ٹولیاں مدینے کی طرف چلیں کہ مسلمانوں کا کچھ حال معلوم ہو۔ وہاں پہنچیں تو ایک نئی چیز دیکھی۔ ایسی چیز جو ان کے وہم و گمان میں نہ تھی......! ان کی عقلیں حیران تھیں کہ یہ کیا، یہ تو خندق ہے!! مدینہ کی حفاظت کے لیے خندق کھدی ہے!! تو کیا ہمارا لشکر اُس پار نہ جا سکے گا؟ جس کے لیے اتنا جتن کیا گیا جس کے لیے اتنے پاپڑ بیلے گئے، کیا وہ کام نہ ہو سکے گا؟! کیا یہ سارا کھیل بگڑ جائے گا؟! کیا محمد زندہ بچ جائے گا؟!

ٹولیاں لوٹ لوٹ کر فوج میں آئیں۔ لوگوں کو یہ ''نا مبارک'' خبر سنائی۔ جس نے سنا، دنگ رہ گیا: بخدا، یہ تو بالکل نئی ترکیب ہے۔ عرب میں تو کبھی اس کا رواج تھا نہیں۔

مسلمانوں کو معلوم ہو گیا دشمن آ گئے ہیں۔ وہ اپنی چوکیوں پر چوکنے ہو گئے۔

کوہِ سلع کے دامن میں ایک خیمہ نصب کیا گیا۔ سرخ رنگ کا خیمہ۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لائے۔ وہاں بیٹھ کر جنگ کا نقشہ بنایا۔

اسلامی فوج تین ہزار تھی۔ اس کو آپؐ نے کئی حصوں میں تقسیم کیا۔ کچھ ٹولیاں خندق کی دیکھ بھال پر مقرر ہوئیں۔ خندق کے جن حصوں پر زیادہ اندیشہ تھا، وہاں خصوصی طور سے کچھ لوگوں کو پہرے پر لگایا۔ بقیہ فوج دشمن کے مقابلے میں صف آرا ہوئی۔ خندق کی طرف رُخ تھا۔ تیر کمان ہاتھوں میں تھے۔

اب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ قریش نے بہت کوشش کی، خندق پار کرلیں لیکن ناکام رہے۔ جاں باز مسلمانوں نے اس طرح تیر برسائے کہ ان سے کچھ نہ بن پڑا۔ تاب نہ لاکر وہ پیچھے ہٹ گئے۔ اب انہوں نے خندق کے اسی پار سے تیروں کی بوچھار شروع کردی۔ پھر شام ہوگئی۔ وہ اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے۔ صبح ہوئی تو قریش نے پھر خندق پار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس دن بھی ناکام رہے۔ اب وہ غصے سے بوکھلا گئے۔ تلملاتے اور ہونٹ چباتے واپس گئے۔ انہیں اب یقین ہوگیا کہ ہمارا سارا کیا دھرا برباد گیا۔ آندھی طوفان کا بھی زور تھا۔ سردی بھی بلا کی تھی۔ جسم کٹے جارہے تھے۔ رگوں میں خون جما جارہا تھا۔ اس لیے وہ اور غصے سے بدحواس تھے۔

مسلسل ناکامی اور پھر موسم کی سختی۔ فوج میں بے دلی پھیل گئی۔ جسے دیکھو، یہی کہہ رہا تھا: "محمد پر اب قابو کیسے پایا جاسکتا ہے؟!"

حُییّ بن اَخطب نے یہ حال دیکھا تو بہت ڈرا۔ اس نے فوج اکٹھا کرنے کے لیے اَن تھک کوشش کی تھی۔ نہ جانے کن کن مصیبتوں سے سارا انتظام کیا تھا۔ وہ گھبرا اُٹھا۔ سوچنے لگا: اگر فوج میں یوں ہی بے دلی پھیلی رہی، سپاہیوں کے حوصلے پست ہوتے گئے تو کیا ہوگا؟! تب تو ساری کوشش مٹی میں مل جائے گی۔

اس کے لیے تو فوراً کچھ کرنا چاہیے۔ وہ دوڑا ہوا ابوسفیان کے پاس آیا۔ اس سے کہا: ''میری قوم بنی قریظہ بھی تمہارے ساتھ ہے اور ان کی طاقت کا حال تمہیں معلوم ہے۔''

ابوسفیان: تو دیر نہ کرو۔ جلدی جاؤ۔ ان سے کہو: ''محمد سے معاہدہ توڑ دیں۔''

حُیی تیزی سے بنی قریظہ کی طرف لپکا کہ کسی طرح ان کو پھسلائے۔ ان کو غدّاری پر آمادہ کر لے۔ انہیں توڑ کر اپنے میں ملا لے۔

بنی قریظہ کے سردار کو محسوس ہو گیا۔ اُسی نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا تھا۔ فوراً اس نے قلعے کا دروازہ بند کر لیا۔ حیی سے ملنا گوارا نہ کیا۔ وہ تاڑ گیا تھا حُیی کیوں آ رہا ہے۔ حُیی پہنچا تو اس نے آواز دی۔ قسم دے دے کر دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ جوش دلانے کے لیے اس نے یہ بھی کہا:

''مجھے معلوم ہے تم نے کیوں دروازہ بند کیا ہے۔ تمہیں ڈر ہے کہیں میں بھی نہ تمہارے پیالے میں شریک ہو جاؤں۔''

کعب بن اسد کو غیرت آ گئی۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ حُیی نے کہا:

''واہ رے کعب! دیکھو تو، میں تمہارے لیے کتنی بڑی عزت اور شہرت لے کر آیا ہوں۔ فوجوں کا ایک سمندر لایا ہوں — ٹھاٹھیں مارتا سمندر۔ سارا عرب اُمنڈ آیا ہے۔ قریش اور غطفان کے بھی سب سردار آئے ہیں۔ سب ایک محمد کے خون کے پیاسے ہیں۔ سب نے عہد کیا ہے اس کا کام تمام کیے بغیر یہاں سے ٹلیں گے نہیں۔''

''بخدا تم میری ناک کٹانی چاہتے ہو۔ میں تو محمد سے معاہدہ کر چکا ہوں۔ اب معاہدے کی خلاف ورزی مجھ سے نہ ہو گی۔ محمد نے ہمیشہ میرے ساتھ وفاداری کی ہے۔'' کعب نے بڑی بے اعتنائی سے جواب دیا۔

حیی مایوس نہ ہوا۔ وہ بار بار کعب کی غیرت کو بھڑکا تا رہا۔ اس نے کہا: ''آج پوری قوم کی لاج رکھنا تمہارے ہی ہاتھ میں ہے۔ اس کی عزت بھی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اس کی ذلت بھی تمہارے ہی ہاتھ میں ہے۔ اب تم ہی سوچ لو۔

یہ موقع ہاتھ سے دینے کا نہیں۔ بے جھجک تم محمد کا معاہدہ توڑ دو اور فوجوں کو راستہ دے دو۔ وہ سیلاب کی طرح بڑھیں گی اور منٹوں میں محمد اور اس کی فوجوں کو کھلیان کر دیں گی۔ پھر پورے عرب پر ہمارا اثر ہوگا۔ اپنے مذہب کے لیے بھی راستہ صاف ہو جائے گا۔ مدینے کی ساری دولت اور جائداد پر بھی قبضہ ہو جائے گا۔''

اس بار کا وار بے کار نہ گیا۔ اس بار حُییؔ کا جادو چل گیا۔ کعب اپنی انسانیت کو ذبح کرنے پر راضی ہو گیا لیکن ابھی وہ ہچکچا رہا تھا۔ غداری کا برا انجام اسے ستا رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا: اگر کہیں قریش و غطفان ہار گئے تو کیا ہوگا؟ وہ لوگ تو اپنا اپنا راستہ پکڑیں گے، میں تن تنہا رہ جاؤں گا۔ پھر تو میری بری گت بنے گی۔ بنونضیر اور بنوقینقاع کی طرح میں بھی ذلیل ہوں گا۔ لیکن جلد ہی یہ اندیشہ بھی دور ہو گیا۔ حُییؔ نے کہا: ''خدانخواستہ اگر ہم ہار گئے اور قریش میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تو میں خیبر چھوڑ دوں گا۔ یہیں آ کر تمہارے ساتھ رہوں گا۔ جو کچھ سامنے آئے گا، تمہارے ساتھ میں بھی جھیلوں گا۔'' کعب کو اب اطمینان ہو گیا۔ وہ غداری کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔

حُییؔ کامیابی سے مسرور فوج میں پہنچا۔ وہاں لوگوں کو یہ خوش خبری سنائی۔ اسے اب یقین تھا کہ فتح اپنے ہاتھ میں ہے۔ اب فتح میں بس اتنی ہی دیر ہے کہ بنی قریظہ تیار ہو لیں۔

بنی قریظہ کی غداری کی خبر آناً فاناً پھیل گئی۔ یہ خبر مسلمانوں پر بجلی بن کر گری۔

مسلمانوں کے لیے یہ ایک نئے خطرے کی گھنٹی تھی۔اب ان کالشکر بھی خطرے میں تھا۔شہر بھی خطرے میں تھا— رَسَد رسانی کے لیے اب کوئی راستہ نہ تھا۔دشمن کا اندیشہ بھی بڑھ گیا تھا کیونکہ حملے کے لیے ایک نیا راستہ کھل گیا تھا۔ اس راستے سے دشمن کے لیے شہر میں گھسنا آسان ہوگیا تھا۔

پیارے نبیؐ نے تحقیق کے لیے حضرت زبیرؓ بن عوّام کو دوڑایا۔وہ پہنچے تو وہاں بڑی دھوم دھام تھی۔ایک عجیب جوش وخروش تھا۔ہرایک جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھا۔آپؐ نے اطمینان کے لیے پھر اُسید بن حُضیر سعدؓ بن عُبادہ اور سعدؓ بن مُعاذ کو بھیجا کہ بنی قریظہ کے سردار سے بات کریں۔سعدؓ بن عبادہ خزرج کے سردار تھے اور سعد بن معاذ اَوْس کے۔یہ بنی قریظہ کے حلیف بھی تھے۔ان لوگوں سے آپؐ نے فرمایا: ''اگر خبر صحیح ہو تو اشاروں کی زبان (Code) استعمال کرنا کہ مسلمانوں میں بے دلی نہ پھیلے ورنہ بلند آواز سے اعلان کردینا۔''

یہ لوگ وہاں پہنچے تو صورت حال بہت افسوسناک تھی۔وہ لوگ بے وفائی اور غداری کا فیصلہ کر چکے تھے۔سردار کی حالت تو سب سے زیادہ شرمناک تھی۔وہ بڑی ڈھٹائی سے آپؐ کی بے ادبی کر رہا تھا۔اس بد بخت نے یہاں تک کہا: ''کون ہے اللہ کا رسول؟! ہمیں کچھ نہیں معلوم، کون ہے اللہ کا رسول؟! ہم تو بس محمد کو جانتے ہیں۔محمد سے ہم سے کوئی عہد معاہدہ نہیں!''

جاں نثاروں کو جوش آگیا صورت حال بہت نازک ہوگئی۔قریب تھا وہیں جنگ چھڑ جائے۔حضرت سعدؓ بن معاذ نے اپنے ساتھیوں کو سنبھالا اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے چل دیے: ''یہ کیا ہے؟! ہمارے اور ان کے تعلقات تو اس سے بھی زیادہ بگڑ چکے ہیں!''

وہ جاں نثار لوٹ کر آپؐ کی خدمت میں آئے اور اشاروں (Code) میں

آپؐ کو صورتِ حال بتا دی لیکن یہ خبر چھپنے والی کب تھی؟ نکلی ہونٹوں چڑھی کوٹھوں! ساری فوج میں اس کا چرچا ہو گیا۔ مدینے میں ہر طرف اس کا شہرہ ہو گیا۔ سب پر بے دلی چھا گئی۔ ہر طرف مایوسی پھیل گئی۔ جسے دیکھیے یہی کہہ رہا تھا: ''خندق تو خوب تیار ہوئی۔ لیکن اب خندق سے کیا ہوتا ہے؟ اب تو بنی قریظہ کے قلعے سے حملہ ہوگا۔ ہائے، اب کیا بنے گا؟!''

اب محاصرہ بہت سخت تھا۔ اسی حال میں کئی دن گزر گئے۔ دشمن مدینہ کے گرد گھیرا ڈالے رہے۔ یہ بڑا ہی کٹھن وقت تھا۔ مسلمانوں پر کئی کئی فاقے گزر گئے۔ تاب نہ لا کر وہ بلبلا اُٹھے۔ پیارے نبیؐ کو اندیشہ ہوا، کہیں ساتھی ہمت نہ ہار جائیں۔ آپؐ نے غطفان کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ اگر تم لوگ جنگ نہ کرو اور واپس چلے جاؤ تو مدینے کی تہائی پیداوار تم کو دیں گے۔ غطفان بخوشی راضی ہو گئے۔ بات پکی کرنے کے لیے اپنے آدمی بھیجے۔ مگر وہ تہائی پر تیار نہ تھے۔ انھوں نے آدھی پیداوار کا مطالبہ کیا۔ ابوسفیان ان باتوں سے بالکل بے خبر تھا۔ آپؐ نے سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ کو بلایا۔ ان سے مشورہ کیا۔ سعدؓ بن مُعاذ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! اگر یہ خدا کا حکم ہے تو انکار کی مجال نہیں۔ آپؐ کا فیصلہ ہے جب بھی تسلیم ہے۔ اور اگر یہ ارادہ ہم لوگوں کے خیال سے ہو تو کچھ عرض کروں۔''

''یہ تو تم ہی لوگوں کے لیے کر رہا ہوں اے میرے سعد! میں نے سوچا، اس طرح دشمن کا دباؤ کچھ کم ہو جائے گا۔'' آپؐ نے نہایت شفقت آمیز لہجے میں ارشاد فرمایا:

''جب ہم کافر تھے، تب تو کوئی ہم سے کچھ نہ لے سکا۔ اللہ کے رسول! اب تو آپ کی برکت سے ہمارا درجہ اور بلند ہو گیا۔ ان کے لیے تو ہمارے پاس اب

صرف تلوار ہے۔'' حضرت سعد بن معاذ نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا!

پیارے نبیؐ نے یہ ہمت دیکھی تو آپؐ کو اطمینان ہو گیا۔ غطفان سے معاہدے کا ارادہ چھوڑ دیا اور ان کے آدمی واپس چلے گئے۔

قبیلۂ غطفان کا ایک رئیس تھا نُعیم بن مسعود۔ وہ اندر ہی اندر مسلمان ہو چکا تھا مگر قبیلے والوں کو خبر نہ تھی۔ وہ چھپ کر رات میں آپؐ کے پاس آیا۔ اپنے مسلمان ہونے کی خوش خبری سنائی اور عرض کیا:

''اللہ کے رسول! میرے اسلام لانے کی کسی کو خبر نہیں۔ آپ جو چاہیں مجھ سے کام لیں۔''

آپؐ نے فرمایا: ''نُعیم! اس طرح کے تم تنہا آدمی ہو، جس طرح ہو سکے، ان دشمنوں میں پھوٹ ڈالو، کہ ان سے ہمیں نجات ملے۔ اس کے لیے تم جو چاہو کرو، اور جو چاہو کہو۔''

نعیم اسی وقت چلے گئے اور سوچتے رہے: کیا کروں؟ کس طرح دشمنوں میں پھوٹ ڈالوں؟ کس طرح ان کے ناپاک عزائم کو ناکام کروں؟

دشمنوں میں اب ایک نیا جوش تھا۔ ان کے حوصلے پہلے سے کہیں زیادہ بلند تھے۔ انہیں سردی کی سختی کی ذرا فکر نہ تھی۔ خندق کی بھی کوئی پروا نہ تھی کیونکہ اب بنی قریظہ ان کے ساتھ تھے۔ اب دل کے ارمان نکالنا آسان تھا۔

پیدل فوج تین حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ وہ ہر طرف سے اسلامی فوج کو گھیرے ہوئے تھی کہ وہ کہیں آ جا نہ سکیں اور بے بس ہو کر رہ جائیں۔ سوار فوج اِدھر اُدھر پھر رہی تھی اور مسلمانوں پر بے دردی سے تیر برسا رہی تھی۔

مسلمان سخت پریشان تھے۔ وہ بالکل گھر کر رہ گئے تھے۔ خوف اور بے چینی الگ تھی۔ دن رات یہودیوں کا خطرہ تھا۔ یہ خطرہ بیرونی دشمنوں کے خطرے سے

بڑھ کر تھا۔ عورتیں اور بچے شہر کے ایک قلعے میں تھے۔ بنی قریظہ سے خطرہ تھا، کہیں وہ رات میں ان پر حملہ نہ کر دیں۔ آپؐ نے کچھ آدمیوں کو مقرر فرمایا کہ رات بھر مدینے میں گھوم پھر کر پہرا دیں۔

یہودیوں نے غدّاری کی تو مسلمانوں کی خبریں جاننے کی بھی انہیں فکر ہوئی۔ وہ چاہتے تھے کمزور جگہیں معلوم ہو جائیں تا کہ حملے میں آسانی ہو اور ناکامی نہ ہو۔ یہودیوں کی ایک ٹولی اسی غرض سے نکلی۔ مسلمانوں نے اسے دیکھ لیا۔ انہوں نے پیچھا کیا اور وہ بھاگ نکلے۔

عورتیں اور بچے جس قلعے میں تھے، وہ قلعہ بنی قریظہ کے قریب ہی تھا۔ بنی قریظہ نے سوچا: مسلمان تو فوجوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ موقع اچھا ہے، قلعے پر قبضہ کر لیا جائے۔ ایک یہودی قلعے تک آ گیا۔ چاروں طرف چکر لگانے لگا۔ قلعے میں حضرت صفیہؓ بھی تھیں۔ یہ آپؐ کی پھوپھی تھیں۔ ان کی نظر اس یہودی پر پڑ گئی۔

عورتوں کی حفاظت کے لیے حضرت حسّانؓ مقرر تھے۔ وہی حضرت حسّانؓ جو بہت اچھے شاعر تھے۔ پیارے نبیؐ کی طرف سے دشمنوں کا جواب دیا کرتے تھے۔ اس یہودی کو دیکھ کر حضرت صفیہؓ گھبرائیں۔ حضرت حسّان سے کہنے لگیں:

"دیکھیے، یہ یہودی یہاں گھوم رہا ہے۔ جلدی سے جائیے، اسے قتل کر دیجیے۔ ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو ہمارے بارے میں اطلاعات دے گا۔ ہمارے جاں باز اور سرفروش مجاہدین تو لڑائی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ وہ تو ہماری مدد کے لیے آ نہیں سکیں گے۔ اگر یہ بچ کر چلا گیا تو ہم پر بڑی مصیبت آ جائے گی۔"

حضرت حسّانؓ ذرا ہمت کے کچے تھے۔ بولے:

"عبدالمطلب کی بیٹی! اللہ تمہیں معاف کرے!! تم تو جانتی ہو، میں اس کام

کا آدمی نہیں!!"

اور کوئی شکل تھی نہیں۔ حضرت صفیہؓ نے خود ہی خیمے کا ایک بانس اکھاڑا۔ چپکے چپکے باہر گئیں۔ جا کر یہودی کے سر پر اس زور سے مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

لوٹ کر وہ قلعے میں آئیں۔ حضرت حسّانؓ سے کہا: "وہ مرد ہے۔ میں نے اسے ہاتھ لگانا اچھا نہیں سمجھا۔ جائیے، اس کے جسم سے ہتھیار اتار لائیے۔"

حضرت حسّان نے قدرے بے اعتنائی سے جواب دیا۔ "عبدالمطلب کی بیٹی! جانے بھی دو۔ مجھے اس کے ہتھیاروں کی کیا ضرورت ہے؟"

"اچھا جائیے، اس کا سر کاٹ کر میدان میں پھینک دیجیے تاکہ یہودی مرعوب ہو جائیں۔" حضرت صفیہؓ نے دوبارہ کہا:

حضرت حسّانؓ اس کے لیے بھی تیار نہ ہوئے۔ مجبوراً یہ کام بھی حضرت صفیہؓ کو ہی کرنا پڑا۔ حضرت صفیہؓ کا سوچنا صحیح نکلا۔ اس لاش کو دیکھ کر یہودی سمجھے، معلوم ہوتا ہے قلعے میں بھی کچھ فوج ہے۔ پھر انہیں حملے کی ہمت نہ ہوئی۔

جوں جوں دن گزر رہے تھے، حالات سخت ہوتے جا رہے تھے۔ فاقے پر فاقے ہو رہے تھے۔ راتوں کو سونا حرام تھا۔ ہر آن جان کا اندیشہ تھا۔ اسلامی فوج میں منافق بھی موجود تھے۔ ایسے میں وہ بھلا کہاں چھپ سکتے تھے۔ آ آ کر پیارے نبیؐ سے اجازت مانگتے، کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں۔ بال بچے خطرے میں ہیں۔ ہمیں شہر جانے دیجیے!

خود تو وہ لوٹنا چاہتے ہی تھے، مخلص مسلمانوں کو بھی بہکاتے۔ ان کو جان کا خوف دلاتے۔ پیارے نبیؐ سے بدگمان کرتے۔ کہتے: "محمد نے بھی ہمیں خوب بہکایا۔ خوب ہرے ہرے باغ دکھائے۔ کہتے تھے، قیصر و کسریٰ کے خزانے ملیں

گے۔ آج یہ حال ہے کہ "ضرورت" کے لیے بھی باہر نکلنا اپنی موت کو دعوت دینا ہے!"

بنی قریظہ کی غدّاری کو کئی دن گزر گئے۔ دشمن فوجیں بے تاب تھیں۔ ان کے تیار ہونے کا شدت سے انتظار کر رہی تھیں کہ وہ قلعے میں سے حملے کا راستہ دیں اور یہ دل کے ارمان پورے کریں۔ لیکن اس وقت تک کیا کرتیں۔ خندق کو پار کرنا تو ان کے بس سے باہر تھا۔ باہر سے ہی وہ تیر پتھر برساتی رہیں۔

خندق کی چوڑائی ایک جگہ کچھ کم تھی۔ وہاں کوئی پہرا بھی نہیں تھا۔ دشمنوں نے موقع غنیمت جانا۔ اسی طرف سے حملہ کرنا چاہا۔ پوری تیاری سے آگے بڑھے۔ گھوڑے کُدا کر اس پار پہنچے۔ غرور سے سینے تنے ہوئے تھے۔ ان میں ابوجہل کا بیٹا عِکرَمہ بھی تھا ضِرار بھی تھا۔ عرب کا مشہور بہادر عمرو بن عبدوَدّ بھی تھا۔ یہ ایک ہزار شہسواروں کے برابر مانا جاتا۔ یہی پہلے آگے بڑھا۔ اس نے زور سے للکارا: ہے کوئی میرے مقابلے کا؟" حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر جواب دیا: "میں ہوں، میں!" پیارے نبیؐ نے فرمایا: "ارے علی! یہ عمرو ہے۔ کچھ خبر بھی ہے؟!" حضرت علیؓ نے عرض کیا: "ہاں، میں خوب جانتا ہوں یہ عمرو ہے۔" آپؐ نے خود مبارک ہاتھوں سے انہیں اپنی تلوار عنایت کی۔ سر پر عمامہ باندھا۔ اور ان کے لیے دعا فرمائی، خدایا! علی کی مدد فرما۔ اب حضرت علیؓ عمرو کے مقابلے میں تھے۔ عمرو ہنسا اور بولا: "کیوں بھتیجے! میرا تو دل چاہتا نہیں کہ تمہیں ماروں!" حضرت علیؓ نے جواب دیا: "لیکن میری تلوار تو بے چین ہے تمہارا خون پینے کے لیے!

عَمرو اب غصے سے بے تاب تھا۔ اس نے پوری طاقت سے تلوار کا وار کیا۔ حضرت علیؓ نے تلوار کو ڈھال پر روک لیا، اور خود بڑھ کر وار کیا۔ لوگوں نے دیکھا، عمرو اب خاک وخون میں لتھڑا پڑا تھا۔ مسلمانوں نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا کہ پورا میدان گونج اٹھا۔ کچھ دیر عمرو کے ساتھیوں نے مقابلہ کیا لیکن

پھر سب بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس حملے میں دشمنوں کو ناکامی تو ہوئی۔ لیکن خندق کو پار کر لینا ان کے لیے کم خوشی کی بات نہ تھی۔ اب بہتوں کے حوصلے بڑھے۔ دوسرے بہادروں نے بھی جان پر کھیلنے کا فیصلہ کیا اور خندق کے اس پار جا کر مسلمانوں سے مقابلہ کرنا چاہا۔ سورج ڈوب چکا تھا۔ تاریکی پھیل چکی تھی۔ دشمنوں کا ایک دستہ خندق کی طرف بڑھا۔ آگے آگے نامی بہادر نوفل تھا۔ خندق پر پہنچ کر اس نے گھوڑا اُڑایا کہ اس پار ہو جائے۔ گھوڑا خندق میں گرا۔ نوفل کا سر پس کر رہ گیا۔ یہ عبرتناک انجام سامنے تھا۔ اب ساتھیوں کو کہاں ہمت ہو سکتی تھی۔ اُلٹے پاؤں واپس گئے۔

ابو سفیان نے مسلمانوں کے پاس کہلایا: ''نوفل کی لاش واپس کر دی جائے۔ بدلے میں ایک خوں بہا (یعنی سو اونٹ) دیا جائے گا۔''

''اٹھا لے جاؤ اسے۔ ہمیں اس کا خوں بہا نہیں چاہیے۔ اس کی لاش بھی پلید ہے۔ اس کا خون بہا بھی پلید ہے۔'' پیارے نبیؐ نے جواب دیا۔

مشرکوں نے اپنی وہ لاش اٹھائی اور واپس چلے گئے لیکن اب بھی وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئے۔ دن رات خندق پار کرنے کی کوششیں کرتے رہے۔ اس کے لیے باقاعدہ ٹولیاں بنائیں۔ وہ ٹولیاں خندق پر منڈلاتی رہتیں۔ جہاں ایک ٹولی واپس جاتی، دوسری ٹولی آ پہنچتی۔

کئی راتیں مسلمانوں پر ایسی گزریں کہ خدا کی پناہ! گھروں میں عورتیں بے کل تھیں۔ بچے بلبلا رہے تھے۔ اُف! ذرا سوچو تو سہی، ان جاں نثاروں پر کیا بیتی ہوگی جو خطرات کے نرغے میں تھے۔ لگاتار تیروں کی بوچھار ہو رہی تھی اور موت انہیں دبوچ لینے کے لیے اپنے پنجے کھولے کھڑی تھی!!!

وقت بڑا ہی نازک تھا۔ عرب کی ساری طاقتیں ایک ہو گئی تھیں، حق کو مٹا

دینے کے لیے۔ ایسے میں آپؐ کا بھروسہ صرف خدا پر تھا۔ آپؐ خدا سے گڑ گڑاتے۔ ہاتھ پھیلا کر مدد کے لیے دعائیں کرتے۔ صبر و ہمت کی بھیک مانگتے اور اسلام کو غالب کرنے کی درخواست کرتے۔

سروں پر موت منڈلا رہی تھی۔ دشمن تاک میں لگے تھے کہ مسلمان ذرا بھی غافل ہوں، حملے کا موقع ملے اور وہ بے تحاشا ٹوٹ پڑیں۔ ایسے برے وقت میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی جنگ میں بہادرانہ حصہ لے رہے تھے۔ آپؐ نے خندق کے مختلف حصوں پر فوجیں تقسیم کر دی تھیں۔ جو دشمن کے حملوں کا مقابلہ کرتیں۔ ایک حصہ خود آپؐ کی نگرانی میں تھا۔ آپؐ دشمن کو تیروں سے روک رہے تھے۔ ذرا بھی ہٹ کر دم نہ لیتے۔ اگر کوئی ضرورت پیش آ جاتی اور وہاں سے ہٹنا پڑتا تو اپنی جگہ دوسرے کو کھڑا کر دیتے۔ جوں ہی ضرورت پوری ہو جاتی، فوراً آ کر اپنی جگہ سنبھال لیتے۔ اس طرح ایک طرف تو آپؐ ساتھیوں کی ڈھارس بندھا رہے تھے۔ دوسری طرف بلند ترین انسانیت کا نمونہ پیش فرما رہے تھے۔

لڑائی کا آخری دن بڑا ہی سخت گزرا۔ تمام دن زوروں کا مقابلہ رہا۔ دشمن کے ماہر تیر انداز خندق کو گھیرے کھڑے تھے اور بے تکان تیر پتھر برسا رہے تھے۔ مسلمان تھک کے چور تھے۔ بھوک پیاس سے بدحال تھے لیکن اپنی جگہوں پر پہاڑ کی طرح اٹل تھے۔ ذرا بھی پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتے۔

اس لڑائی میں مسلمانوں کا جانی نقصان بہت کم ہوا۔ مشکل سے ان کے چھ آدمی شہید ہوئے۔ البتہ انصار کا سب سے بڑا بازو ٹوٹ گیا۔ حضرت سعدؓ بن معاذ جو اَوس کے سردار تھے، بڑی جاں بازی سے لڑ رہے تھے۔ ایک دشمن حِبّان بن عرقہ ان کی تاک میں تھا۔ موقع پا کر ان کے ہاتھ پر تیر مارا۔ ہاتھ کی موٹی رگ کٹ گئی۔ خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ اس وقت حضرت سعدؓ نے آسمان کی طرف

نگاہ اٹھائی اور خدا سے التجا کی۔

اللہ! اللہ!! وہ التجا بھی کتنی پیاری تھی:

''اے اللہ! اگر قریش سے ابھی جنگ ہونی باقی ہے تو مجھ کو زندہ رکھ۔ جس قوم نے تیرے رسول کو جھٹلایا ہے۔ ان کو گھر سے بے گھر کیا ہے، ان سے زیادہ کسی سے لڑنے کی مجھے تمنا نہیں۔ لیکن اگر ان سے اب جنگ نہ ہونی ہو تو مجھ کو اسی (زخم) میں شہادت دے اور جب تک میری آنکھیں بنی قریظہ سے ٹھنڈی نہ ہو لیں، مجھ کو موت نہ دے۔''

خدا کی رحمتیں ہوں سعدؓ پر......! اور برا ہو بنی قریظہ کے یہودیوں کا جنہوں نے غداری کی، پیارے نبیؐ کے ساتھ بے وفائی کی......! اگر وہ بے وفائی نہ کرتے، وقت پر دھوکا نہ دیتے تو اتنی خطرناک صورت کبھی نہ پیدا ہوتی۔

مسلمان سخت بے چین تھے۔ خوف سے بدحال تھے۔ آنکھیں پتھرا گئیں۔ کلیجے منہ کو آ گئے۔ ادھر منافق غصے سے تلملا رہے تھے۔ ہونٹ چبا چبا کر کہتے: ''اللہ اور اس کے رسول نے تو ہم کو دھوکا دیا!!''

ہر طرف مایوسی پھیلی ہوئی تھی۔ پوری فضا اداس اداس تھی۔ ایسے میں ایک روز دیکھا گیا، پیارے نبیؐ کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ آنکھوں میں عجیب چمک تھی، جو بے انتہا اطمینان کا پتا دے رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے فتح کا فرشتہ آپؐ کے سامنے کھڑا ہو......!!

مسلمانوں نے یہ دیکھا تو ان کے سارے غم ڈھل گئے۔ خوشی سے وہ کھل اٹھے۔ اب وہ فکرمند اور اداس نہ تھے، بالکل مطمئن اور بے غم تھے۔ ان کے چہرے دمک رہے تھے اور ہونٹ مسکرا رہے تھے کہ اب خدا کی رحمت کو جوش آ گیا۔ اب خدا کی مدد کا وقت آن پہنچا۔

(۳)

نُعیمؓ بن مسعود پیارے نبیؐ کے پاس سے لوٹے تو برابر سوچتے رہے: کیا کریں؟ کس طرح دشمنوں میں پھوٹ ڈالیں؟ کس طرح ان کا دباؤ کم کریں؟ کس طرح ان کی ناپاک تمناؤں کا خون کریں؟ وہ سوچتے رہے، سوچتے رہے، آخر میں ایک ترکیب سمجھ میں آ گئی۔

نعیمؓ فوراً اُٹھے۔ بنی قریظہ کی طرف تیزی سے چل دیے۔ بنی قریظہ میں ان کی پہلے سے مان دان تھی۔ وہاں کے یہودی ان کی بڑی عزت کرتے۔ ان کی باتیں بڑے شوق سے سنتے۔ ان کی صحبت کو اپنے لیے نعمت سمجھتے۔

نعیمؓ وہاں پہنچے تو لوگ بہت تپاک سے ملے۔ ان کو عزت سے بٹھایا۔ سارے یہودی سردار نعیمؓ کے پاس اکٹھا تھے۔ ان کی باتوں کا لطف لے رہے تھے۔ نعیمؓ کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر اپنی بات پر آئے۔ بولے: ''میرے دوستو! تمہیں معلوم ہے، مجھے اس قبیلے سے کتنا لگاؤ ہے۔ خاص کر تم لوگوں سے کتنی محبت ہے۔''

''ہاں، ہاں۔ یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے! سب کی آواز ایک ساتھ گونج اُٹھی۔

نعیمؓ نے کہا: ''تم لوگوں نے محمد سے تو معاہدہ توڑ دیا اور قریش و غطفان کے ساتھ ہو گئے۔ لیکن کچھ انجام بھی سوچا! اگر تم لوگوں کی جیت ہو گئی تو اس سے اچھی بات کیا ہو گی۔ لیکن اگر ہار گئے تو؟ اس وقت کیا بنے گا؟ وہ لوگ تو اپنا اپنا راستہ لیں گے۔ اور میدان میں تم بالکل تنہا رہ جاؤ گے۔ پھر محمد کو اکیلے تم سے ہی نمٹنا رہے گا۔ اس وقت تو تم بہت برے پھنسو گے۔ بنی قینقاع اور بنی نضیر سے بھی بری

گت بنے گی تمہاری۔"

"تو پھر کیا کیا جائے بھائی نعیم!" لوگوں نے بے تابی سے سوال کیا:

"بھائیو! میرا تو خیال ہے، پہلے ان کے کچھ آدمی رہن رکھ لو۔اس کے بعد ان کا ساتھ دو۔آدمی بھی اونچے گھرانے کے ہوں۔اس طرح تمہیں اطمینان رہے گا اور وہ لوگ بھی جب تک محمد کو مار نہ لیں گے، واپس ہونے کا نام نہ لیں گے۔" نعیم نے نہایت اعتماد کے ساتھ انہیں سجھا وادیا۔

"واہ بھائی نعیم! تمہاری رائے تو بہت عمدہ ہے۔ ہم ایسا ہی کریں گے۔" سب نے یک زبان ہو کر نعیم کی سوجھ بوجھ کی داد دی۔

"اچھا، اب میں چل رہا ہوں۔لیکن دیکھو، یہ باتیں کسی اور سے کہنے کی نہیں۔" نعیم نے چلتے وقت تاکید کی۔

"نہیں، نہیں، تم اطمینان رکھو۔ہم کسی اور سے کیوں کہنے لگے۔" سب نے نعیم کی یقین دہانی کی۔

نعیمؓ وہاں سے چلے گئے۔تو لوگ دیر تک نعیمؓ کی تعریف کرتے رہے: "نعیم نے کتنی پتے کی بات بتائی ہے۔بے چارے ہمارا کتنا خیال رکھتے ہیں!!"

بنی قریظہ سے رخصت ہو کر نعیمؓ ابوسفیان کے پاس پہنچے۔وہاں قریش کے دوسرے بہت سے سردار بھی موجود تھے۔نعیمؓ نے کہا: "بھائیو! تم سے مجھے کتنی محبت ہے۔یہ بتانے کی بات نہیں۔مجھے ایک بات معلوم ہوئی ہے۔اس سے تم کو آگاہ کر دینا میں ضروری سمجھتا ہوں تاکہ تم لوگ چوکنّے ہو جاؤ۔"

"بھائی نعیم! وہ کیا بات ہے؟!" سارے لوگ ایک ساتھ بول پڑے۔ہر ایک کے ماتھے پر تشویش کی شکنیں نمایاں تھیں۔

"پیارے بھائیو! مجھے معاف کرنا، میں بہت بری خبر لایا ہوں تمہارے لیے!

مجھ کو پتہ چلا ہے، بنی قریظہ محمد سے معاہدہ توڑ کر پچھتا رہے ہیں۔اب وہ ہر صورت سے اسے منانے کے چکر میں ہیں۔ ہمیں یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ وہ قبیلہ بنی نضیر کو دوبارہ مدینے بلانا چاہتے ہیں۔اس کے لیے انہوں نے محمد سے یہ سودا کیا ہے کہ اس موقع پر وہ قریش و غطفان کے ستر چنے ہوئے جاں باز سپاہی ان کے حوالے کریں گے، کہ وہ ان سب کے سر قلم کردیں۔

ان کے درمیان یہ بھی طے پایا ہے کہ وہ آپس میں ایک متحدہ محاذ بنا کر قریش کا مقابلہ کریں گے۔تو دیکھو، بھائیو! ہوشیار رہنا! اگر وہ کسی بہانے سے آدمی مانگیں تو بھول کر ایسی غلطی نہ کرنا۔"

یہ کہہ کر نعیم چل دیے۔قریشی سرداروں نے ان کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔وہاں سے نعیم غطفان کے پاس پہنچے۔یہاں بھی وہی باتیں کیں جو قریش سے کر آئے تھے۔

نعیمؓ کی ان باتوں سے قریش و غطفان کے لوگ سخت الجھن میں پڑ گئے۔ اسی وقت ان کے سارے سردار اکٹھا ہوئے اور سوچنے لگے: بنی قریظہ کے بارے میں کیا کیا جائے؟ لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔آخر میں طے ہوا: دونوں قبیلوں کے کچھ سردار جائیں۔ان سے کہیں: بھائیو! ہمیں یہاں آئے ہوئے بہت دن ہو گئے۔ اس سے زیادہ یہاں ٹھہرنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔اب فیصلہ ہو جانا چاہیے۔جتنی جلد ہو سکے۔تم لوگ بھی آ کر مل جاؤ۔ سب مل کر ایک ساتھ مسلمانوں پر زبردست حملہ کردیں۔

قریش و غطفان کا وفد بنی قریظہ کے پاس پہنچا۔ان سے یہ باتیں کہیں۔ بنی قریظہ نے کہا: "کل تو سنیچر ہے۔ سنیچر کے دن ہم لڑائی بھڑائی نہیں کر سکتے۔کوئی دوسرا دن رکھ لو۔ ہاں، ایک بات اور ہے۔ہم تمہارا اسی وقت ساتھ

دیں گے، جب تم ہمارے پاس کچھ آدمی رہن رکھو تا کہ ہمیں اطمینان تو رہے کہ اگر محمد کا پلا بھاری ہوا تو ہم کو چھوڑ کر بھاگو گے نہیں۔''

قریش وغطفان کو اب نعیمؓ کی باتوں میں ذرا بھی شبہہ نہ رہا، انہیں یقین ہو گیا، بنی قریظہ کی نیت سچ مچ خراب ہے۔

ادھر ان لوگوں نے اپنے آدمی رہن رکھنے سے انکار کیا۔ تو بنی قریظہ کو بھی نعیمؓ کی باتوں میں کوئی شک نہ رہا۔ اس طرح دونوں میں پھوٹ پڑ گئی اور اتنی بڑی طاقت سے بیرونی دشمن محروم ہو گئے۔

(۴)

جوں جوں دن گزر رہے تھے، دشمن ہمت ہارتے جا رہے تھے۔ دس ہزار فوجیوں کو کھانا پہنچانا آسان کام نہ تھا۔ پھر ان میں پھوٹ بھی پڑتی جا رہی تھی۔ تیزی سے ان کا میل ملاپ ختم ہو رہا تھا۔ سردی کا موسم بھی تھا۔ کھلے میدان میں ان کے جسم کٹے جا رہے تھے۔ خدا کا کرنا، انہی دنوں ایک رات تیز آندھی اٹھی۔ زوروں کی بارش شروع ہوئی۔ کچھ ہی دیر میں موسم بدل گیا۔

بادل کی گرج، بجلی کی کڑک، زن زن، ہواؤں کے تیز جھونکے...... دشمنوں کے کلیجے پھٹے جا رہے تھے۔ وہ بے تحاشا اپنے خیموں کی طرف بھاگے۔ لیکن ہواؤں کو ذرا بھی رحم نہ آیا۔ وہ تیز ہوتی گئیں۔ ان کی خوفناکی بڑھتی ہی گئی۔ ان کی زن زن کی آواز سے دل بیٹھے جا رہے تھے۔ خیموں کی رسیاں اکھڑ اکھڑ گئیں۔ سارے سامان بکھر گئے۔ کھانے کی دیگیں چولہوں پر الٹ الٹ گئیں۔

پھر ہوائیں بھی تنہا نہ تھیں۔ ساتھ میں ریت اور کنکریوں کا عذاب بھی تھا۔

دشمنوں کی آنکھیں پٹ گئیں۔کوئی کسی کو دیکھتا نہ تھا۔ان کے دل کپکپا اٹھے وہ بدحواس ہوکر چیخنے لگے۔

''ہائے تباہی......ہائے بربادی!!''

ایسے میں ابوسفیان کی آواز کانوں سے ٹکرائی: ''قریشی بھائیو! بخدا اب یہ ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔دیکھو سارے اونٹ گھوڑے تباہ ہوگئے۔بنی قریظہ نے بھی دھوکا دے دیا۔موسم کا یہ حال ہے۔چلو،اب یہاں سے بھاگ چلو۔اچھا میں تو چلا۔'' ابوسفیان جلدی سے اپنی اونٹنی پر بیٹھا اور چل دیا۔

سردار کے بعد کون ٹک سکتا تھا۔قریش کے سارے لوگ روانہ ہوگئے۔یہ دیکھ کر غطفان بھی مجبوراً واپس گئے۔اس طرح مدینہ کا اُفق بیس بائیس دن غبار آلود رہ کر صاف ہوگیا۔

سنیچر کا دن آ گیا۔ہوسکتا تھا۔یہی دن دشمنوں کے زبردست حملے کا دن ہوتا۔دیکھا گیا تو وہ جگہ بالکل ویران وسنسان پڑی تھی۔ہواؤں نے ان کا ذرا بھی نشان نہ چھوڑا تھا۔

وَرَدَّاللّٰہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِغَیْظِھِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْراً ط وَکَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ ط (سورۂ احزاب:۲۵)

(اور خدا نے کافروں کو غصے سے بھرا ہوا لوٹا دیا۔ان کے ہاتھ کچھ بھی نہ آیا اور مسلمانوں سے لڑنے کی نوبت نہ آنے دی۔)

پیارے نبیؐ اب مدینہ شہر واپس ہوئے۔آپؐ نے ساتھیوں سے فرمایا: ''اب قریش تم سے کبھی لڑنے نہ آئیں گے۔اب تم ان سے لڑنے جاؤ گے!!''

مدینے آکر آپؐ نے حضرت عائشہؓ کے گھر میں غسل فرمایا۔خوشبو استعمال کی پھر لوگوں کے ساتھ ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ابھی نماز سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ

حضرت جبریلؑ آ گئے۔ انہوں نے فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں، آپؐ نے اپنی زرہ اتار دی، حالانکہ فرشتوں نے ابھی تک اپنی زرہیں نہیں اتاری ہیں۔ ہم مشرکین کو حمراء الاسد تک کھدیر کر چلے آ رہے ہیں۔ اور اب باری ہے بنی قریظہ کی۔ آج ہی چل کر ان کی بھی خبر لینی ہے!

آپؐ نے اسی وقت بلالؓ کو بھیجا کہ وہ ایک ایک دروازے پر یہ اعلان کر دیں:

"آج عصر کی نماز بنی قریظہ کے علاوہ کہیں اور نہیں پڑھنی ہے"

مسلمان تھک کے چور تھے۔ لیکن تکان کی انہوں نے کوئی پروا نہ کی۔ حکم پاتے ہی بنی قریظہ کی طرف چل پڑے۔ وہ خوشی سے بے تاب تھے۔ ان کے دل بلّیوں اُچھل رہے تھے کیونکہ وہ بنی قریظہ سے بدلہ لینے جا رہے تھے۔ ان غداروں سے بدلہ لینے جا رہے تھے۔ جنہوں نے دشمنوں کا ساتھ دیا تھا۔ جنہوں نے مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا منصوبہ تیار کیا تھا۔

مسلمان وہاں پہنچے تو ان کے قلعے بند ہو گئے۔ ایک ماہ تک ان پر گھیرا ڈالے رہے۔ آخر وہ تنگ آ گئے۔ ان کی جان پر بن آئی۔ آپس میں انہوں نے مشورہ کیا۔ کعب بن اسد جو ان کا سردار تھا، بولا:

"اب نجات کی صورت بس یہی ہے کہ ہم مسلمان ہو جائیں اور محمد کی اطاعت قبول کر لیں۔ اس طرح جان و مال کا کوئی خطرہ نہ رہے گا اور ہم امن سے رہیں گے۔"

لوگوں نے اس کی پرزور مخالفت کی: "توریت ہم کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔ ہر چیز ممکن ہے لیکن یہ ممکن نہیں۔"

کعب نے کہا: "تو ہم پہلے اپنے بیوی بچوں کو مار ڈالیں۔ پھر تلوار لے کر باہر نکلیں اور مسلمانوں سے جنگ کریں۔ اگر ہم سب مارے گئے تو کوئی غم نہیں اور اگر جیت گئے تو دوسری بیویاں کر لیں گے۔ کچھ ہی دنوں میں پھر لڑکے بچے ہو جائیں گے۔"

یہودی اس پر بھی تیار نہ ہوئے۔ کسی کو یہ بات پسند نہ آئی۔ سب نے کہا: ''ان بے چاروں کو قتل کر دیں؟! پھر جینے کا مزہ کیا؟!!'' مختلف رائیں سامنے آئیں۔ آخر میں طے ہوا: محمد سے کہا جائے، وہ ہم کو شام کی طرف چلے جانے کی اجازت دے دیں۔ بنی قینقاع اور بنی نضیر کے ساتھ تو ایسا ہی ہوا تھا۔

پیارے نبیؐ اس پر راضی نہ ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا: ''قبیلہ اَوس تمہارا حلیف ہے۔ اس میں کسی ایک کو پسند کر لو۔ وہی تمہارا فیصلہ کرے گا۔ جو وہ کہہ دے گا، اس کو ہم بھی مانیں گے۔ تم کو بھی ماننا ہوگا۔''

بنی قریظہ نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور اپنی قسمت کا فیصلہ حضرت سعد بن معاذ پر چھوڑ دیا۔

بنی قریظہ نے تو حضرت سعدؓ کا نام لیا تھا یہ سمجھ کر کہ وہ رواداری سے کام لیں گے۔ وہ ماضی کے تعلقات کا خیال کریں گے۔ وہ ان کے بارے میں کوئی سخت فیصلہ نہیں کریں گے۔

مگر حضرت سعدؓ کی سوچ اس سے بالکل مختلف تھی۔ انہوں نے جب سنا، فیصلہ انہی کو کرنا ہے تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا:

قد آن لسعد ألاّ تأخذه في الله لومة لائم

(سعد کے لیے وقت آ گیا ہے کہ وہ اللہ کے سلسلے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہ کرے)

چنانچہ حضرت سعدؓ نے ان کا فیصلہ کیا......! وہ فیصلہ یہ تھا:

جو لڑنے کے قابل ہیں قتل کر دیے جائیں۔

عورتیں اور بچے قید کر لیے جائیں۔ ان کے مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔

آپؐ نے یہ فیصلہ سنا تو بہت خوش ہوئے۔ فرمایا:

''سعد! یہی فیصلہ خدا کا ہے۔ تم نے اس زمین پر وہ فیصلہ کیا ہے، جو سات آسمانوں کے اوپر خدا کا فیصلہ ہے۔''

مدینے میں گڑھے کھودے گئے۔ تھوڑے تھوڑے یہودی وہاں لے جائے گئے۔ ان کی گردنیں ماردی گئیں۔ پھر انہی گڑھوں میں ڈال دیے گئے۔ سب سے پہلے جس کی گردن ماری گئی وہ حُیَیّ تھا۔

حضرت سعدؓ بن معاذ کی تمنا پوری ہوگئی۔ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔ بنی قریظہ کا برا انجام انہوں نے دیکھ لیا۔ پھر وہ زیادہ نہ ٹھہرے غزوۂ خندق کے دوران ان کے ہاتھ میں جو تیر لگا تھا، وہی زخم ہرا ہوگیا۔ اس سے خون کا فوّارہ جاری ہوگیا۔ اور پھر اسی زخم سے ان کو شہادت نصیب ہوگئی۔

☆-----☆-----☆

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۳)

اور — بُت ٹوٹ گئے!

- حضورؐ کا خواب
- اسلامی قافلہ مکے کی طرف
- قریش میں جوش و اشتعال
- مسلمان حدیبیہ کے میدان میں
- دربار رسالت میں قریش کا وفد
- قبائلی سردار آب دیدہ ہو گیا!
- مسلمانوں پر شبخوں مارنے کی سازش
- قتل عثمان کی افواہ
- بیعت رضواں
- صلح حدیبیہ
- قریشی سپہ سالار اور عرب کا ''دماغ'' اسلام کی آغوش میں
- اسلام کی روز افزوں ترقی
- قریش کی عہد شکنی
- لشکر اسلام گہوارۂ اسلام میں!

(۱)

مکّہ پیارے نبیؐ کا وطن تھا۔ پورا گھرانا وہیں آباد تھا۔ اس کا ذرّہ ذرّہ آپؐ کو محبوب تھا۔ وہاں سے جانا پڑا تو آپؐ کو بہت دکھ ہوا۔ بے اختیار آنکھیں ڈبڈبا آئیں لیکن جلد ہی دن پلٹے۔ زمانے نے دیکھا، آپؐ پھر اسی شہر میں داخل ہوئے۔ البتہ پہلے آپؐ مظلوم و بے بس تھے۔ آج فتح کا جھنڈا ہاتھ میں تھا۔ خدا کو منظور ہوا آپؐ پھر لوٹیں۔ وہاں سے بتوں کو نکال باہر کریں۔ مرکزِ ایمان کو پھر نورِ ایمان سے جگمگا دیں۔ پیارے وطن میں پہنچ کر آپؐ کو کتنی خوشی ہوئی؟ اس کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟

ہجرت کو کئی برس گزر گئے۔ آپؐ مدینہ ہی میں رہتے رہے۔ مسلمانوں کے ساتھ اپنا کام کرتے رہے۔ لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے رہے۔ اس دوران قریش سے جنگیں بھی ہوئیں۔

ایک رات آپؐ نے خواب دیکھا: آپؐ بیت اللہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ آپؐ نے یہ بھی دیکھا کہ خانہ کعبہ کی کنجی آپ کے ہاتھ میں آگئی ہے۔ آپؐ نے یہ بھی دیکھا کہ آپ سر منڈا رہے ہیں۔ آپؐ نے یہ بھی دیکھا کہ آپ کے ساتھ ساتھ آپؐ کے جاں نثار صحابہ بھی ہیں۔ آپؐ بہت خوش خوش اٹھے۔ فجر کا

وقت قریب تھا۔ مسجد گئے۔ ساتھیوں کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ فجر بعد آپؐ روز ساتھیوں میں بیٹھتے۔ ان سے کچھ دیر بات چیت کرتے۔ آج بھی آپؐ بیٹھے۔ ان کو اپنا خواب سنایا اور فرمایا:

''انشاء اللہ مسجد حرام میں تم ضرور داخل ہو گے اور اس وقت تمہیں کوئی خطرہ نہ ہوگا۔''

مکہ مسلمانوں کا محبوب وطن تھا۔ وہاں سے وہ زبردستی نکالے گئے تھے۔ اس کا ان کو بڑا رنج تھا۔ اس کی یاد ایک پھانس تھی جو ہر وقت کلیجے میں کھٹکتی رہتی۔ حضرت بلالؓ مکے میں کس قدر ستائے گئے! لیکن جب ان کو مکہ یاد آتا تو رونے لگتے۔ اکثر مہاجرین جان بچا کر مکے سے نکل آئے تھے، لیکن خاندان اور بال بچے وہیں تھے۔

زبانِ مبارک سے یہ خوش خبری سن کر انہیں بڑی خوشی ہوئی۔ آپؐ نے ساتھیوں کو یہ خوش خبری سنائی، پھر فرمایا: اب تاخیر کی ضرورت نہیں۔ سب لوگ تیار ہو جاؤ۔ چلنا ہے عمرے کے لیے!

اس موقع پر جاں نثاروں کو کتنی خوشی ہوئی، اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ ایک دوسرے کو زور دار مبارک باد دی۔ گرمجوشی سے معانقے کیے۔ پھر گھروں پر گئے۔ سفر کی تیاریوں میں لگ گئے۔ کعبے سے انہیں بے انتہا محبت تھی۔ وہاں کے لیے انہوں نے قربانیوں کا بھی انتظام کیا۔

ہجرت کا چھٹا سال تھا۔ ذی قعدہ کا مہینہ تھا۔ عازمین عمرہ کا یہ قافلہ مدینے سے روانہ ہو گیا اور خانۂ کعبہ کے لیے بے تابی سے بڑھنے لگا۔ مشہور روایت کے مطابق یہ قافلہ چودہ سو پرستاران توحید پر مشتمل تھا۔ مدینے میں منافق بھی اچھے خاصے تھے۔ انہوں نے جانے میں ٹال مٹول کیا۔ بہانہ کرتے ہوئے کہا: ''ہمیں

تو کاروبار نے پھنسا رکھا ہے۔ بھلا ہم کیسے جا سکتے ہیں!''

پیارے نبیؐ نے ان پر زور نہ ڈالا۔ اب انہیں مسلمانوں کو وَرغلانے کا اور موقع ملا۔ جو کمزور مسلمان تھے، ان کے پاس پہنچے اور کہا: ''قریشی سرداروں کے زندہ رہتے تم لوگ مکے میں کیسے جاؤ گے؟''

''قریشی سردار کیا کر لیں گے؟ پیارے نبی قریش سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں۔ آپؐ بار بار ان کے دانت کھٹے کر چکے ہیں'' حوصلہ مند مسلمانوں نے جواب دیا۔

''تمہاری عقل ماری گئی ہے۔ ذرا بچ کر لوٹ آنا تب دیکھیں گے۔'' منافقوں نے مذاق اڑایا۔

''منافقوں کی یہ باتیں سارے مسلمانوں میں پھیل گئیں۔ حضرت عمرؓ نے سنا تو غصے سے بے قابو ہو گئے۔ عرض کیا: ''اللہ کے رسول! ان بد بختوں کی گردنیں ماردی جائیں۔'' پیارے نبیؐ راضی نہ ہوئے۔ ان کو ویسے ہی چھوڑ دیا اور ساتھیوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان مکے کے لیے روانہ ہو گئے۔

مسلمان چلتے چلتے عُسفان پہنچے۔ وہاں پہنچ کر ٹھہر گئے۔ اپنے اپنے خیمے لگائے۔ جانوروں کو باندھا اور آگ جلائی کہ کھانا پکائیں۔

یکا یک دور سے گرد اُڑتی دکھائی دی۔ کوئی سوار تیزی سے گھوڑا دوڑاتا چلا آرہا تھا۔ سب کی نگاہیں اسی پر جم گئیں۔ اس لیے کہ وہ مکے سے آرہا تھا۔ مکے کی خبروں کا انہیں بے حد انتظار تھا۔

کچھ ہی دیر گزری۔ وہ سوار اب مسلمانوں کے درمیان تھا۔ وہ بنی خزاعہ کا آدمی تھا۔ اس کا نام تھا بشر بن سُفیان۔ وہ پیارے نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا:

''قریش کو آپ کے سفر کی خبر ہو گئی ہے۔ وہ بہت ہی غصے میں ہیں اور جوش سے بے قابو ہیں۔ خالد بن ولید سواروں کا بہت بھاری دستہ لے کر نکلا ہے۔

مکے کے قریب ہی آپ کی گھات میں بیٹھا ہے کہ آپ پہنچیں اور سب اچانک ٹوٹ پڑیں۔"

پیارے نبیؐ کو پورا یقین ہوگیا۔ اس خبر کے صحیح ہونے میں ذرا بھی شبہہ نہ رہا کیونکہ بشر بنی خزاعہ کے سرداروں میں تھا اور بنی خزاعہ قریش کے دشمن تھے۔ مسلمانوں سے ان کے اچھے تعلقات تھے۔ بشر کی باتیں سن کر آپؐ کو بہت تکلیف ہوئی۔ فرمایا:

"افسوس ہے قریش پر!! آئے دن کی جنگ انہیں کھا گئی!! کیا نقصان تھا، اگر وہ مجھے عرب کے دوسرے قبائل پر چھوڑ دیتے۔ اگر مجھ پر ان کا بس چل جاتا تو ان کا مقصد حاصل تھا اور اگر میں غالب رہتا تو یہ سب کے سب اسلام میں آجاتے۔

بخدا میں جو چیز لے کر آیا ہوں، اس کے لیے لڑتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ اسے غالب کردے۔

اے میری قوم! قریش تم سے لڑنے نکلے ہیں۔ اگر ہم اسی راستے پر چلتے رہے تو ان سے ضرور ٹکر ہو جائے گی اور بڑا خون خرابہ ہوگا۔ ہم یہ چاہتے نہیں۔ ہے کوئی جو ہمیں کسی دوسرے راستے سے لے چلے؟"

قبیلہ اَسلم کا ایک آدمی آگے بڑھا۔ یہ صحرائی راستوں سے خوب واقف تھا۔ اس نے عرض کیا:

"میں لے چلوں گا اے اللہ کے رسول! آپ فکر نہ کریں۔ دشمن جہاں بیٹھے ہیں، وہیں بیٹھے رہ جائیں گے اور آپؐ مکے پہنچ جائیں گے۔"

پیارے نبیؐ نے فرمایا: "تب تم آگے بڑھو۔ ہم تمہارے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔"

اس آدمی نے آپؐ کی اونٹنی قَصواء کی نکیل پکڑی اور قریش کے راستے سے کترا کر چلا۔ یہ راستہ پہاڑوں سے ہو کر گزرتا تھا۔ بہت ہی کٹھن اور دشوار گزار

تھا۔ خیر، نہ جانے کن کن مصیبتوں سے آپؐ حُدیبیہ پہنچ گئے۔ یہ مکے سے ۹ میل کے فاصلے پر ایک کنواں ہے جس کو حُدیبیہ کہتے ہیں۔ گاؤں بھی اسی کنویں کے نام سے مشہور ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر آپؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔

لوگوں نے بہت کوشش کی، وہ اٹھ جائے اور چلنے لگے۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے اسے اس جگہ سے اس طرح باندھ دیا ہو کہ وہ ہل نہ سکے۔

آپؐ چاہتے تو دوسری اونٹنی پر بیٹھ سکتے تھے۔ مکہ اب نزدیک تھا۔ وہاں تک پیدل بھی جا سکتے تھے لیکن آپؐ سمجھ گئے، اونٹنی کے یہاں بیٹھ جانے میں کوئی راز ہے، جس سے میں بے خبر ہوں۔ ایسے موقعوں پر آپؐ خود کوئی فیصلہ نہ کرتے۔ خدا کی طرف سے وحی کا انتظار کرتے۔

پیارے نبیؐ نے حدیبیہ کے میدان میں خیمے گاڑ دینے کا حکم دیا۔ لوگوں نے وہیں پر ڈیرے ڈال دیے لیکن خوشی سے دَمکتے ہوئے چہرے اب بجھے بجھے سے تھے۔ سب حیران تھے کہ ماجرا کیا ہے؟ ہر ایک دوسرے سے پوچھتا: "بھئی! یہاں کیوں رک گئے؟ اب تو مکے کے دروازے پر آ گئے تھے۔ آپؐ نے تو مکے میں داخل ہونے کا وعدہ کیا تھا۔ کعبے کی زیارت کی خوش خبری سنائی تھی۔ اب یہ کیا ہو گیا؟"

اس وقت مسلمانوں کی امیدوں کو بہت سخت دھچکا لگا لیکن اب بھی وہ خدا کی رحمت سے مایوس نہ تھے۔

۲

مکے میں کافروں کے ہوش اُڑ گئے۔ ان کی بے چینی کی انتہا نہ رہی۔ جب

انہوں نے سنا آپ جاں نثاروں کے ساتھ مکے آ رہے ہیں۔ اب انہیں جو کچھ امید تھی، خالد سے تھی۔ ان کا خیال تھا خالد حملے میں کامیاب ہو جائیں، تبھی جان بچ سکتی ہے۔ آبرو بھی اسی وقت باقی رہ سکتی ہے ورنہ پھر تباہی ہے۔ ہمیشہ کی بے عزتی اور رُسوائی ہے۔

یہ لو، خالد تو لوٹ آئے۔ کہہ رہے ہیں محمد حدیبیہ میں ٹھہر گئے۔ حملے کا پورا خاکہ خاک میں مل گیا۔ ساری اسکیم فیل ہوگئی۔ اب وہ کیا کریں؟!

محمدؐ — جن کو انہوں نے اپنے یہاں سے نکال دیا تھا، آج دوبارہ لوٹ آئے۔ اس وقت وہ تنہا اور بے سہارا بھی نہیں۔ جاں نثاروں کی ایک فوج ہے، جو اُن پر نثار ہونے کے لیے بے قرار ہے۔ انہوں نے بدر و اُحد اور غزوۂ خندق میں مسلمانوں کی بہادری کا تجربہ بھی کر لیا تھا۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا مسلمان جان تو دے سکتے ہیں، اپنا دین نہیں چھوڑ سکتے۔ دین انہیں جان سے بھی پیارا ہے۔

قریشی سردار پھر دَارُ النَّدْ وَہ میں جمع ہوئے۔ ہر ایک اُداس تھا۔ ہر ایک کے چہرے پر فکر و تشویش کا غبار تھا۔

مسلمان اگر مکے میں گھس آئے تو قریش کی کیا عزت رہ جائے گی؟ دوسروں کی نگاہ میں ان کا کیا وزن رہ جائے گا؟ یہ سوچ کر ان کی غیرت کو ابال آیا۔ انہوں نے قسم کھائی:

''جب تک جان میں جان ہے۔ محمد کا مکے میں داخلہ محال ہے۔''

سب سر جوڑ کر بیٹھے۔ آپس میں مشورے کرنے لگے کہ کیا کیا جائے؟ محمد مکے کے باہر سے ہمیں دھمکی دے رہا ہے۔ قریش میں بھی اس کے بہت سے یار و مددگار ہیں۔ جو اس کو سچا نبی سمجھتے ہیں۔ یہ تو ہمارے لیے آستین کے سانپ

ہیں۔ اگر مسلمانوں سے چھڑ گئی تو دوست بن کر ڈسیں گے۔ پھر تو بڑی آفت ہو گی۔

ایک شخص کی آواز گونجی: ”محمد کہتے ہیں، ہم لڑنے نہیں آئے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ہمیں چاہیے ان سے نرمی سے پیش آئیں۔ کسی طرح سمجھا بجھا کر واپس کر دیں۔ اب اگر ان کی نیت خراب ہوئی۔ انہوں نے لڑائی کی آگ بھڑکانی چاہی تو ہم بھاگنے والے کب ہیں۔ جنگ ہی تو ہمارا اصل میدان ہے۔ لڑنا بھڑنا ہی تو ہمارا کام ہے۔“

”ہمارے بھائی! تب کیا کیا جائے؟“ ایک قریشی سردار نے سوال کیا۔

”میری رائے ہے، بنی خزاعہ کے کچھ آدمی بھیج دیے جائیں۔ وہ جا کر پتہ لگائیں محمد چاہتے کیا ہیں؟ اور جس طرح ہو سکے انہیں سمجھانے بجھانے کی کوشش کریں۔“ اس آدمی نے جواب دیا۔

”بنی خزاعہ کو بھیجنے میں کیا مصلحت ہے؟ ہمیں تو ان سے غداری کا خطرہ ہے۔ وہ تو محمد کے ہی دوست اور طرفدار ہیں۔“ قریشی سردار نے پھر سوال کیا۔

”اس طرف سے بے غم رہو۔ مکے میں ان کی زمینیں اور جائدادیں ہیں۔ بیوی بچے ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ غداری کر کے جائیں گے کہاں؟!“ اس آدمی نے اطمینان دلایا۔

سب کو یہ رائے پسند آئی۔ وفد کے لیے بنی خزاعہ کے کچھ آدمی چن لیے گئے۔ بُدَیلؓ خزاعی ان کا سردار بنا۔ یہ لوگ پیارے نبیؐ سے ملنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

وفد پہنچا تو آپؐ بہت تپاک سے ملے۔ بدیل نے آنے کی غرض بتائی۔ پیارے نبیؐ نے فرمایا: ”مسلمان کعبے کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ ان

کے دل میں اس کی عزت اور احترام ہے۔ اگر قریش ہم سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں تو ہم لوگ خاموشی سے طواف و زیارت کر کے لوٹ جائیں گے۔"

وفد لوٹ کر مکے گیا۔ قریش کو پیارے نبیؐ کا پیغام سنایا۔ انہیں آپؐ کی بات مان لینے کا مشورہ دیا۔ اب خود قریش میں اختلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ لوگوں نے کہا: "محمد سے صلح کر لی جائے۔ طواف و زیارت کے لیے راستہ کھول دیا جائے۔" کچھ دوسرے لوگوں نے کہا: یہ تو قیامت تک نہ ہو گا۔

ایک قریشی سردار نے کہا: "کیا تمہیں گوارا ہے دشمن تمہاری سرزمین روند کر چلے جائیں پھر ہمیشہ کے لیے ماتھے پر بدنامی کا ٹیکہ لگ جائے؟!"

"پھر کیا کیا جائے؟!" ایک ساتھ بہت سی آوازیں گونج اٹھیں۔

قریشی سردار: "میری رائے ہے، حُلیس بن عَلقمہ کو بھیج دیا جائے۔ وہ قبائلیوں کا سردار ہے۔ قبائلیوں کے رعب داب کا حال سبھی کو معلوم ہے۔ ہر ایک ان سے ڈرتا اور دَبتا ہے۔ ان کے غصے سے لرزتا اور کانپتا ہے۔ اگر اس سے بات بن گئی اور محمد واپس چلے گئے تو ہم کو سکون مل جائے گا۔ اتنی بڑی مصیبت سے جان چھوٹ جائے گی اور اگر محمد نے اس کی بات ٹھکرا دی تو اسے جوش آجائے گا۔ پھر تو وہ ہمارے ساتھ ہو جائے گا اور ہماری صفوں میں ہو کر لڑے گا۔"

حلیس اپنے مخصوص ساتھیوں کے ساتھ آپؐ سے ملاقات کے لیے چلا۔ پیارے نبیؐ نے اسے دیکھا تو فرمایا:

"دیکھو، وہ حلیس آ رہا ہے۔ اس کی قوم قربانی کی بڑی شوقین ہے۔ جانوروں کو اس کی طرف ہنکا دو۔ یہ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لے تاکہ اسے یقین ہو جائے ہم طواف و زیارت کے لیے آئے ہیں۔ غارت گری کے لیے نہیں آئے ہیں۔

مسلمان لبیک کہتے ہوئے اس کے استقبال کو بڑھے اور قربانی کے جانوروں کو اس کی طرف ہنکا دیا۔ اس نے دیکھا، اونٹوں کا ایک سیلاب آ رہا ہے۔ گردنوں میں لوہے کے نعل لگے ہیں۔ نعل کو زیادہ دن گزر جانے سے گردن کے اون بھی جھڑ گئے ہیں۔

ظلم و ناانصافی کا یہ دردناک منظر اس سے دیکھا نہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ پیارے نبیؐ سے ملا بھی نہیں۔ سیدھے لوٹ کر مکے گیا۔ قریش سے کہا:

''خدا کی قسم! ہم نے تم لوگوں سے اس بات پر تو معاہدہ نہیں کیا ہے۔ اللہ کے گھر سے اس کو روک رہے ہو، جو اس کی تعظیم کے لیے آیا ہے؟!

عرب کے سارے قبیلے تو کعبے کا طواف کریں اور عبدالمطلب کا بیٹا اس سے محروم رہے۔ خاندانی بڑائی میں بھی تو وہ کسی سے پیچھے نہیں؟!

اگر تم لوگوں نے محمد کو کعبے سے روکا تو جان لو، سارے قبائلیوں کو لے کر میں الگ ہو جاؤں گا اور محمد کی طرف سے تم لوگوں سے جنگ کروں گا۔''

قریشی سردار کی تدبیر ناکام ہو کر رہ گئی۔ اس نے سوچا کچھ، ہو گیا کچھ۔ لیکن وہ پھر ایک چال چلا۔ حلیس کو مناتے ہوئے بولا: ''بھئی! یہ ہم لوگوں کا معاملہ ہے۔ اسے ہم پر ہی چھوڑ دو۔ ہم لوگ کوئی ایسی بات طے کر لیں گے، جس میں سب کا بھلا ہو گا۔''

حلیس تیار ہو گیا۔ اس نے وعدہ کر لیا ان کے اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں دے گا۔

قریش کو قبائلیوں کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ انہوں نے پچاس بہادروں کو بھیجا کہ رات میں مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔

وہ لوگ رات کے اندھیرے میں حدیبیہ چلے۔ مسلمانوں کے خیموں تک پہنچے بھی نہ تھے کہ ہر طرف سے گھر گئے۔ اب وہ گرفتار ہو کر پیارے نبیؐ کے پاس جا رہے تھے۔

پیارے نبیؐ خیمے سے باہر تشریف لائے۔ دیکھا تو وہ خوف سے تھر تھرا رہے تھے۔

''تمہارے قتل میں کیا چیز روک بن سکتی ہے جبکہ تمہارا جرم اتنا سنگین ہے؟!'' آپؐ نے نہایت پر شکوہ لہجے میں سوال کیا:

''آپ کی بردباری، آپ کی رحمدلی اور مہربانی۔'' خوف سے کانپتے ہوئے دشمنوں نے جواب دیا۔

آپؐ نے فرمایا: ٹھیک ہے میں نے تمہیں معاف کیا۔ اپنی قوم میں جاؤ اور ان سے کہو: محمد خون خرابہ کے لیے نہیں آئے ہیں۔ شاید انہیں ہوش آ جائے۔

وہ لوٹ کر اپنی قوم میں گئے۔ پیارے نبیؐ نے انہیں اطمینان دلایا تھا لیکن انہیں ذرا بھی اطمینان نہ تھا۔ انہیں یقین تھا اب پوری قوم کی شامت آئے گی۔ ان کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ اتنا بڑا جرم بھی کوئی معاف کر سکتا ہے۔

اس کے بعد آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا کہ قریشی سرداروں سے جا کر ملیں اور ان سے بات چیت کریں۔

مکے میں حضرت عثمانؓ کے ایک چچیرے بھائی تھے۔ ان کا نام تھا اَبان بن سعید۔ حضرت عثمانؓ ابھی مکے میں داخل بھی نہ ہوئے تھے کہ اَبان سے ملاقات ہو گئی۔ اَبان نے انہیں اپنی حفاظت میں لے لیا۔ انہی کی حفاظت میں حضرت عثمان مکے میں داخل ہوئے۔ قریش کو پیارے نبیؐ کا پیغام سنایا:

''اب دو ہی شکلیں ہیں یا تو طواف کا موقع دو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

قریش نے کہا: ''تم طواف کر لو۔ صرف تمہارے ساتھ ہم یہ رعایت کر سکتے

ہیں۔ بقیہ مسلمانوں کوتو ویسے ہی واپس جانا ہوگا۔‘‘

حضرت عثمانؓ اس پر کیسے تیار ہو سکتے تھے۔ انہوں نے کہا: ’’یہ تو قیامت تک نہ ہوگا۔ تمہیں تو سارے مسلمانوں کو طواف کا موقع دینا ہوگا۔‘‘

’’خیر تمہاری خوشی۔ ہاں، یہ بھی جان لو اب تم ہمارے قیدی ہو۔ یہاں سے تم واپس نہیں جا سکتے۔‘‘ قریش نے نہایت بے مروّتی سے جواب دیا اور اب حضرت عثمانؓ واقعی قید میں تھے۔

مکے میں چرچا ہو گیا، عثمانؓ قتل ہو گئے۔ یہ افواہ مسلمانوں کے کانوں تک پہنچ گئی۔ وہ جوش سے بے تاب ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا: ’’عثمان کے خون کا بدلہ لینا ہم پر فرض ہے۔‘‘ یہ کہہ کر آپؐ ببول کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ سارے مسلمانوں نے جان کی بازی لگا دینے کا عہد کیا۔ ابوسنانؓ اسدی آگے بڑھے۔ سب سے پہلے انہوں نے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ ان کے بعد سارے مسلمانوں نے بیعت کی۔ اب تلواریں بے نیام ہو گئیں۔ اعلان ہو گیا۔ سب لوگ جنگ کی تیاری کریں۔

جاں نثاری کی یہ بیعت خدا کو بہت پسند آئی۔ چنانچہ کھلے لفظوں میں قرآن کے اندر اس کی تعریف فرمائی۔ اسی لیے یہ بیعت رضواں کے نام سے مشہور ہوئی۔

(۳)

مکے میں کافروں کو اس بیعت کا حال معلوم ہوا تو خوف سے ان کے دل دہل گئے۔ سب نے کہا مسلمانوں سے اب صلح کر لی جائے۔ خیریت اسی میں ہے ورنہ بڑی تباہی ہوگی۔ کافروں میں ایک شخص تھا سہیل بن عمرو۔ یہ سوجھ بوجھ اور

ہوشیاری میں مشہور تھا۔ ساتھ ہی زبان آور خطیب بھی تھا۔ لوگوں نے اسے خطیب قریش کا لقب دیا تھا۔انہوں نے صلح کی بات چیت کے لیے اسی کو دوڑایا۔

سہیل آیا تو اس نے دیکھا، مسلمانوں میں بڑی ہماہمی ہے ہر طرف جنگ کی تیاریاں ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ گھبرا گیا۔ لپک کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا:

آپ یقین مانیں، عثمان بالکل صحیح سلامت ہیں۔ ان کے قتل ہو جانے کی خبر بالکل غلط ہے۔ میں آپ کے پاس صلح کی غرض سے آیا ہوں۔ یہاں آپ کے ساتھی جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں، ادھر قریش نے قسم کھا لی ہے، اس سال آپ کو مکے نہیں آنے دیں گے۔ میں کچھ شرطیں لے کر آیا ہوں۔ ان میں ہمارے لیے بھی سلامتی ہے۔ آپ کے لیے بھی بہتری ہے۔ اگر آپ مان لیں تو ایک خوفناک جنگ ٹل جائے گی۔ نہ جانے کتنی جانیں بچ جائیں گی اور اتنی بڑی نیک نامی کا سہرا آپ کے سر بندھ جائے گا۔''

پیارے نبیؐ ''کیا شرطیں ہیں؟''

سہیل: ''اس سال آپ طواف کیے بغیر لوٹ جائیں۔ اگلے سال آئیں اور صرف تین دن رہ کر چلے جائیں۔ تلوار کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہو اور تلواریں بھی نیام میں ہوں۔''

پیارے نبیؐ: ''اور کیا شرط ہے؟''

سہیل: ''قریش کا کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ آجائے تو آپ کو اسے مکہ واپس کرنا ہوگا اور اگر کوئی مسلمان مدینہ چھوڑ کر مکے جائے گا تو ہم اسے واپس نہیں کریں گے۔''

آپؐ نے آنکھیں بند کرلیں اور کچھ دیر خاموش رہے۔ وحی کے وقت آپؐ کی یہی حالت ہوتی۔ ادھر مسلمان اس ظالمانہ شرط پر غصے سے کھول رہے تھے۔ لیکن وہ ضبط کیے رہے۔ پھر آپؐ نے آنکھیں کھولیں، فرمایا:

''اور کیا شرط ہے؟''

سہیل: ''یہ صلح دس سال تک رہے گی۔ اس مدت میں ہر ایک کو امن حاصل ہوگا۔ کوئی کسی سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرے گا۔''

پیارے نبیؐ: ''اور کیا شرط ہے؟''

سہیل: ''عرب کا جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ چاہے، معاہدے میں شریک ہو جائے۔

یہ ہیں قریش کی شرطیں۔ بات بگڑنے سے پہلے پہلے آپ سوچ لیں۔ لوگوں کو آپ کی تدبیر و حکمت سے بڑی امیدیں ہیں۔''

آپؐ نے یہ ساری شرطیں منظور کرلیں، حضرت علیؓ کو حکم دیا، صلح نامہ لکھیں۔ مسلمانوں نے یہ صورت حال دیکھی تو بہت رنجیدہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ پر سب سے زیادہ اثر ہوا۔ وہ اٹھ کر پیارے نبیؐ کی خدمت میں آئے۔ عرض کیا:

''کیا آپ خدا کے رسول نہیں ہیں؟!!''

پیارے نبیؐ: ''اس میں کیا شک ہے؟''

عمرؓ: ''کیا ہم مسلم نہیں ہیں؟!!''

پیارے نبیؐ: ''کیوں نہیں؟ ہمارے مسلم ہونے میں بھی کوئی شک نہیں۔

عمرؓ: ''کیا وہ مشرک نہیں ہیں؟!!''

پیارے نبیؐ: ''پکے مشرک ہیں۔ ان کے مشرک ہونے میں کیا شبہہ ہے؟''

عمرؓ: ''تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟ اس طرح دب کر ان کے

ساتھ کیوں صلح کریں؟!!"

پیارے نبیؐ: "عمر! میں خدا کا بندہ بھی ہوں اور اس کا رسول بھی۔ یہ اسی کا فیصلہ ہے۔ وہ ہمیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔"

حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ اٹھ کر ابو بکرؓ کے پاس آ گئے اور یہی گفتگو کی۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: عمر! سمجھ داری سے کام لو۔ کیوں اس قدر پریشان ہو؟ کیا تمہیں معلوم نہیں آپ خدا کے رسول ہیں۔ جو کچھ کرتے ہیں، خدا کے حکم سے کرتے ہیں؟!"

صلح نامہ تحریر ہونے لگا۔ حضرت علیؓ نے قلم اٹھایا اور لکھنا شروع کیا۔

پیارے نبیؐ نے فرمایا لکھو: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔"

سہیل: "ہم میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔" لکھنے کا رواج نہیں۔ ہم اس سے ناواقف ہیں۔ "بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" لکھا جائے"۔ آپؐ نے منظور فرمایا اور حضرت علیؓ کو لکھنے کا حکم دیا۔

پھر آپؐ نے فرمایا: "لکھو، یہ وہ شرطیں ہیں جن پر اللہ کے رسول محمد نے سہیل بن عمرو سے صلح کی"۔ سہیل نے فوراً حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا:

"ایسا نہ کیجیے۔ اگر قریش آپ کو رسول ہی مانتے تو جھگڑا کس بات کا تھا۔ آپ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیں۔"

پیارے نبیؐ نے فرمایا: "تم مانو چاہے نہ مانو، خدا کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں۔" پھر حضرت علیؓ سے فرمایا: "لکھو۔ یہ وہ شرطیں ہیں جن پر محمد بن عبد اللہ نے سہیل بن عمرو کے ساتھ صلح کی۔" پھر صلح کی شرطیں لکھی گئیں اور دونوں طرف کے کچھ آدمیوں کے اس پر دستخط ہو گئے۔

یہ معاہدہ چونکہ حدیبیہ میں لکھا گیا۔ اس لیے صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

ٹھیک اس وقت جبکہ معاہدہ لکھا جارہا تھا ایک شخص آیا اور مسلمانوں کے سامنے گر پڑا۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ چہرے پر مظلومی برس رہی تھی۔ جسم سے بے کسی ٹپک رہی تھی۔ یہ مظلوم قریش کا آدمی تھا، سہیل بن عمرو کا بیٹا تھا، ابوجندلؓ اس کا نام تھا، اس کے لیے مکے میں جینا دوبھر ہو گیا تھا۔ صرف اس جرم میں کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اپنے رب کا ''بندہ'' بن گیا تھا۔ نہ جانے کس کس طرح وہ گھسٹتا بھاگتا آیا تھا کہ کسی طرح قریش سے چھٹکارا مل جائے۔

سہیل نے ابوجندلؓ کو دیکھا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے غصے میں احتجاج کیا:

''یہ میرا لڑکا ہے۔ میں اس کا ولی ہوں۔ اگر اسے روک لیا گیا تو یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہو گی۔''

پیارے نبیؐ: ''ابھی معاہدہ لکھا کب گیا؟''

سہیل: ''لکھا گیا ہو چاہے نہ لکھا گیا ہو، اگر اسے یہاں روکا گیا، تو ہمیں یہ صلح منظور نہیں۔''

پیارے نبیؐ: ''اچھا، ہم انہیں روکیں گے نہیں، البتہ تم سے گزارش کرتے ہیں۔ انہیں یہیں چھوڑ دو۔''

سہیل: ''یہ تو قیامت تک نہ ہو گا۔

پیارے نبیؐ نے کئی دفعہ کہا لیکن وہ تیار نہ ہوا۔ اپنی ہٹ پر اڑا رہا۔ آپؐ کو بہت ملال ہوا۔ کچھ دیر سر مبارک جھکا رہا۔ پھر آپؐ نے ابوجندلؓ کی طرف رخ کیا۔ درد بھرے لہجے میں فرمایا:

''ابوجندل! صبر سے کام لو۔ خدا تمہارے لیے اور تم جیسے دوسرے مظلوموں کے لیے ضرور کوئی راہ نکالے گا۔ اب صلح ہو چکی۔ ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔''

سہیل نے بیٹے کی گردن پکڑی اور گھسیٹتا ہوا چلا۔ ابو جندلؓ مسلمانوں کو پکارتے رہے۔ درد بھری آواز میں کہتے رہے:

''مسلمانو! کیا پھر مجھے اسی دوزخ کی طرف لوٹا رہے ہو۔ میں اسلام لا چکا ہوں۔ کیا پھر مجھے کافروں کے پنجے میں دے رہے ہو؟''

مسلمان یہ دردناک منظر دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ حضرت عمرؓ سے رہا نہ گیا۔ انہوں نے جھٹ ایک تلوار اٹھائی اور ابو جندلؓ کی طرف بڑھائی کہ لو، اس سے اپنی مدافعت کرو! لیکن ابو جندلؓ نے اس کی ہمت نہ کی۔ چنانچہ زبردستی انہیں مکے لے جایا گیا۔ ادھر مسلمان غم و غصہ سے سلگتے رہے۔

(۴)

مسلمان مدینہ لوٹ آئے۔ لیکن ان کا دل بجھا بجھا سا تھا کہ قریش تو شرطیں لگائیں اور مسلمان ان جابرانہ شرطوں کے سامنے سر جھکا دیں۔ حضرت ابو جندلؓ کا دردناک واقعہ بھی نگاہوں میں پھر رہا تھا اور آنکھوں کی نیند اور دل کا چین غارت کر رہا تھا۔ اتنے میں قریش کا ایک اور آدمی بھاگ کر آیا۔ اس نے مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور آپؐ سے پناہ مانگی۔ یہ حضرت ابو بصیرؓ تھے۔ بہت ہی مخلص اور نیک دل مسلمان تھے۔ کافروں کے ظلم سے تنگ آ کر بھاگے تھے۔ پیچھے پیچھے مکے سے دو آدمی اور آ گئے۔ ان دونوں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

پیارے نبیؐ مجبور تھے۔ کلیجے پر سل رکھ کر اس غریب کو ان دونوں کے حوالہ کر دیا۔ ان دونوں نے مسلمانوں کے سامنے انہیں قید کیا اور ساتھ لے کر مکے چلے۔ مسلمان حسرت و افسوس سے انہیں تکتے رہے۔ ان کی مظلومی اور اپنی بے بسی پر

آنسو بہاتے رہے۔

دونوں آدمی حضرت ابو بصیرؓ کو لے کر ذُوالحُلیفہ پہنچے۔ وہاں موقع ہاتھ آ گیا۔ حضرت ابو بصیرؓ نے ایک کو قتل کر دیا۔ دوسرا سر پر پیر رکھ کر بھاگا۔ مدینہ پہنچ کر آپؐ سے شکایت کی۔ کچھ ہی دیر میں ابو بصیرؓ بھی آ پہنچے۔ عرض کیا: ''حضور! آپ نے تو مجھے واپس کر دیا تھا۔ اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔'' یہ کہہ کر وہ مدینے سے چلے گئے اور ریگستان و بیابان کی خاک چھانتے رہے۔ پھر سمندر کے کنارے پہنچے اور وہیں ٹھہر گئے۔ قریش کا کوئی قافلہ ادھر سے گزرتا تو اس پر چھاپہ مارتے۔ جو کچھ ہاتھ آتا، لے بھاگتے۔ مکے میں بہت سے مسلمان پڑے ہوئے تھے اور قریش کی بیدردیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ معاہدے کی وجہ سے وہ مدینہ بھی نہیں جا سکتے تھے۔ انہیں پتہ چلا، ایک نیا ٹھکانا پیدا ہو گیا ہے۔ وہ بھاگ بھاگ کر وہیں آ گئے۔ اب ایک طاقتور ٹولی تیار ہو گئی جس نے قریش کے قافلوں کا ناک میں دم کر دیا۔ وہ ان کا سارا سامان لوٹ لیتے اور پہاڑی درّوں میں جا دبکتے۔

قریش نے بہت کوشش کی لیکن ان پر قابو نہ پا سکے۔ آخر وہ عاجز آ گئے۔ انہوں نے رسول خدا کے پاس کہلا بھیجا۔ ''ہم اپنی اس شرط سے باز آئے۔ آپ ان مسلمانوں کو اپنے پاس بلا لیجیے۔'' آپؐ نے ان سارے مسلمانوں کو مدینہ بلا لیا۔

مسلمان سخت حیران تھے کہ جو شرط سب سے زیادہ ان کے خلاف تھی اور قریش کے حق میں تھی، قریش اس سے کیسے دست بردار ہو گئے۔ لیکن وجہ معلوم ہوئی تو ان کی حیرانی جاتی رہی۔ انہوں نے دیکھا کہ صلح حدیبیہ جسے وہ کھلی ہوئی ہار سمجھ رہے تھے، کتنی بڑی جیت ثابت ہوئی۔ اس وقت انہیں صلح حدیبیہ کی حکمتیں

نظر آئیں، جو اس سے پہلے نگاہوں سے اوجھل تھیں۔

اگلے سال مسلمان مکے گئے۔ وہاں تین دن ٹھہرے۔ طواف و زیارت کیا۔ پھر مدینہ لوٹ آئے۔ قریش نے بھی اپنا وعدہ نباہا اور مسلمانوں سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی۔

ہجرت کا آٹھواں سال شروع ہو گیا۔ اس سال لوگ کثرت سے مسلمان ہوئے۔ قریش کی صفوں سے بہت سے نامور بہادر ٹوٹ ٹوٹ کر اسلام کی گود میں آ گئے۔ خالدؓ بن ولید اور عمرؓو بن العاص کا اسلام بھی اسی زمانہ کی یادگار ہے۔

حضرت خالدؓ قریش کے سب سے بڑے سپہ سالار تھے اور حضرت عمرؓو بن العاص ''عرب کا دماغ'' سمجھے جاتے تھے۔ آگے چل کر یہی دونوں فوج اسلام کے دو مشہور کمانڈر بنے۔ ایک نے شام میں اسلام کا جھنڈا لہرایا تو دوسرا فاتح مصر کے نام سے مشہور ہوا۔

خزاعہ اور بکر عرب کے دو مشہور قبیلے تھے۔ ان میں ایک زمانے سے دشمنی چلی آ رہی تھی۔ جب اسلام ان کے سامنے خطرہ بن کر ظاہر ہوا تو آپس کی دشمنی بھول گئے اور اسلام کو مٹانے میں تن من دھن سے لگ گئے۔ حدیبیہ کی صلح ہوئی تو بکر نے سوچا، اب اسلام کا خطرہ جاتا رہا۔ اب دشمن سے بدلہ لینے کا وقت آ گیا۔ انہوں نے خزاعہ پر حملہ کر دیا۔

صلح حدیبیہ کی رو سے کچھ قبیلوں نے مکے والوں کا ساتھ دیا تھا۔ کچھ قبیلے مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے تھے۔ خزاعہ کا قبیلہ مسلمانوں کا ہمدرد تھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہو گیا تھا اور ان کے دشمن بکر قریش کے ساتھ تھے۔

قریش کے کسی ساتھی قبیلے کا مسلمانوں کے کسی ساتھی قبیلے پر حملہ کرنا معاہدے کو توڑنا تھا۔ بکر نے خزاعہ پر حملہ کیا تھا۔ یہی بات معاہدہ توڑنے کے لیے کافی تھی۔ لیکن اسی پر بس نہ تھا۔ قریش نے بھی بکر کی مدد کی۔ ان کے

بہادروں نے صورتیں بدل بدل کر خزاعہ پر تلواریں چلائیں۔

خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی۔ ظالموں نے حرم کی حرمت کا بھی خیال نہ کیا۔ اس میں گھس گھس کر بے دھڑک خون بہایا۔ خزاعہ کے کچھ آدمی بھاگ کر مدینہ پہنچے۔ آپؐ سے فریاد کی۔ خزاعہ کی مظلومی کی داستان سنی تو آپؐ کو بڑا رنج ہوا۔ معاہدے کی رو سے ان کی مدد آپؐ پر فرض تھی۔ آپؐ نے فوراً قریش کے پاس آدمی دوڑایا اور تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی ایک شرط منظور کر لو:

(۱) خزاعہ کے جتنے آدمی مارے گئے، ان کا خوں بہا ادا کرو۔

(۲) بکر سے الگ ہو جاؤ۔

(۳) اعلان کر دو حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش کا ایک سردار سب کی طرف سے بولا: ''تیسری شرط منظور ہے۔ اب ہم میں تم میں معاہدہ نہیں رہا۔'' کہنے کو تو یہ کہہ دیا، لیکن آدمی چلا گیا تو قریش بہت پچھتائے۔ فوراً ابوسفیان کو سفیر بنا کر مدینے دوڑایا کہ معاہدے کو تازہ کرے اور آپؐ سے مہلت مانگے۔

ابوسفیان کی ایک بیٹی تھیں اُمِّ حبیبہؓ۔ یہ پیارے نبیؐ کو بیاہی تھیں اور مدینے میں ہی رہتی تھیں۔ ابوسفیان سب سے پہلے بیٹی کے گھر پہنچا۔ ہو سکتا تھا مدت کے بعد باپ کا چہرہ دیکھ کر بیٹی کا دل بھر آتا۔ پرانی یادیں تازہ ہو جاتیں۔ لیکن یہاں تو اسلام کی محبت دل میں گھر کر چکی تھی اور سینے میں کفر سے نفرت کی آگ سلگ رہی تھی۔ بیٹی نے باپ سے سیدھے منہ بات نہ کی۔

ابوسفیان مایوس ہو کر وہاں سے چل دیا۔ سمجھ گیا، بیٹی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ وہ براہ راست آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قریش کا پیغام سنایا۔ آپؐ کچھ بولے نہیں۔ خاموش رہے۔

اب وہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس پہنچا اور انہیں بیچ میں ڈالنا چاہا۔لیکن انہوں نے کان پر ہاتھ دھر لیا۔الٹے کچھ ناراض بھی ہوئے۔

وہاں سے مایوس ہو کر وہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا۔دیکھا تو وہ سب سے زیادہ بپھرے ہوئے تھے۔اس کی ایک بات بھی سننے کو تیار نہ تھے۔

اب وہ حضرت فاطمہؓ کے پاس پہنچا۔حضرت حسنؓ ابھی ننھے بچے تھے۔ان کی گودیوں میں ہمک رہے تھے۔ابوسفیان نے کہا: بیٹی فاطمہ! ''اس بچے سے بس اتنا کہلا دو: ''میں نے دونوں فریقوں میں بیچ بچاؤ کرادیا۔'' اگر یہ اتنا کہہ دے تو آج سے ہی سارے عرب کا سردار کہلائے گا۔ بولو؟ ایسا کرسکتی ہو؟''

حضرت فاطمہؓ نے کہا:

''جناب ابوسفیان! آپ کیسی باتیں کرتے ہیں؟! بھلا بچے ان معاملات میں کیا کرسکتے ہیں؟! اور یہاں تو معاملہ رسول خدا کا ہے۔رسول خدا کے مقابلے میں کون پناہ دے سکتا ہے؟!''

ان سے بھی بات نہ بنی تو ابوسفیان حضرت علیؓ سے ملا۔ان کے سامنے اپنا مسئلہ رکھا۔انہوں نے کہا: ''پیارے نبیؐ جو بات طے کر چکے،اس میں کوئی کہاں دخل دے سکتا ہے؟ اب تو بس ایک ہی شکل ہے۔تم مسجد میں جا کر اعلان کردو: میں حدیبیہ کی صلح بحال کرتا ہوں۔''

چنانچہ اس نے یہی کیا اور فوراً مکہ لوٹ گیا۔مکہ پہنچنے پر جب لوگوں نے اس سے پوچھا،اور اس نے اپنا کارنامہ بیان کیا،تو لوگوں نے اسے ملامت کی،اور کہا: یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔تم سے تو علیؓ نے مذاق کیا اور تم اتنا بھی نہ سمجھے؟ کہیں اس طرح صلح بحال ہوا کرتی ہے؟

ایک مرتبہ پھر قریشی سردار مشورے کے لیے جمع ہوئے اور فیصلہ کیا خزاعہ

سے صلح کرلی جائے۔ ان کے جو آدمی مارے گئے ہیں، ان کا خوں بہادے دیا جائے تاکہ محمدؐ اگر مکے پر حملہ کریں تو وہ ان کا ساتھ نہ دیں۔

بات طے ہوگئی۔ بدیل مکے میں ہی رہتے تھے۔ یہ خزاعہ کے بہت بڑے رئیس اور معزز آدمی تھے۔ ابوسفیان نے ان سے بات پکی کرلی۔ جو لوگ مارے گئے تھے، ان کا خوں بہا بنی خزاعہ کو بھجوا دیا گیا۔ پھر یہ دونوں ایک ساتھ خزاعہ پہنچے تاکہ صلح کی بات بالکل پکی اور اطمینانی ہو جائے۔

۵

پیارے نبیؐ نے مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دیدیا۔ اسلامی قبائل کے نام پیغام بھیجا:

''جو خدا او آخرت پر ایمان رکھتا ہو، رمضان سے پہلے پہلے مدینہ آجائے۔''

مسلمانوں نے آپؐ کی آواز پر لبیک کہا۔ مختلف قبیلوں نے پوری تیاری کے ساتھ مدینے کا رخ کیا۔ رمضان کی دسویں تاریخ تھی۔ ہجرت کا آٹھواں سال تھا۔ پیارے نبی دس ہزار جان نثاروں کے ساتھ مکے کی طرف بڑھے۔ راستے میں آپؐ کے چچا عباسؓ ملے۔ یہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مکے سے آرہے تھے۔ آپؐ نے انہیں خوش آمدید کہا۔ بہت ہی تپاک اور محبت سے ان کا استقبال کیا اور ان کے بچوں کو آرام و عزت سے مدینے بھجوادیا۔

اسلامی لشکر خزاعہ کے چشمے پر پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ ایک بڑے میدان میں ٹھہر گیا۔ لوگوں نے آرام کرنے کے لیے خیمے لگائے۔ ہر طرف اندھیرا چھا چکا تھا۔ آپؐ نے حکم دیا۔ ہر قبیلہ الگ الگ آگ روشن کرے۔ مقصد یہ تھا کہ

دیکھنے والوں پر شوکت اسلام کی دھاک بیٹھے۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔

پہرہ دینے والوں میں حضرت عباسؓ بھی شامل تھے۔ یہ ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے اِدھر اُدھر نظریں دوڑا رہے تھے۔ پاس ہی انہیں دو صورتیں نظر آئیں۔ کانوں نے دونوں کی گفتگو بھی سنی۔

پہلا: ”بدیل! دیکھ رہے ہو؟! میں نے تو کبھی ایسی آگ دیکھی نہیں۔“

دوسرا: ”ابوسفیان! بخدا یہ خزاعہ کی آگ ہے۔ معلوم ہوتا ہے جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔“

ابوسفیان: ”قیامت تک خزاعہ کی یہ شان نہیں ہو سکتی۔ یہ آگ کا جنگل اور یہ آدمیوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر!!!“

حضرت عباسؓ سے رہا نہ گیا۔ بے اختیار بول اٹھے:

”ابوسفیان! میں عباس بن عبدالمطلب ہوں۔ اور یہ محمد بن عبداللہ کی آگ ہے۔“

ابوسفیان چونک پڑا۔

”مکے سے تنہا یہاں کیسے آنا ہوا؟!“ اس نے حیرت سے سوال کیا۔

عباسؓ: ”اللہ نے مجھے ہدایت دی۔ اب میں لشکر اسلام کا سپاہی ہوں۔“

دونوں قریب ہوئے۔ حضرت عباسؓ سے کہا:

”خزاعہ اور قریش میں صلح کی بات پکی ہو چکی ہے۔ اب ذرا محمد سے قریش کے لیے سفارش کر دو۔“

عباسؓ: ”پہلے تم دونوں اسلام لاؤ۔“

بدیل: ”**اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَـدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ.**

بدیل فوراً مسلمان ہو گئے۔ لیکن ابوسفیان ہچکچاتا رہا۔ حضرت عباسؓ اسے سمجھاتے رہے۔ آخر خدا نے توفیق دی۔ اس کا سینہ بھی اسلام کے لیے کھل گیا۔

اور زبان حرکت میں آئی:

"اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ."

حضرت عباسؓ دونوں کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپؐ کو خوش خبری سنائی۔ سن کر آپؐ بہت خوش ہوئے اور دونوں کو مبارک باد دی۔

مکہ اب بالکل سامنے تھا۔ آپؐ نے لشکر کو کئی حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر ٹولی کا الگ الگ کمانڈر بنایا۔ سب کو حکم دیا شہر میں الگ الگ دروازوں سے داخل ہوں جب تک کوئی پہل نہ کرے، اس پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔

آپؐ نے دیکھا حضرت ابوسفیان کا سر جھکا ہوا ہے۔ چہرے پر اُداسی ہے۔ فرمایا: "کیا بات ہے ابوحنظلہ! (ابوسفیان) ہمارے ساتھ مشوروں میں شریک نہیں ہو رہے ہو؟"

ابوسفیانؓ: "اللہ کے رسول! اب قریش پر آپ کا غلبہ ہے۔ آپ کے لشکر میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو انتقامی جذبے سے سرشار ہیں۔ آپ سے گزارش ہے، فتح پائیں تو نرمی سے کام لیں۔ دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں۔"

پیارے نبیؐ: "نہیں، نہیں، ابوسفیان! تم اطمینان رکھو۔ مکے میں تو مسلمانوں کے بھی بھائی بند ہیں۔ مہاجروں کے بھی باپ چچا ہیں۔ وہیں پر محترم گھر بھی تو ہے۔ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کا گھر۔

ابوسفیان! اپنی قوم میں جاؤ اور ان سے کہو:

"محمد مکے میں ایک اچھے بھائی کی طرح داخل ہوں گے۔ آج کوئی غالب ہے نہ مغلوب۔ کوئی فاتح ہے نہ مفتوح۔ آج تو محبت اور اتحاد کا دن ہے۔ آج تو امن وامان اور اطمینان کا دن ہے۔ ابوسفیان کے گھر میں جو داخل ہو جائے، اس کو امان ہے۔

جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے، اس کو امان ہے۔ جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اس کو امان ہے۔''

ابو سفیانؓ نے یہ محبت اور پیار کی باتیں سنیں تو بہت خوش ہوئے۔ دوڑے ہوئے مکے گئے، کہ لوگوں کو یہ خوش خبری سنائیں۔ یہ خوش خبری پورے شہر میں آناً فاناً پھیل گئی۔ لرزتے، کانپتے دلوں کو سکون و اطمینان کی ٹھنڈک نصیب ہوئی۔

مشرکوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اپنے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیے اور چھتوں اور جھروکوں سے جھانکنے لگے۔ بہت سے مشرکین جو ابھی تک جاہلی نخوت سے سرشار تھے، وہ آس پاس کے پہاڑوں پر چلے گئے۔ وہاں سے وہ یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ آج لشکر السلام گہوارۂ اسلام میں داخل ہو رہا تھا۔ آج شوکت اسلام کا ماہتاب عالم تاب پوری تابانی کے ساتھ مکے کے افق پر دمک رہا تھا۔

مسلمان حکمت سے شہر میں داخل ہو گئے۔ پورے امن و اطمینان کے ساتھ، نہ کہیں تلوار چلی نہ خون بہا۔

البتہ حضرت خالد بن ولیدؓ جس طرف سے داخل ہو رہے تھے، قریشی بہادروں کی ایک جماعت نے مزاحمت کی۔ مجبوراً حضرت خالد اور ان کے جانباز ساتھیوں کو ٹکر لینی پڑی۔ اس ٹکر کے نتیجہ میں قریش کے چوبیں اور قبیلہ ہذیل کے چار سپاہی کام آ گئے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق کل ۱۳ مشرکین مارے گئے۔ اور تین مسلمان شہید ہوئے۔ بالآخر مشرکین بری طرح پسپا ہوئے۔ اور حضرت خالد اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکے میں داخل ہو گئے۔

جب پوری طرح سکون ہو گیا، حالات معمول پر آ گئے، تو آپؐ نے خانۂ کعبہ کا رخ کیا۔ خدا کی شان، وہی گھر جو خلیل اللہؑ کی تعمیر تھا۔ وہی کعبہ جو رسولِ بُت شکن کی یادگار تھا، آج تین سو ساٹھ بُتوں سے گھرا ہوا تھا۔ آج تین سو ساٹھ بت

اس کے صحن میں براجمان تھے!! پیارے نبیؐ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔اس کی نوک سے ٹھوکے دیتے جاتے۔سارے بت اوندھے منہ گرتے جاتے۔اس وقت زبانِ مبارک پر یہ کلمات جاری تھے:

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً

حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔بلاشبہ باطل کو تو مٹنا ہی تھا۔

پھر کعبے کی کنجی منگائی۔دروازہ کھلوایا۔دیکھا تو اندر مورتیوں کے دشمن — خلیلؑ بن شکن کی تصویر تھی اور ان کے بیٹے اسماعیلؑ کی بھی! ہاتھوں میں پانسے کے تیر تھے!!! آپؐ نے انہیں مٹانے کا حکم دیا۔فرمایا:

"خدا ظالموں کو غارت کرے۔یہ بے چارے تو خدا کے پیغمبر تھے۔جوئے سے کوسوں دور تھے۔"

حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے۔جتنی تصویریں تھیں، سب مٹا دیں۔خانۂ خدا بالکل پاک صاف ہو گیا تو آپؐ اندر تشریف لے گئے۔ساتھ میں حضرت بلالؓ اور حضرت طلحہؓ بھی تھے۔وہاں آپؐ نے دو رکعت نماز ادا کی، یا چند تکبیریں کہیں۔

کعبے کے سامنے اہل مکہ کا ہجوم تھا۔لوگ قسمت کا فیصلہ سننے کے لیے جمع تھے۔اس وقت زبانِ مبارک سے یہ یادگار فقرے سنے گئے:

لَااِلٰـهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ. صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اَلَا كُلُّ مَاْثَرَةٍ اَوْدَمٍ اَوْ مَالٍ يُّدَّعٰى فَهُوَتَحْتَ قَدَمَىَّ هَاتَيْنِ اِلَّا سِدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحُجَّاجِ. يَامَعْشَرَقُرَيْشٍ اِنَّ اللّٰهَ قَدْاَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَابِالْاٰبَآءِ اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ.

"اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔وہ ایک ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں۔اس نے

اپنا وعدہ سچا کیا۔ اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور تمام فوجوں کو تنہا نیچا دکھایا۔ سن لو، تمام مفاخر، خون کے تمام دعوے، مال کے سارے مطالبے میرے ان قدموں کے نیچے ہیں۔ ہاں البتہ کعبے کی کلید برداری اور حاجیوں کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں۔

قریش کے لوگو! اب جاہلیت کی نخوت اور خاندانی مفاخرت کو خدا نے مٹا دیا۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔"

پھر قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی:

یٰاَیُّھَاالنَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍوَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًاوَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ.

"لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے بہت سے قبیلے اور خاندان بنائے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تو تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ بیشک اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔"

پھر اعلان فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ حَرَّمَ بَیْعَ الْخَمْرِ.

خدا اور اس کے رسول نے شراب کی خرید و فروخت حرام کر دی۔

پھر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف نظر اٹھائی اور درشت لہجے میں پوچھا:

"قریش کے لوگو! جانتے ہو، میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟"

ایک ساتھ بہت سی آوازیں گونجیں:

خَیْرًا. اَخٌ کَرِیْمٌ وَّابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ.

''اچھا سلوک۔ آپ اچھے بھائی ہیں اچھے بھائی کے بیٹے ہیں۔''

فرمایا:

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ. اِذْ هَبُوْ افَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ.

''آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

اللہ، اللہ یہ تھے کون لوگ......! کیا تم نے یہ بھی غور کیا؟ یہ محسن عالمؐ کے باغی تھے۔ یہ پیکر رحمتؐ کے دشمن تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو اسلام کو مٹا دینے کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے تھے اور وہ بھی تھے جو آپؐ کے خلاف زہر اگلنے کے لیے وقف تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جن کی تلواروں نے ذاتِ پاکؐ کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں اور وہ بھی تھے جنہوں نے آپؐ کی راہ میں کانٹے بچھائے تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے آپؐ پر بے دردی سے پتھر برسائے تھے اور وہ بھی تھے جنہوں نے ایڑیاں لہولہان کر دی تھیں۔ ان میں وہ بھی تھے، جو جاں نثاروں کو تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر چٹانوں سے دبا دیتے تھے اور وہ بھی تھے، جو ان کے کمزور ونحیف جسموں کو لوہے کی گرم سلاخوں سے داغتے تھے۔

اس تاریخ ظلم وستم کو سامنے رکھو، پھر رحمتِ عالمؐ کی شان کریمی کا اندازہ لگاؤ ؎

اللہ رے وسعت ترے دامانِ کرم کی
اس بحر کا ملتا نہیں ڈھونڈے سے کنارا

☆-----☆-----☆

محمد عربی ﷺ

(۱۴)

دم واپسیں!

- رسول پاک کا آخری حج
- عرفات کا تاریخی خطبہ
- دین حق کی تکمیل
- رسول خدا بستر علالت پر!
- مرض میں دن بدن اضافہ
- انتہائی نازک حالت
- محسن انسانیت کا آخری خطاب
- رحمت عالم کے آخری کلمات
- روح پاک خدا سے جاملی
- فداکاروں کی غم زدگی
- حضرت ابوبکر کی بصیرت افروز تقریر
- خلیفہ کا چناؤ
- رسول پاک کا آخری دیدار
- تجہیز و تکفین

①

ہجرت کا دسواں سال تھا۔ پیارے نبیؐ حج کے ارادے سے مکہ روانہ ہوئے۔ آپؐ کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ جاں نثاروں کا قافلہ تھا۔

اس حج کو لوگ کہتے ہیں: حجۃ الوداع

اس لئے کہ یہ آپؐ کا آخری حج تھا۔ اس کے بعد آپؐ کو مکہ، خانۂ کعبہ اور عرفات کی زیارت کا موقع نہ مل سکا۔

کچھ لوگ اس حج کو کہتے ہیں: حجۃ البلاغ

کیونکہ رب کا جو پیغام پہچانے آپؐ دنیا میں آئے تھے، وہ یہاں انجام کو پہنچ گیا۔ وہ پیغام تھا، دین اسلام۔

حج کے موقع پر پیارے نبیؐ نے مسلمانوں میں ایک تقریر بھی کی۔ وہ تقریر حقیقت میں اسلام کا دستور تھی۔

تقریر شروع کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

''پیارے بھائیو! میں جو کچھ کہوں، غور سے سنو اور اسے گرہ دے لو کیونکہ مجھے نہیں معلوم! ہوسکتا ہے اس سال کے بعد میں تم سے یہاں نہ مل سکوں۔

یادرکھو! میری باتوں پر عمل کرو گے تو پھلتے پھولتے رہو گے!''

اس کے بعد آپؐ نے سارے مسلمانوں کو آخری وصیتیں کیں۔ان وصیتوں کا نچوڑ یہ ہے:

''اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنا۔

لوگوں کی جان، مال اور عزت کا خیال رکھنا۔

کوئی امانت رکھے تو اس میں خیانت نہ کرنا۔

خوں ریزی اور سود خواری کے قریب نہ پھٹکنا۔''

پیارے نبیؐ نے تقریر کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ:

مسلمان آپس میں کیسے رہیں۔ پھر عام انسانوں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہو۔آپؐ نے مساوات پر بہت زور دیا۔ اونچ نیچ اور ذات پات کی ساری زنجیریں توڑ کر رکھ دیں۔آپ نے فرمایا:

''لوگو! تمہارا رب ایک ہے۔تمہارا باپ ایک ہے۔

تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔

خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے، جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہو۔

سن لو! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی برتری نہیں حاصل ہے۔ برتری کا معیار نسل و نسب نہیں، صرف تقویٰ ہے''

تقریر سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا۔

لوگو! کیا میں نے رب کا پیغام پہنچا دیا؟''

ایک لاکھ زبانیں ایک ساتھ بول اٹھیں:

''ہاں، اے اللہ کے رسول! آپؐ نے رب کا پیغام پہنچا دیا''

پیارے نبیؐ نے تین بار فرمایا: ''خدایا! گواہ رہیو''

تقریر ہو چکی تو حضرت بلالؓ نے اذان دی۔ آپؐ نے ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا فرمائی۔ جس وقت آپؐ نبوت کا یہ آخری فرض ادا کر رہے تھے۔ جاں نثاروں کو رب کی طرف سے یہ بشارت بھی سنائی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الِاسْلَامَ دِیْناً (سورۂ مائدہ:۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

پیارے نبیؐ نے یہ آیت پڑھی تو حضرت ابوبکرؓ زار و قطار رونے لگے۔ وہ سمجھ گئے اب آپؐ کے چل چلاؤ کے دن آ گئے۔ اسی طرح جب آپؐ پر یہ سورہ اتری، تب بھی لوگوں نے دیکھا، حضرت ابوبکرؓ رو رہے تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کے دوسوتے جاری تھے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ وَ رَأَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجاً. فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ط اِنَّه كَانَ تَوَّاباً. (سورہ نصر)

(جب اللہ کی مدد آ جائے اور فتح ہو جائے اور تم دیکھو لوگ اللہ کے دین میں دَل کے دَل داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد و تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی درخواست کرو۔ وہ تو بے انتہا توبہ قبول کرنے والا ہے۔)

حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیتیں سنیں تو سمجھ گئے آپؐ جس کام کے لئے دنیا میں آئے تھے، وہ کام اب پورا ہو گیا۔ اب آپؐ ہم میں بس چند دن کے مہمان ہیں۔ یہ خیال آنا تھا کہ جذبات کا ایک طوفان اٹھا اور آنکھوں سے گرم گرم آنسو ٹپکنے لگے۔ بھلا ابوبکرؓ کیوں نہ روتے؟ پیارے نبیؐ ان کو سب سے زیادہ عزیز تھے۔ آپؐ

ہی ان کی روح کی غذا اور ان کے دل کا سکون تھے! وہی کیا، ہر ہر مسلمان آپؐ پر دل و جان سے فدا تھا۔ آپؐ کے سامنے جان کی کوئی قیمت نہ تھی۔ مال کی کوئی وقعت نہ تھی۔ اولاد کی کوئی پروا نہ تھی۔

۲

حجۃ الوداع کو ابھی تین ماہ سے زیادہ نہ گزرے تھے کہ پیارے نبیؐ پر بیماری کا حملہ ہوا۔ اتنا زوردار حملہ کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔

بیماری شروع اس طرح ہوئی کہ ایک رات آپؐ بستر سے اٹھے۔ اپنے غلام ابومویہبہ کو اٹھایا۔ فرمایا: ابومویہبہ! مجھے اللہ کا حکم ملا ہے۔ اس وقت جا کر بقیع والوں کے لئے دعائے مغفرت کرنی ہے۔ تم بھی میرے ساتھ چلو۔

آپ انہیں ساتھ لے کر گھر سے نکلے۔ قبرستان پہنچے تو فرمایا، اے قبر والو! سلامتی ہو تم پر! تمہیں مبارک ہو وہ جگہ جہاں تم پہنچ گئے۔ تمہاری جگہیں زندہ رہنے والوں کی جگہوں سے بہتر ہیں۔

میں دیکھ رہا ہوں، فتنے آ رہے ہیں، اتنے تاریک فتنے جیسے اندھیری رات کے حصے۔ ایک فتنے کے بعد دوسرا فتنہ آئے گا۔ اور بعد میں آنے والا ہر فتنہ اپنے سے پہلے والے فتنوں سے بدتر ہوگا!

اس موقع پر آپ نے بہت دیر تک قبرستان والوں کے لئے دعائیں کیں۔

غلام کہتے ہیں، پھر آپؐ میری طرف متوجہ ہوئے، فرمایا: ابومویہبہ! مجھے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں، کہ میں ان کے درمیان ہمیشہ رہوں۔ پھر جنت میں چلا جاؤں۔ ایک طرف دنیا کے یہ خزانے ہیں، اور پھر جنت۔ دوسری طرف

اپنے رب کی ملاقات ہے، اور جنت۔

''میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں، آپؐ دنیا کے خزانوں میں رہنا پسند کر لیجئے۔ بعد میں جنت میں چلے جائیے!'' ابو مویہبہ نے نہایت عاجزی کے ساتھ اپنے دل کی بات کہہ دی۔

''نہیں، ابو مویہبہ! میں نے تو اپنے رب سے ملاقات اور جنت کو پسند کر لیا'' آپؐ نے ابو مویہبہ کو تسلی دی۔

پھر آپؐ قبرستان سے واپس آ گئے، یہ ہجرت کا گیارہواں سال تھا۔ بدھ کی رات تھی۔ ماہ صفر کی آخری تاریخیں تھیں یا ربیع الاول کا پہلا ہفتہ تھا۔

جس رات آپؐ قبرستان تشریف لے گئے، اسی رات کی صبح آپ کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ اس روز آپ حضرت زینبؓ کے ہاں تھے۔

صبح کو پاک بی بی حضرت عائشہؓ کے پاس سے آپؐ کا گزر ہوا۔ دیکھا تو وہ دردِ سر میں مبتلا تھیں۔ اور بے قراری میں کہہ رہی تھیں: ''ہائے میرا سر!''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'عائشہ! بخدا میرے سر میں تو اور بھی زیادہ درد ہے۔ ہائے میرا سر!''

حضرت عائشہؓ دوبارہ کراہیں' ''ہائے میرا سر!!''

آپؐ نے تفریح کے انداز میں فرمایا: 'عائشہ! کیا نقصان ہے اگر تم مجھ سے پہلے مر جاؤ کہ خود میں اپنے ہاتھوں سے تمہیں کفن پہناؤں، تمہاری نماز پڑھاؤں اور خود ہی اپنے ہاتھوں سے تمہیں قبر میں سلا دوں!!''

جوان عائشہؓ نے جواب دیا:

''کوئی اور بیوی اس کے لئے زیادہ اچھی رہے گی''

حضرت عائشہؓ کی بات سنی تو آپؐ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ لیکن

تکلیف بے انتہا تھی۔ آپؐ اس سے زیادہ تفریح نہ کر سکے۔

پیارے نبیؐ کا معمول تھا ایک ایک دن ہر بی بی کے یہاں قیام فرماتے۔ بیماری کی حالت میں بھی آپؐ کے اس معمول میں فرق نہ آیا۔ باری باری آپؐ ہر بی بی کے یہاں تشریف لے جاتے رہے۔ پانچ دن تک ایسا ہی چلتا رہا۔ پھر حالت بہت زیادہ خراب ہوگئی۔ چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی۔

آپؐ نے ساری بی بیوں کو بلایا۔ ان سے کسی ایک گھر میں ٹھہرنے کی اجازت چاہی۔ ساری بی بیاں بخوشی تیار ہوگئیں۔ پھر قیام کے لئے سب کی مرضی سے حضرت عائشہ کا گھر طے ہوگیا۔

کمزوری بے انتہا تھی۔ بے سہارا چلنا آپؐ کے لئے ممکن نہ تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ آپؐ کو سہارا دے کر بڑی دقتوں سے حضرت عائشہؓ کے یہاں لائے۔ دردِ سر کی شدت سے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ یہ بدھ کا دن تھا۔ آپ کی بیماری کو پورے آٹھ دن ہو چکے تھے۔

مسلمان اداس اداس تھے۔ بے چین و بے قرار تھے کیونکہ ان کا محبوب رہنما بستر علالت پر تھا اور مرض لحہ بہ لحہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اس سے پہلے کبھی آپؐ اس طرح بیمار نہ ہوئے تھے، اس لئے وہ اور زیادہ مایوس اور فکر مند تھے۔

ہجرت کے چھٹے سال ہلکا سا بخار ہوا۔ آپؐ نے دو چار دن کھانے میں پرہیز کیا اور اس کا اثر جاتا رہا۔

ساتویں سال ایک یہودی عورت نے آپ کو زہر ملا ہوا گوشت کھلا دیا۔ زہر کے اثر سے کئی دن بے چینی رہی۔ لیکن کچھ دوا دارو کے بعد اس کا اثر بھی جاتا رہا۔

زندگی میں صرف یہ دو واقعات ہوئے۔ اس کے علاوہ آپؐ ہمیشہ صحت مند اور تندرست رہے۔ اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ آپؐ کے اصول کچھ ایسے

تھے ہی کہ ان کا جو بھی خیال رکھے، بیماری اس کے قریب نہ آئے۔

کھانا اسی وقت کھاتے جب بھوک لگتی۔ کھا کر اٹھتے جب بھی بھوکے ہوتے۔

یہی وجہ ہے شاہ مصر نے آپؐ کے پاس ہدیہ بھیجا:

شہد، دو باندیاں (ماریہ اور سیرین) اور ایک طبیب

آپؐ نے شہد اور باندیوں کو قبول کر لیا اور طبیب کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہم لوگ تو بھوک کے بغیر کھانا ہی نہیں کھاتے اور جب کھاتے ہیں تو بھوک سے کم ہی کھاتے ہیں۔ بھلا بیماری کا یہاں کہاں گزر؟

اس کے علاوہ آپؐ ہمیشہ صاف ستھرے رہتے۔ دن میں پانچ بار وضو کرتے۔ کپڑے پاکیزہ رکھتے۔ گندگی اور پھوہڑ پن سے خود بھی نفرت کرتے اور دوسروں کو بھی پاک صاف رہنے کا شوق دلاتے۔ فرماتے:

''صفائی ستھرائی نصف ایمان ہے۔''

آپؐ کبھی سستی اور بے کاری کو راہ نہ دیتے۔ ہمیشہ سرگرم اور مستعد رہتے۔ کبھی عبادت میں مصروف ہوتے۔ کبھی مسلمانوں کی بہبودی کے لئے دوڑ دھوپ کرتے۔ اس کے لئے رات کو سونا تک بھول جاتے۔

آپؐ عیش وراحت کے بندے اور خواہشات کے پجاری نہ تھے۔ آپؐ کی خواہشات بھی مسلمان تھیں۔ جتنی بے جا لذتیں اور مضر دلچسپیاں ہیں ان سب سے آپؐ کوسوں دور تھے۔

یہ وہ باتیں ہیں کہ جو بھی ان کا خیال رکھے، صحت اور تندرستی اس کے پیر چومے۔ یہی وجہ ہے آپؐ بیمار ہوئے اور طبیعت سنبھلتی ہوئی معلوم نہ ہوئی تو پاک بی بیاں بے چین ہو گئیں۔ مخلص جاں نثار بے قرار ہو گئے۔

اس بے چینی اور بے قراری کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ اس سے پہلے آپؐ

جب کبھی بیمار پڑے۔ یا زخمی ہوئے تو اپنے لئے صحت کی دعا کیا کرتے۔ مگر اس بیماری میں آپؐ نے کبھی صحت کی دعا نہیں کی۔ اس کے برعکس آپؐ کی جتنی باتیں ہوتیں۔ وہ سب سفرِ آخرت کی تمہید ہوتیں۔

۳

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت گرتی گئی۔ حرارت کبھی گھٹ جاتی، کبھی بڑھ جاتی۔ جب تک پیروں میں دم رہا۔ چلنے پھرنے کی طاقت رہی۔ آپؐ مسجد جاتے رہے۔ مسلمانوں کی امامت کرتے رہے۔ سب سے آخری نماز جو پڑھائی، مغرب کی نماز تھی۔ عشاء کا وقت ہوا۔ پوچھا ''نماز ہوچکی؟'' جاں نثاروں نے عرض کیا ''حضور کا انتظار ہے'' آپؐ نے لگن میں پانی بھروایا۔ غسل کیا۔ اٹھنا چاہا تو بے ہوش ہوگئے۔ کچھ دیر کے بعد ہوش آیا۔ پوچھا: ''نماز ہوچکی؟'' جاں نثاروں نے عرض کیا: ''حضور کا انتظار ہے۔'' آپؐ پھر نہائے اور اٹھنا چاہا۔ اس بار بھی آپ بے ہوش ہوگئے۔ کچھ دیر میں پھر ہوش آیا۔ دریافت فرمایا: ''نماز ہوچکی؟'' پھر وہی جواب ملا ''حضور کا انتظار ہے۔'' جسم مبارک پر پانی ڈالا گیا۔ اٹھنے کا ارادہ کیا تو پھر بے ہوش ہوگئے۔ اس بار ہوش آیا تو فرمایا:

''ابوبکرؓ سے کہو وہ نماز پڑھائیں۔''

حضرت عائشہؓ: ''اللہ کے رسول! ان کی آواز بہت دھیمی ہے۔ قرآن پڑھتے ہیں تو روتے ہیں۔ لوگ ان کی آواز سن نہیں سکیں گے۔''

پیارے نبیؐ: ''ابوبکر سے کہو وہ نماز پڑھائیں۔''

حضرت عائشہ نے دوبارہ وہی بات عرض کی۔

پیارے نبیؐ تکلیف سے بے چین تھے۔ پھر بھی غصے سے آواز کافی بلند ہوگئی۔ فرمایا ''کہوابوبکر سے' وہی نماز پڑھائیں گے۔''

حضرت ابوبکرؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر آخر تک وہی نمازیں پڑھاتے رہے۔ یہ کل سترہ نمازیں تھیں جو حضرت ابوبکر نے آپ کی زندگی میں پڑھائیں۔

وفات سے چار دن پہلے کچھ سکون ہوا۔ فجر کا وقت تھا۔ سات مشک پانی سے آپؐ نے غسل کیا۔ پھر کپڑے پہنے۔ سر پر پٹی باندھی اور فضل بن عباس اور ثوبانؓ کے سہارے مسجد تشریف لے گئے۔ نماز ہو رہی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ امام تھے۔ آہٹ پا کر انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا۔ آپؐ نے ان کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر روک دیا اور ان کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ نماز کے بعد آپؐ نے چھوٹی سی تقریر کی۔ فرمایا:

''مسلمانو! مجھے پتا چلا ہے تم اپنے نبی کی موت سے گھبرا رہے ہو۔ آخر ایسا کیوں؟!

مجھ سے پہلے جتنے نبی آئے، سب کو موت آئی۔ آخر میں بھی تو ان ہی جیسا ایک نبی ہوں۔

سن لو! جن لوگوں نے پہلے ہجرت کی ہے، ان کے ساتھ ہمیشہ نیک سلوک کرنا۔

مہاجرین بھی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نیک سلوک کریں۔

ہاں، انصار کے ساتھ ہمیشہ اچھا برتاؤ کرنا۔

جو انصار بھلائی کریں، ان کے ساتھ بھلائی کرنا۔ جو خطا کریں، ان سے درگزر کرنا۔'' آپ نے فرمایا:

''عام مسلمان بڑھتے جائیں گے، مگر انصار اسی طرح کم ہو کر رہ جائیں گے

جیسے کھانے میں نمک۔ مسلمانو! وہ اپنا کام کر چکے۔ اب تم کو اپنا کام کرنا ہے۔ وہ میرے جسم میں بمنزلہ معدہ کے ہیں۔ میرے بعد جو مسلمانوں کا خلیفہ ہو، میں اسے وصیت کرتا ہوں، ان کے ساتھ نیک سلوک کرے۔''

پھر آپؐ نے فرمایا:

''مسلمانو! میں نے وہی چیز حلال کی ہے، جو خدا نے حلال کی ہے۔

وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے۔

مسلمانو! کسی کو میں نے مارا ہو تو یہ پیٹھ حاضر ہے۔ مجھے وہ مار لے۔

کسی کو میں نے کچھ کہا ہو تو وہ بھی آج مجھے کہہ لے۔

کسی کا میں نے کچھ لیا ہو تو وہ مجھ سے لے لے۔''

ایک صحابی کھڑے ہوئے۔ عرض کیا:

''اللہ کے رسول! آپ کے پاس میرے تین درہم ہیں۔''

آپؐ نے انہیں تین درہم ادا کیے۔ پھر فرمایا:

''اے رسول خدا کی بیٹی فاطمہ!

اے رسول خدا کی پھوپھی صفیہ!

خدا کے ہاں کے لئے کچھ کر لو میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔''

پیارے نبیؐ کے پاس نو اشرفیاں تھیں۔ بیمار ہوئے تو اندیشہ ہوا، کہیں ایسا نہ ہو موت آ جائے اور یہ اپنے ہی پاس رکھی رہ جائیں۔ حکم دیا انہیں غریبوں کو دے دیا جائے۔ لیکن سب لوگ تو تیمار داری میں مصروف تھے۔ کسی کو آپؐ کا حکم یاد نہ رہا۔

وفات سے ایک دن پہلے آپؐ کو پھر خیال آیا۔ پوچھا:

''وہ اشرفیاں کیا ہوئیں؟''

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! وہ ابھی گھر ہی میں ہیں''

آپ نے وہ اشرفیاں طلب کیں۔ حضرت عائشہؓ نے فوراً حاضر کر دیں۔

اشرفیوں کو آپؐ نے ہتھیلی پر رکھا اور فرمایا:

''اگر محمد کو موت آ گئی اور یہ اس کے پاس ہی رکھی رہ گئیں تو وہ اپنے رب کو کیا جواب دے گا؟!!''

پھر آپؐ نے ان کو چند غریب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

تکلیف بہت بڑھ گئی۔ بخار اتنا تیز ہوا کہ پورا جسم جلنے لگا۔ چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ روز باپ کی خدمت میں حاضر ہوتیں۔ آپؐ انہیں دیکھ کر شفقت سے کھڑے ہو جاتے۔ انہیں پیار کرتے اور اپنے پاس بٹھا لیتے۔ آج بلا کی بے چینی تھی۔ کمزوری بھی بے انتہا تھی۔ حضرت فاطمہؓ آئیں تو اٹھ کر پیار نہ کر سکے۔ وہ پاس آئیں۔ خود انہوں نے آپؐ کو بوسہ دیا اور پہلو میں بیٹھ گئیں۔

بخار اتنا تیز تھا کہ بار بار بے ہوش ہو جاتے۔ پاس ہی ایک برتن میں ٹھنڈا پانی تھا۔ آپ اس میں ہاتھ ڈالتے، پھر چہرے پر ملتے۔ بے چینی بلا کی تھی۔ عین اسی وقت مبارک ہونٹ ہلے اور کانوں نے یہ الفاظ سنے:

''یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو! وہ اپنے پیغمبروں کی قبروں پر سجدے کرنے لگے''!!

اسی موقع پر آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ''ہرگز ہرگز سرزمین عرب میں کبھی دو دین نہ رہنے پائیں!''

دوشنبہ کی رات ہوئی تو حرارت بہت گھٹ گئی، ایسا لگ رہا تھا گویا بخار جاتا رہا۔ بے چینی نام کو نہ تھی۔ طبیعت کو بالکل سکون تھا جس نے دیکھا، سمجھا آپؐ اچھے ہو گئے۔ اداس چہرے پھر چمک اٹھے۔ مرجھائے ہوئے دل پھر لہلہا اٹھے۔

حجرۂ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا۔ صبح ہوئی تو پردہ اٹھا کر دیکھا، مخلص ساتھی فجر کی نماز میں مصروف تھے۔ دیکھ کر آپؐ مسکرا دیے کہ اللہ کی زمین پر آخر وہ گروہ پیدا ہو گیا جو آپ کی تعلیم کا نمونہ بن کر اللہ کی یاد میں مصروف ہے۔ کچھ آہٹ ہوئی۔ ساتھی سمجھے آپؐ باہر آنا چاہتے ہیں۔ خوشی سے وہ بے تاب ہو گئے۔ اور قریب تھا نمازیں توڑ دیں۔ حضرت ابو بکرؓ امام تھے۔ چاہا پیچھے ہٹ جائیں۔ لیکن آپ نے اشارے سے روک دیا۔ پھر حجرے کے اندر ہو کر پردہ گرا لیا۔ کمزوری اس قدر تھی کہ پردہ بھی ٹھیک سے نہ گرا سکے۔ پیروں پر کھڑا ہونا بھی دشوار تھا لیکن ساتھیوں کو خوش دیکھ کر آپؐ بے حد خوش تھے۔

کمزوری دم بدم بڑھتی جا رہی تھی۔ موت ہولے ہولے سرکتی آ رہی تھی۔ آپؐ نے برتن میں ٹھنڈا پانی مانگا۔ فوراً پانی حاضر کر دیا گیا۔ آپؐ بار بار اس میں ہاتھ ڈالتے اور چہرے پر ملتے۔ چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے، کبھی ہٹا دیتے۔ لگا تار زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّی عَلٰی تَحَمُّلِ سَکَرَاتِ الْمَوْتِ

"اے اللہ جاں کنی کی تکلیفیں جھیلنا میرے لئے آسان کر۔"

پیارے باپ کی بے چینی دیکھ کر حضرت فاطمہؓ بے چین ہو گئیں۔ بے اختیار چیخیں "ہائے میرے باپ کی بے چینی!" آپؐ نے فرمایا: "آج کے بعد پھر کبھی تمہارا باپ بے چین نہ ہوگا"

سہ پہر کا وقت تھا۔ سینے میں سانس گھڑ گھڑا رہی تھی۔ اتنے میں مبارک ہونٹ ہلے اور کانوں میں یہ آواز آئی۔

"نماز اور غلاموں سے نیک سلوک"

پھر ہاتھ اوپر اٹھے۔ آپؐ نے انگلی سے اشارہ کیا اور فرمایا:

بَلِ الرَّفِیقَ الْاَعْلیٰ ''اب اور کوئی نہیں۔ بس وہی سب سے بڑا ساتھی۔''
یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک آئے۔ آنکھیں چھت سے لگ گئیں اور روح پاک اپنے رب سے جا ملی۔

دوشنبہ کا دن تھا۔ ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی۔ ہجرت کا گیارہواں سال تھا۔ جاں نثاروں کی نظر میں دنیا اندھیری ہوگئی اور دل کی بستیاں سنسان ہوگئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وبَارِکْ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَ عَلیٰ اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

جس وقت آپؐ کی زندگی کا آفتاب غرب ہوا، عمر مبارک ۶۳ سال تھی۔

۴

کیا سچ مچ رسول خدا چل بسے؟

جو مسلمان بھی یہ دل خراش خبر سنتا، کلیجا مسوس کے رہ جاتا۔

ایسا کیسے ہوگیا؟!

ابھی چند ہی گھنٹے پہلے تو انہوں نے آپ کو دیکھا تھا۔ آپ نے ان سے باتیں بھی کی تھیں۔

ایسا کیسے ہوگیا؟!

آپ تو اللہ کے چہیتے ہیں۔ اللہ نے آپ کو پیغمبر بنایا ہے۔ آپ ہزاروں انسانوں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا سکون اور روح کی غذا ہیں۔

ایسا کیسے ہوگیا؟

آپ تو ایک خدائی طاقت ہیں۔ آپ نے نظام باطل کو پاش پاش کردیا۔

تمام شیطانی طاقتوں کو پسپا کر کے رکھ دیا۔

ایسا کیسے ہو گیا؟!

آپ نے ہی تو بے شمار انسانوں کو اندھیرے سے نکالا ہے۔ اجالے میں پہنچایا ہے۔ گمرہی سے نکالا ہے۔ سیدھے رستے پر لگایا ہے۔ اب انہیں کون سنبھالے گا؟ کون ان کی رہ نمائی کرے گا؟

ایسا کیسے ہو گیا؟!

آپ کے مرنے سے تو وحی رک جائے گی، جو اب تک کسی نبی کے مرنے سے نہیں رکی۔

حضرت عمرؓ نے یہ غمناک خبر سنی تو پاؤں تلے سے زمین سرک گئی۔ بے تحاشا عائشہؓ کے گھر کی طرف دوڑے کہ اس نامبارک خبر کی تحقیق کریں۔ پہنچے تو وہاں جسم مبارک پر چادر پڑی تھی۔

حضرت عمر نے چہرے سے چادر ہٹائی۔ دیکھا تو آپؐ بالکل بے حس و حرکت تھے۔ اب شک کی کیا گنجائش تھی؟ موت کا یقین کرنا ہی پڑا۔ اک ذرا سی آس تھی وہ آس بھی جاتی رہی۔ ان پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ کلیجہ پکڑ کے رہ گئے۔

پھر وہ مسجد گئے۔ دیکھا تو لوگ سسکیاں لے رہے تھے۔ روتے روتے لوگوں کا برا حال تھا۔ آنسو تھے کہ تھمتے ہی نہ تھے۔ کسی کو صبر آئے تو کیسے آئے! دل کو قرار آئے تو کیونکر آئے! آج تمام ہی جاں نثاروں کے دل سوگوار تھے۔ آنکھیں اشکبار تھیں۔ کلیجے منہ کو آ رہے تھے۔ آج کسی سے کسی کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔

وفات کی المناک خبر حضرت ابوبکرؓ کو بھی ملی۔ سنتے ہی سناّ ٹے میں آ گئے۔ فوراً مسجد پہنچے۔ وہاں جاں نثاروں کا ہجوم تھا۔ ہر ایک غم سے نڈھال تھا۔ روتے

روتے بے حال تھا۔ وہ کسی سے کچھ بولے نہیں۔ سیدھے حضرت عائشہؓ کے گھر گئے۔ پیارے نبیؐ کے جسم مبارک پر چادر پڑی تھی۔ چہرے سے چادر ہٹائی۔ پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ اور وہیں کھڑے کھڑے ان الفاظ میں اپنا درد دل کہہ سنایا:

''اے رسول خدا! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپؐ کی زندگی بھی اچھی، آپ کی موت بھی اچھی!

اللہ کے رسول! آپ کے چلے جانے سے تو نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا، جو کسی بھی نبی کے جانے سے ختم نہیں ہوا۔

اللہ کے رسول! آپ کی عظمتیں نہ زبان سے بیان ہو سکیں، نہ آنسوؤں سے ان کا حق ادا ہو سکے۔

اللہ کے رسول! اگر یہ موت خود آپ کی پسند کی ہوئی نہ ہوتی تو آپ کو بچانے کے لئے ہم اپنی جانیں پیش کر دیتے اور اگر آپ نے رونے سے منع نہ کیا ہوتا تو آپ پر روتے روتے اپنی آنکھیں خشک کر لیتے۔ البتہ جو چیز ہمارے اختیار میں نہیں وہ حزن وغم کی وہ آگ ہے، جو کبھی ٹھنڈی ہونے والی نہیں۔

اے اللہ! تو نبی کی خدمت میں ہمارا اسلام پہنچا دے۔

اے محمد! اپنے رب کے ہاں ہمیں بھی یاد کیجئے گا۔ اپنے قلب مبارک میں ہماری یادوں کے چراغ روشن رکھیے گا۔

اللہ کے رسول! اگر آپ ہمارے لئے سکینت کا سامان نہ چھوڑ جاتے تو آپ کے چلے جانے سے جو بے کیفی پیدا ہو گئی ہے، اس کے ساتھ ہم زندہ نہ رہ سکتے۔

اے اللہ! ہمارا یہ پیغام اپنے نبی کو پہنچا دے۔ اور ہمارے اندر ان کے مشن کو غالب کر دے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اس طرح بے ساختہ اپنا درد دل کہہ سنایا۔ خود بھی روئے، دوسروں کو بھی رلایا۔ پھر واپس مسجد نبوی آئے۔ دیکھا تو حضرت عمرؓ کی تقریر ہو رہی تھی۔ وہ لوگوں کو سمجھا رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو دیکھ کر لوگ ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ سارے لوگ جمع ہو گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے یہ تاریخی تقریر کی:

لوگو!

اگر کوئی محمد کی بندگی کرتا تھا تو محمد تو اس جہان سے تشریف لے گئے اور اگر کوئی اللہ کی بندگی کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے۔ اس کے لئے کبھی موت نہیں۔

مسلمانو! اللہ نے تو تمہیں پہلے سے ہی آپؐ کی موت کی خبر دے دی تھی۔ تو تم شدت غم میں اس بات کو بھول نہ جاؤ۔

مسلمانو! ہمارے اطمینان کے لئے کیا یہ بات کافی نہیں کہ اللہ نے اپنے نبیؐ کے لئے اس دنیا کی کلفتوں کے بجائے اپنے ہاں کی راحتیں پسند کیں۔ اس نے آپؐ کو اس دنیا سے اٹھا لیا۔ اور اپنے انعام و اکرام کی دنیا میں پہنچا دیا۔ اور تمہارے اندر اپنی کتاب اور اپنے نبی کی سنت باقی رکھی۔ جو ان دونوں کو پکڑے رہے گا وہ نیکی کی راہ پر قائم رہے گا، اور جو ان دونوں کو الگ الگ کرے گا، وہ غلط راستے پر جا پڑے گا۔

مسلمانو! ہوشیار رہو، شیطان تمہیں تمہارے نبیؐ کی موت میں مشغول نہ کر دے۔ اور اس طرح تمہیں تمہارے دین سے دور نہ کر دے۔

تم جلد سے جلد وہ طریقہ اور وہ انداز اختیار کرو، جس سے شیطان کو ناکام کر سکو۔ اسے اتنی مہلت نہ دو کہ وہ تمہارا نشیمن تاراج کر ڈالے۔

(پھر یہ آیت پڑھی)

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاِنْ مَّاتَ

اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰیٓ اَعْقَا بِکُمْ ط وَ مَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْئًا ط وَسَیَجْزِی اللّٰهُ الشَّاکِرِیْنَ . (سورہ آل عمران:۱۴۴)

(اور محمد تو بس اللہ کے رسول ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے نبی گزر چکے۔ کیا اگر وہ مر جائیں یا (خدا کی راہ میں) مارے جائیں تو تم الٹے پاؤں اسلام سے پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے گا وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑے گا اور اللہ اس نعمت کی قدر کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے گا۔)

یہ ہے کچھ حصہ اس بصیرت افروز تقریر کا جو حضرت ابوبکرؓ نے اس موقع پر کی۔ مسلمانوں نے یہ تقریر سنی تو ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس کڑوی حقیقت کا انہیں یقین کرنا پڑا۔ سب کو ایسا معلوم ہوا جیسے یہ آیت پاک آج ہی اتری ہے۔ ہر مسلمان کی زبان پر یہی آیت تھی اور اسی کا چرچا تھا۔

مسلمانوں کے دل آپؐ کے عشق و محبت اور عقیدت سے لبریز تھے۔ وفات کی خبر ان کے دلوں پر غم و اندوہ کی بجلی بن کر گری۔ سنتے ہی وہ اپنے حواس کھو بیٹھے۔ ان پر غم کے بادل گھر آئے اور مایوسی کی بدلیاں چھا گئیں، حضرت ابوبکرؓ نے ان کے سامنے یہ بصیرت افروز تقریر کی، تو ان کی آنکھیں کھلیں اور انہیں ہوش آیا۔ حضرت عثمانؓ کا کیا حال تھا؟ ان کے بھی ہوش و حواس گم تھے اور غم کی شدت سے ان کی زبان گنگ تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

''یوں سمجھنا چاہئے گویا ہماری آنکھوں پر پردے پڑے تھے۔ وہ پردے ہٹ گئے'' یہی لوگ نہیں، تمام مسلمانوں کا یہی حال تھا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے تقریر کی تو سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ انہیں یقین ہو گیا پیارے نبی سچ مچ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ کا اس موقع پر کیا حال تھا؟ وہ صبر و تحمل اور وقار کا

پہاڑ تھے۔ وہ نازک موڑ پر صحیح رہنمائی کا بہترین نمونہ تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کم محبت نہ تھی۔ وفاداری اور جاں نثاری میں وہ کسی سے پیچھے نہ تھے۔ گزر چکا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت پڑھی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِینَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الاِسْلَامَ دِیْناً ط (سورۃ مائدہ:۳)

(آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔)

تو حضرت ابو بکرؓ رونے لگے اور جب یہ سورہ اتری:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ . وَرَأَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجاً. فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْہُ ط اِنَّہُ کَانَ تَوَّاباً .

(جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح ہو جائے اور تم دیکھو لوگ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد و تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی درخواست کرو۔ وہ تو بے انتہا توبہ قبول کرنے والا ہے۔)

تب بھی حضرت ابو بکرؓ بے قابو ہو گئے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں کیونکہ وہ سمجھ گئے اب آپؐ کے جانے کے دن قریب آگئے اور یہ کٹھن دن دیکھنے کے لیے وہ پہلے سے تیار ہو گئے۔

یہی وجہ ہے پیارے نبی کی وفات ہوئی تو ہر طرف کہرام مچ گیا۔ مسلمان کلیجہ تھام تھام کے رونے لگے۔ کتنے لوگ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ صبر و تحمل کا پیکر بنے رہے۔ اس نازک وقت میں مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کرتے رہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا دین اسلام پر بہت بڑا فضل ہے اور مسلمانوں کے ساتھ بہت بڑا احسان کہ ایسے خطرناک وقت میں حضرت ابوبکرؓ نے ان کو صحیح راہ سجھائی۔ پھسلتے ہوئے انہیں سنبھال لیا اور ان میں پھوٹ پڑنے سے بچالیا۔

۵

جسد مبارک ڈھکا رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ اپنا سر پکڑے بیٹھے تھے۔ سارے مسلمان زار و قطار رو رہے تھے اور حضرت ابوبکرؓ انہیں سمجھا رہے تھے کہ یہ خدا کی مشیت ہے۔ مومن کی شان یہ ہے کہ خدا کی مشیت پر صبر کرے۔ اس کے ہر فیصلے کو اپنے لئے بہتر سمجھے۔ ہمیشہ راضی بہ رضا رہے۔ کہ اتنے میں ایک آدمی بھاگا ہوا آیا۔ وہ بے تحاشا چلایا:

"ابوبکر! عمر!

بہت سے انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھا ہیں۔ اپنے میں سے خلیفہ چن رہے ہیں۔ جلدی دوڑو، ورنہ ایک فتنہ اٹھ کھڑا ہوگا۔ مسلمانوں میں پھوٹ کا آتش فشاں پھٹ پڑے گا۔"

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ فوراً بھاگے ہوئے گئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ بھی راستے میں مل گئے۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا بہت سے انصار جمع ہیں۔ کچھ مہاجرین بھی موجود ہیں۔ خوب گرما گرم بحثیں ہو رہی ہیں۔ زوروں پر تو تو میں میں جاری ہے۔ ایک دوسرے پر چوٹیں ہو رہی ہیں۔

ان لوگوں نے بر وقت پہنچ کر حالات پر قابو پایا۔ حکمت سے لوگوں کو سمجھایا بجھایا۔ آخر سب کی رائے ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ چن لئے گئے۔ سارا جھگڑا

رفع دفع ہو گیا۔

جسد مبارک ابھی اسی طرح رکھا تھا۔ جاں نثاروں کا ایک ہجوم تھا جو وہاں جمع تھا۔ لوگ آپ کو آنسوؤں کے نذرانے پیش کر رہے تھے۔

خلیفہ کا چناؤ ہو چکا تو آپؐ کی تجہیز و تکفین کا انتظام ہوا۔ آپؐ کو نہلایا گیا حضرت علیؓ اور حضرت فضلؓ بن عباس نے آپ کو غسل دیا۔ نہلانے کے بعد تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ پھر سارے مسلمانوں کو موقع دیا گیا کہ اپنے محبوبؐ نبی اور محبوب رہنما پر آخری نظریں ڈال لیں۔ اور دعا و نماز سے بھی فارغ ہو لیں۔

جسد مبارک کے گرد جاں نثاروں کا ہجوم تھا کہ عشق و عقیدت میں ڈوبی ہوئی یہ پرسوز آواز کانوں میں گونجی:

اللہ کے رسول! سلامتی ہو آپ پر

خدا کی رحمتیں اور برکتیں ہوں آپ پر

ہم گواہ ہیں آپ نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا۔ اور دین کے لئے جان لڑاتے رہے، یہاں تک کہ اللہ نے اسے غالب کر دیا۔

یہ آواز آپؐ کے یارِ غار حضرت ابوبکرؓ کی آواز تھی۔

مرد نماز سے فارغ ہوئے تو عورتوں کی باری آئی۔ پھر بچوں کو موقع دیا گیا۔ لوگ بے تابانہ آتے اور ٹوٹے ہوئے دل اور بھیگی ہوئی سرخ سرخ آنکھوں کے ساتھ واپس چلے جاتے۔

وفات کے دو دن بعد آپؐ قبر مبارک میں لٹائے گئے پھر قیامت تک کے لئے نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

قبر آپؐ کی وہیں بنی، جہاں آپؐ کا وصال ہوا تھا۔ قبر کی جگہ کا مسئلہ آیا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

''میں نے پیارے نبیؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے، جس نبی کی بھی وفات ہوئی، اس کی قبر وہیں بنی، جہاں اس کی وفات ہوئی''

چنانچہ بستر مبارک جہاں بچھا ہوا تھا، اس کے چاروں طرف نشانات لگا دیے گئے۔ پھر بستر مبارک وہاں سے کھسکا دیا گیا۔ جہاں آپ کا بستر تھا وہیں آپؐ کی قبر تیار کی گئی۔ حضرت ابوطلحہ بغلی قبر کھودنے میں ماہر تھے، انہی نے قبر تیار کی۔

قبر تیار ہوگئی تو آپؐ کا تابوت قبر کے کنارے ہی رکھ دیا گیا۔ لوگ چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں اندر آتے۔ اور آپ کی نماز پڑھ کر باہر چلے جاتے۔

سب سے پہلے جن لوگوں نے آپ کی نماز پڑھی، وہ حضرت عباس اور بنی ہاشم تھے۔ پھر مہاجرین نے نماز پڑھی، پھر انصار نے۔ اس کے بعد عورتوں کو موقع دیا گیا۔ پھر بچوں کو۔

روایتوں میں آتا ہے، اس طرح سے بہتر بار آپؐ کی نماز جنازہ ہوئی۔

سب لوگ نماز ادا کر چکے تو حضرت عباسؓ، حضرت فضلؓ بن عباس، حضرت قثمؓ بن عباس، حضرت علیؓ، حضرت شقرانؓ آپؐ کی قبر میں اترے۔ اور آپ کو سپرد خاک کیا۔

قبر برابر ہوگئی تو حضرت بلالؓ نے اس پر ایک ڈول پانی کا چھڑکاؤ کیا۔ حضرت بلالؓ نے ایک ڈول پانی کا چھڑکاؤ کیا، اور جاں نثاروں نے نہ جانے کتنے ڈول آنسو اپنی آنکھوں سے بہا دیے!!

البتہ یہ وہ آنسو نہ تھے، جو آج ہماری محفلوں میں بہائے جاتے ہیں۔ یہ وہ آنسو تھے جن کے پیچھے جہاد و عزیمت کی ایک لمبی تاریخ تھی۔ یہ مجاہدوں کے آنسو تھے۔ یہ ان لوگوں کے آنسو تھے جو زندگی بھر آپؐ پر اپنی جانیں چھڑکتے رہے۔ اور آپ کی وفات کے بعد بھی پیغام حق کو سینے سے لگائے رہے۔

وہ کشت اسلام کو اپنے خون جگر سے سینچتے رہے۔ اور شمع ایمان کی روشنی عام کرنے کے لیے اپنی جانوں پر کھیلتے رہے۔

آہ! یہ کتنے قیمتی اور کتنے مقدس آنسو تھے، جو اس وقت ان جاں نثاروں کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

وہ آنسو اس عالم میں ایک زبردست انقلاب کا پیش خیمہ تھے۔

وہ آنسو محمد عربیؐ سے پیمان وفا اور پیمان محبت کے آنسو تھے۔

چنانچہ تدفین کے دوسرے ہی دن خلیفہ رُسول نے اعلان کرا دیا، کہ جہادی قافلے اپنے اپنے محاذوں پر روانہ ہو جائیں۔

ہزاروں درود و سلام اس نبی امّی پر جس نے اپنے جاں نثاروں میں انسانیت کا درد پیدا کیا۔ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اپنی جانوں پر کھیل جانے کا حوصلہ عطا کیا۔

ہزاروں رحمتیں اور برکتیں ہوں ان بلند ہمت اُصحاب رسول پر جن کی رگوں میں ایمان و یقین کی بجلیاں دوڑتی رہیں۔ انہیں چین نہیں آیا جب تک عالم کے چپے چپے پر خدائی نظام نافذ نہ کر لیا۔

آؤ مسلمانو! ہم بھی عہد کریں، اب ہمارا مرنا اور جینا بس اسی دین کے لیے ہوگا۔

آؤ، ہم یہ ثابت کر دیں کہ ہم اپنے نبی کے سچے امتی اور اپنے بزرگ صحابہ کے سچے جانشین ہیں

ہم زمانے کو سکھائیں گے ترا طرز حیات
تجھ سے اقرار یہ کرتے ہیں رسول عربیؐ!

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم
کے
تصوّر میں

وہ جانِ حیاتِ کون و مکاں، وہ روحِ نجاتِ انسانی
وہ جس کی بلندی کے آگے افلاک ہوئے پانی پانی
وہ فقر کا پیکر جس کے قدم چھوتا ہے شکوہِ سلطانی
ان سے ہی مجھے نسبت ہے مگر کب ان کی حقیقت پہچانی

احساسِ خطا کی پلکوں سے آنسو بن کر گر جاتا ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں

خونیں اندھیاروں کی آندھی ہر نور نگلتی جاتی ہے
انسان کی یہ فردوس زمیں دوزخ میں ڈھلتی جاتی ہے
یہ امت جس کے شعلوں میں ہر گام پہ جلتی جاتی ہے
انساں پہ فرشتے روتے ہیں، شیطان کی چلتی جاتی ہے

اسلام کی چیخیں سنتا ہوں، خاموش گزرتا جاتا ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں

اسلام کی یہ تاریخ الم، طوفان اُٹھے، بھونچال آئے
وہ جن کی نظر تھی عرش رسا، گرتے گرتے پاتال آئے

رُوحوں کی بصیرت سلب ہوئی، دل کے شیشوں میں بال آئے
پیغامِ عمل دُہراتے ہوئے تیرہ سو پریشاں سال آئے
محصور جہادِ ہستی میں — ''قربانی'' سے گھبراتا ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں

آباد ہوئیں عشرت گاہیں، ویران مساجد روتی ہیں
طاری ہے فضا پر موسیقی، پامال اذانیں ہوتی ہیں
بربادِ خزاں ہے مستقبل، ماضی کی بہاریں سوتی ہیں
پھولوں کے بجائے کانٹوں میں شبنم کے شکستہ موتی ہیں
یہ وقتِ عمل، کردار ہے شل، کیا دستِ دُعا پھیلاتا ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں

طائف میں مقدس خوں ٹپکا، مکے میں کبھی پتھر کھائے
بس ایک تڑپ تھی کیسی تڑپ؟ انسان ہدایت پاجائے
ہر غم کو لگا کر سینے سے درماں کے طریقے سکھلائے
کیا قہر ہے! یہ انسان اُسی مُحسن کو بھلا کر کھوجائے
اُف کتنے گناہوں کے ہاتھوں دینی بنیادیں ڈھاتا ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں

باطل کی بھیانک سازش میں، شیطان کی ظالم گھاتوں میں
اسلام ہوا ٹکڑے ٹکڑے فرقوں میں، جتھوں میں، ذاتوں میں
میں میٹھی نیندیں سوتا ہوں اس موت کی کالی راتوں میں
خود اپنے لہو کا پیمانہ رقصاں ہوں اُٹھائے ہاتھوں میں

ماحول کی رگ رگ میں اپنا ناپاک لہو دوڑاتا ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں

یہ برف سی خاموشی میں مگر۔اک درد بھری آواز ہے کیا؟
مضرابِ عجم نے چھیڑ دیا پھر دین عرب کا ساز ہے کیا؟
باطل کے مقابل اُبھرے ہیں پھر چند مسلماں راز ہے کیا؟
کیا ختم ہوئی طاغوتی شب؟ صبح نو کا آغاز ہے کیا؟

سنتا ہوں کہیں سے بانگِ درا، اُٹھتے ہیں قدم، رک جاتا ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں

شمس نویدؔ عثمانی

نعت

میسر ہوا گر ایمانِ کامل
کہاں کی الجھنیں کیسے مسائل

نہیں جن میں تمہارا عکس شامل
وہ نقشے ہیں مٹا دینے کے قابل

ثبوتِ عظمتِ انسانیت ہیں
محمد مصطفیٰ انسانِ کامل

تمہارا ہر قدم شمعِ ہدایت
تمہارا نقشِ پا تصویرِ منزل

ہزار آزادیوں سے لاکھ بہتر
تمہارے عشق کے طوق و سلاسل

تمہارے قولِ فیصل سے ہوئی ہے
نمایاں خیر و شر کی حدّ فاصل

سکوں مجھ کو نہیں درکار آقا
بڑھا دیجے مری بے تابیٔ دل

اجازت ہو تو شاہا! پیش کردوں
مرے پہلو میں ہے ٹوٹا ہوا دل

حفیظ اس عشقِ احمدؐ کی بدولت
مجھے ہے دولتِ کونین حاصل

(حفیظ میرٹھی)